بازی
1
KitabPk.Com
ایم اے راحت

KitabPk.Com

میرے ملنے جلنے والوں کا خیال تھا کہ میں ایک مثالی نوجوان ہوں۔ پڑوس کے بڑے بوڑھے اپنی اولاد کو میری مثال دیتے تھے۔ سب مجھ پر اعتماد کرتے تھے۔ سوائے ان لفنگے نوجوانوں کے جو پان کی دکان یا رمضان کے جھونپڑہ ہوٹل کی سیڑھیوں پر ڈیرہ جمائے رہتے تھے اور اسکول آنے جانے والی لڑکیوں کو چھیڑنے اور ان پر آوازے کسنے کو ہی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے۔ ان کو مجھ سے شدید بیر تھا۔ کیونکہ میں نے ان میں سے کئی ایک کو نقصان بھی پہنچایا تھا۔ مثلاً علی بخش جس کے کلے میں ہر وقت پان کی گلوری دبی رہتی تھی اور وہ در و دیوار کو پان کی پیک کی گلکاریوں سے سجاتا رہتا تھا۔ علاقے میں جگہ جگہ اس کے شاہکار نظر آتے تھے۔ وہ اسکول لگنے کے وقت اور چھٹی ہونے کے بعد بڑی باقاعدگی سے لچر، بے ہودہ فلمی گانے گاتا اور لڑکیوں پر آوازے کستا' اسی قماش کے دوسرے بھی تھے لیکن علی بخش کے دادا جان ان جیسے لوگوں کے لئے بڑے خطرناک تھے۔ ریٹائرڈ فوجی تھے اور اب بھی اتنا کس بل رکھتے تھے کہ علی بخش جیسے لونڈوں کو دو چار ہاتھ میں لمبا کر دیں' پانچوں وقت کے نمازی اور نیک فطرت انسان تھے۔ محلے کے سب لوگ انہیں دادا جان کہتے تھے۔ ایک روز میں کالج سے آ رہا تھا کہ وہ راستے میں مل گئے۔ میں نے سلام کیا تو رک گئے۔

"کیا حال ہے منصور میاں' کیسی پڑھائی ہو رہی ہے؟" انہوں نے شفقت سے پوچھا۔

"خدا کا احسان ہے' دادا جان۔ آپ بزرگوں کی دعائیں ہیں۔"

"خدا عمر دراز کرے میاں۔ بارہویں میں پڑھ رہے ہو نا؟"

"جی دادا جان۔"

"ایک وہ اپنے علی بخش ہیں۔ آوارہ گردی سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ لاکھ کوشش کی کہ کچھ پڑھ لکھ جائیں لیکن چوتھی جماعت پاس کر کے نہ دی۔ نہ جانے زندگی میں کیا کریں گے۔"

"دادا جان' غیبت گناہ ہے لیکن ایک ایسی بات بتانا چاہتا ہوں جو انسانی رشتے سے متعلق ہے۔ علی بھی دوسرے بے کار لڑکوں کی طرح اسکول کے وقت ہوٹل کے سیڑھیوں پر جا بیٹھتے ہیں اور لڑکیوں کو چھیڑتے ہیں اگر آپ کو میری بات پر یقین نہ آئے تو خود اپنی

KitabPk.Com

آنکھوں سے دیکھ لیں اور ان لوگوں کو سرزنش کریں۔ محلے والے سخت پریشان ہیں۔ میرا خیال ہے آپ اس پر توجہ دیں گے۔"

"علی بھی ان میں شامل ہوتا ہے؟" دادا جان غصے سے کانپتے ہوئے بولے۔

"جی دادا جان۔"

"تمہارا شکریہ بیٹے۔" دادا جان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور آگے بڑھ گئے۔

دوسرے دن جب تمام لڑکے بے خبر بیٹھے اسکول کی چھٹی ہونے کا انتظار کر رہے تھے تو اچانک دادا جان ہوٹل کے عقب سے برآمد ہوئے۔ علی بخش ماتھے پر بالوں کا چاند بنائے ہونٹ پان سے رنگے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ دادا جان نے اس کی گردن ناپی۔

علی کی گھٹی گھٹی چیخ سے سب چونک پڑے اور بھگدڑ مچ گئی لیکن کیا مجال کہ علی ان کے چنگل سے نکل سکتا۔ دادا جان نے وہیں اس کی کھال ادھیڑ کر رکھ دی اور ہوٹل کے مالک امان اللہ کو وارننگ دی کہ اگر اسکول کے اوقات میں اس نے ہوٹل پر لڑکوں کا جمگھٹا ہونے دیا تو پھر اسے یہ ہوٹل بند ہی کرنا پڑے گا۔

کچھ عرصے تک لڑکے سہمے رہے کسی کو تفریح کی سوجھتی تو کہیں اور چلا جاتا تھا۔ علی بخش اس مخبر کی کھوج میں تھا جس نے دادا جان کو اطلاع دی تھی۔ شبہے میں وہ کئی لوگوں سے لڑ بھی چکا تھا اور پھر نجانے کس طرح اسے میرے بارے میں علم ہو گیا۔ منو کی پان کی دکان کے نزدیک ایک دن اس نے مجھے پکڑ لیا۔ میں کالج سے واپس آ رہا تھا۔ علی کے ساتھ دو لڑکے بھی تھے۔

"دادا جان سے شکایت کس نے کی تھی؟" علی بخش نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میں نے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہوں' تو میرا خیال ٹھیک تھا۔" علی نے دوسروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مارو سالے کو۔" ایک لڑکے نے کہا۔ میں نے کتابیں پان کی دکان پر رکھ دیں اور آگے بڑھ کر اس لڑکے کا گریبان..... پکڑ لیا۔

"مارو سالے کو۔ کیوں؟" میں نے کہا اور ایک گھونسا اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑایا تو میں نے اس کے لات رسید کر دی۔ معاً علی بخش اور دوسرا لڑکا مجھ سے لپٹ پڑا۔ میں لڑائی بھڑائی کا آدمی نہیں تھا لیکن تھا ان سب سے زیادہ تندرست و توانا۔ صبح دو گھنٹے کی کسرت سے میں نے اپنے بدن کو فولاد بنا لیا تھا چنانچہ میں نے تینوں کی زبردست ٹھکائی کی۔ ان لوگوں نے پہلی بار میرے ہاتھ دیکھے تھے۔

نہ جانے کس طرح اس وقت ابا آ گئے۔ انہوں نے ہنگامہ دیکھ کر گاڑی روکی اور مجھے دیکھ کر نیچے اتر آئے حالانکہ پلہ میرا بھاری تھا۔ ابا کو یہ دیکھ کر غصہ آیا کہ تین تین لڑکے مجھ سے لپٹے ہوئے ہیں۔ انہوں نے طیش میں آ کر پستول نکال لیا۔

مجھے پہلی بار علم ہوا کہ ابا کے پاس پستول بھی ہے۔ لڑکے تو بھاگ کھڑے ہوئے لیکن محلے میں سنسنی پھیل گئی۔ شام کو پڑوس کے دس بارہ آدمی جمع ہوئے جن میں دادا جان بھی شامل تھے۔

ابا نے کہا۔ "مجھے صرف ان لوگوں سے کہنا ہے جن کے بیٹے محلے میں آوارگی کرتے ہیں وہ اپنی اولاد کو روکیں ورنہ یہ محلہ چھوڑ دیں۔ مجھے بھی یہیں رہنا ہے اور ان کو بھی جن کی بیٹیاں جوان ہو رہی ہیں۔ ہمیں اپنے ناموس کی حفاظت کرنا ہے اور اس حفاظت کے لئے اگر خون خرابہ بھی کرنا پڑا تو خدا کی قسم' دو چار کو میں ٹھنڈا بھی کر دوں گا' میرا لڑکا اس لفنگے پن میں شامل نہیں ہے لیکن اگر آپ لوگوں میں سے کوئی اسے بھی غلط راستے پر دیکھے تو آپ کو اجازت ہے کہ اس کی دونوں ٹانگیں توڑ کر اسے گھر پہنچا دیں۔ میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔"

"بچے ہیں احمد میاں۔ عقل آ جائے گی تو خود ٹھیک ہو جائیں گے تمہیں ان پر پستول نہیں نکالنا چاہئے تھا۔" ایک صاحب نے اعتراض کیا۔

"خود ٹھیک نہیں ہوں گے۔ انہیں ٹھیک کرنا ہو گا۔ ہم ان کے خود بخود ٹھیک ہونے کا انتظار کر کے کسی المناک حادثے کو دعوت نہیں دیں گے۔" ابا نے سخت لہجے میں کہا۔

اس سے قبل کہ کوئی کچھ بولے' دادا جان بول پڑے۔ "احمد میاں نے ٹھیک کیا۔ بچوں سے کسی کو نفرت نہیں ہوتی میاں! لیکن برائیوں کو بڑھنے سے پہلے ہی روکنا ضروری ہے۔ میرے گھر جا کر دیکھو علی چلنے پھرنے سے رہ گیا ہے۔ جو کرنا ہے آج کرو۔ کل کا انتظار حماقت ہے۔"

دادا جان نے سب کو لاجواب کر دیا اور سب نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے بچوں کی نگرانی کریں گے لیکن اکثر لوگ ہم سے ناراض بھی ہو گئے۔ خاص طور پر لفنگے میرے دشمن بن گئے۔ اب آوارگی ہوتی تھی لیکن محلے سے باہر۔ ابا کے پستول نے زبانیں بند کر رکھی تھیں ورنہ شاید کچھ ہو کر رہتا۔ بہرحال میں اپنی تعلیم میں مصروف تھا۔ امتحانات میں بہت تھوڑا سا وقت رہ گیا تھا۔

میری بہن فریدہ نے میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا تو ابا نے پورے محلے میں مٹھائی تقسیم کی۔ فیضان کے گھر میں خود مٹھائی لے کر گیا۔ محلے میں فیضان ہی ایک ایسا لڑکا تھا جس سے میری دوستی تھی۔ وہ بھی میری طرح لکھنے پڑھنے کا شوقین اور فضول باتوں میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اس کے والد ایئرپورٹ سیکورٹی فورس میں ملازم تھے۔ درمیانے درجے کی زندگی گزارتے تھے بہرحال اچھے لوگ تھے..... البتہ فیضان کی نانی کسی قدر متفنی عورت تھیں۔ ایک ایک گھر کا گشت ان کا معمول تھا اور پھر یہاں کی وہاں' وہاں

کی یہاں' لگانا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ہمارے ہاں انہیں زیادہ گھاس نہیں ڈالی جاتی تھی' امی ان سے کافی محتاط رہتی تھیں۔ ان کی زبانی دوسرے گھروں کی کہانیاں سنتی تھیں۔ اس لیے نہیں چاہتی تھیں کہ اپنی بھی کہانیاں دوسرے گھروں تک پہنچیں۔

مٹھائی کا ڈبا دیکھ کر نانی نے آنکھیں مٹکائیں۔ "کیسی مٹھائی ہے منصور میاں؟"

"فریدہ نے میٹرک پاس کر لیا ہے نانی۔" میں نے جواب دیا۔

"پورے پورے ڈبے بانٹے ہیں احمد علی نے یا صرف ہمارے ہاں.....!"

"نہیں نانی۔ ابا نے ہر گھر کے لئے ایک ڈبا بنوایا ہے۔"

"سینکڑوں روپے کی مٹھائی منگوائی ہو گی۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی منصور میاں! تمہاری کوئی جائداد وغیرہ ہے۔ زمینیں ہیں کہیں؟"

"نہیں نانی۔ کیوں؟"

"تمہارے ابا صرف ڈرائیور ہیں۔ کیا تنخواہ ملتی ہو گی ڈرائیور کو' چار سو؟ اور تمہارا گھر بھرا ہوا ہے۔ ہر چیز موجود ہے جب کہ مجھے یاد ہے کہ جب تم اس محلے میں آئے تھے تو بانوں کی چار پائیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہائے یہ سب کچھ ڈرائیوری سے ہوا ہے؟..... پورے محلے کا خیال ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ ورنہ یہ پورے پورے ڈبے گھروں میں نہ بانٹے جاتے۔"

"اماں کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ خدا سب کو دیتا ہے۔ اور پھر آپ کو کیا پڑی ہے کہ دوسروں کے گھروں کی ٹوہ لیں۔" فیضان کی ماں نے اپنی ماں کو ٹوکا۔

"خدا تو سب کو دیتا ہے مگر شاید احمد علی کو کوئی اور بھی دیتا ہے۔ تو کون ہوتی ہے مجھے ٹوکنے والی! پہرے بٹھائے گی میری زبان پر؟ لے ذرا بچے سے بات کرنے بیٹھ گئی تو زبان پکڑنے دوڑی۔ ارے میں کسی کا دیا کھاتی ہوں؟ مجھے کیا پڑی ہے گھر گھر کی ٹوہ لینے کی۔ سب کہتے ہیں تو میں نے بھی کہہ دیا اور تو کان کھول کر سن لے! اپنے میاں کی پینشن کھا رہی ہوں داماد کے ٹکڑوں پر نہیں آ پڑی ہوں جو اکڑ اکڑ کر بولتی ہے۔ ساری دنیا چھوڑ کر ماما سے تیرے گھر پڑی ہوں ورنہ کیا میرے لئے ٹھکانے نہیں ہیں۔"

فیضان کی ماں بے چاری دم سادھ کر رہ گئی۔ لیکن میرے ذہن میں ایک شعلہ سا لپکا۔ ابا کسی سیٹھ کے ہاں ڈرائیور کی حیثیت سے ملازم تھے اور ڈرائیور کی اتنی تنخواہ تو نہیں ہوتی۔ کیا چیز تھی جو ہمارے ہاں موجود نہیں تھی۔ فریدہ میٹرک تک جا پہنچی تھی۔ میں کالج میں پڑھ رہا تھا۔ اچھے خاصے اخراجات تھے ہمارے۔ کبھی کسی چیز کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ تو کیا ابا کچھ اور بھی کرتے ہیں؟ لیکن کیا؟

میں فیضان کے گھر سے یہی خلجان لیے لوٹا اور امی سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"امی۔ ابا کو کیا تنخواہ ملتی ہے؟"

KitabPk.Com

"پانچ سو روپے۔ کیوں' آج یہ خیال کیسے آ گیا؟"

"لیکن امی ہمارا رہن سہن تو اس تنخواہ سے کہیں زیادہ ہے۔"

"تمہارے ابا دن رات جتے جو رہتے ہیں۔ سیٹھ جس وقت بھی بلا لے' خواہ آدھی رات ہو۔ وہ چون و چرا نہیں کرتے۔ وہ تمہارے ابا سے بہت خوش ہے اور اکثر انعام بھی دیتا رہتا ہے۔"

"امی لوگ ہمیں شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جس دن سے ابا نے لڑکوں پر پستول نکالا ہے' ہمارے بارے میں افواہیں اڑنے لگی ہیں۔"

"میں نے پوچھا تھا بیٹے۔ پستول سیٹھ صاحب کا تھا۔ وہ اکثر کار میں رات کو سفر کرتا ہے۔ اس لئے اپنی حفاظت کے لئے پستول رکھتا ہے لیکن تمہیں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے! اس محلے کے رہنے والے تم جانتے ہو جیسے ہیں۔ ان افواہوں پر کان نہ دھرا کرو۔"

"جی۔" میں نے گردن ہلا دی۔ ذہن کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا۔ یوں بھی یہ میرا مسئلہ نہیں تھا۔ شب و روز گزرتے رہے۔ میں امتحان کی تیاریوں میں لگا رہا۔ پہلے بھی کسی سے ملنا جلنا زیادہ نہیں تھا اور اب تو بالکل ہی گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ ہاں پڑوس کے حالات خود بخود کانوں تک پہنچ جاتے۔ عزیز کو چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ علی کا کسی سے جھگڑا ہو گیا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ حافظ یوسف مکان چھوڑ کر چلے گئے اور ان کے مکان میں فیروز نامی کوئی شخص آ گیا جو بڑا جھگڑالو ہے اور دو بار چاقو نکال چکا ہے۔ علی بخش گھر سے بھاگ گیا تھا لیکن پکڑا گیا۔

ان ساری باتوں کی تفصیل امتحان کے بعد ہی معلوم ہوئی۔ فیروز خان ایک ہٹا کٹا' خوفناک شکل کا آدمی تھا۔ محلے کے اوباش لڑکوں نے اس سے دوستی گانٹھ لی تھی اور اکثر اس کے ہاں جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ سردیاں شروع ہو چکی تھیں۔ فریدہ کے بارے میں ابھی فیصلہ نہیں ہو سکا تھا کہ کالج میں اسے داخلہ دلایا جائے یا نہیں۔ ابا اس کی مزید تعلیم کے خلاف تھے لیکن امی کا کہنا تھا کہ بچی کو شوق ہے تو پڑھنے دیا جائے۔ حالات اچھے ہیں اور اس کی تعلیم کسی دشواری کا باعث نہیں ہے۔ بہرحال ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا تھا۔

اس شام بارش ہو گئی۔ سردی پہلے ہی شدید تھی۔ بارش کی وجہ سے پالا پڑنے لگا۔ ابا کہہ کر گئے تھے کہ دیر سے آئیں گے۔ امی اس وقت تک جاگتی رہتی تھیں جب تک ابا نہیں آ جاتے تھے خواہ رات کے چار بج جائیں۔ ہم بہن بھائی سو جاتے تھے۔ رات کا نہ جانے کیا بجا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ ابا آہستہ آہستہ کراہ رہے تھے اور امی ان کے پاس بیٹھی تھیں۔ بتی جل رہی تھی۔ ابا کی کراہوں سے میری نیند کافور ہو گئی۔ میں تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔

KitabPk.Com

"کیا بات ہے امی۔ کیا ہوا؟"

"تمہارے ابا کے سینے میں سخت درد ہو رہا ہے منصور۔ بے حال ہوئے جا رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے اس وقت کیا کروں؟"

"ڈاکٹر صاحب کے گھر چلا جاؤں؟ ان کے پاس تو موٹر سائیکل ہے۔ آ جائیں گے۔"

"نہیں منصور۔ صبح کو دیکھا جائے گا۔ ویسے میں صبح تک ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ہوا لگ گئی ہے۔" ابا نے کراہتے ہوئے کہا۔

"مجھے کوئی دقت نہیں ہو گی ابا۔ میں دوڑتا ہوا جاؤں گا۔"

"باہر پالا پڑ رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کسی قیمت پر اس وقت باہر نہیں نکلیں گے۔ تمہارا جانا بے سود ہو گا۔ میں اس وقت تمہیں گھر سے نہیں نکلنے دوں گا۔"

"منصور تم انگیٹھی جلا کر لے آؤ۔ باورچی خانے میں کوئلے پڑے ہوئے ہیں۔ لاؤ ذرا سینکائی کروں۔ ممکن ہے فائدہ ہو جائے۔" امی نے کہا اور میں سردی سے بے نیاز دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انگیٹھی جلا کر لے آیا۔ فریدہ بھی جاگ گئی تھی اور امی کے کہنے پر چائے بنانے چلی گئی تھی۔ ابا کی کراہیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

امی بے چاری جو کچھ کر سکتی تھیں' انہوں نے کیا۔ صبح میں منہ اندھیرے ڈاکٹر صاحب کے ہاں دوڑا دوڑا گیا۔ اس وقت بھی اتنی سردی تھی کہ..... دانت بج رہے تھے۔ سورج آج بھی نہیں نکلا تھا۔ ان ڈاکٹر صاحب سے ابا کی کچھ شناسائی تھی۔ انہوں نے پہلے تو کچھ تامل کیا لیکن جب میں نے صورت حال بتائی تو چلنے کو تیار ہو گئے۔ میں ان کے ساتھ موٹر سائیکل پر گھر آیا۔ ابا کی حالت اسی طرح تھی۔ پڑوسن خالہ' امی کے پاس تھیں اور ان کے شوہر بھی آ گئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے پہلے تو انگیٹھی پر ہاتھ سینک کر اپنی حالت درست کی۔ پھر ابا کا معائنہ کیا آلہ لگا کر دیر تک دیکھتے رہے پھر بولے۔ "ذہل نمونیہ ہے اگر فوراً کنٹرول کر لیا جاتا تو شاید حالت سنبھل جاتی۔ لیکن اب مشکل ہے۔ فوراً ہسپتال لے جانا ہو گا۔"

امی رونے لگیں۔ ہمارے پڑوسی اللہ دین خالو نے انہیں تسلی دی۔ میں بڑی مشکل سے ٹیکسی تلاش کر کے لایا اور ہم ابا کو ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے سفارش کی تھی جس کی وجہ سے ابا کو فوراً ہسپتال والوں نے داخل کر لیا۔ لیکن اسی دن ایک بجے مجھے اپنی زندگی کے سب سے المناک لمحات سے دو چار ہونا پڑا۔

ابا کے انتقال کی خبر ماں اور بہن کو مجھ بدنصیب نے ہی سنائی۔ ابا اس طرح اچانک چلے گئے تھے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ امی پر ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ سب کچھ ایک خواب کے سے عالم میں ہوا۔ تجہیز و تکفین ہوئی۔ سوئم ہوا۔ چالیسواں ہوا۔ لیکن

سب کچھ ایک بے یقینی کے عالم میں ہوا۔

زندگی کے بیس سال ایک حساس نوجوان کو بہت کچھ دے دیتے ہیں۔ گو میری پرورش ایسے محلے اور ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں ذہن اور ذات کی کوئی انفرادیت نہیں ہوتی۔ فکر و نظر محدود ہوتی ہے۔ ذمے داریاں ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھتیں۔ لیکن میں کسی قدر منفرد سوچ کا حامل تھا۔ انسانیت کے اصولوں سے بچپن ہی سے متاثر تھا اور اسی بنا پر بہت سی نگاہوں میں خار تھا۔ محلے کے اوباش مجھے اپنے راستے کا پتھر سمجھتے تھے اور ان کی آنکھوں سے میرے لئے نفرت ٹپکتی تھی۔

ان دنوں صحت بھی کچھ گر گئی تھی۔ امی کے چہرے پر غم و اندوہ کی چھاپ لگ گئی تھی۔ وہ مسکرانا بھول گئی تھیں۔ میری پیاری بہن کے گالوں پر جھلکتی سرخی سنولا گئی تھی۔ یہ ساری باتیں مجھے خوفزدہ کرتی تھیں۔ اب ان پھولوں کے رنگ مجھے برقرار رکھنے تھے' مجھے' جس نے باپ کی زندگی میں کسی ذمے داری کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔ اب میں سوچتا تھا کہ میں بے سہارا ہوں۔ اب کسی سے جھگڑا ہو گیا تو میرا باپ پستول نکال کر نہیں کھڑا ہو گا۔ مجھے خود ہی سب کچھ کرنا ہے۔ فریدہ میری عزت۔ ماں میری جنت۔ مجھے ان دونوں کو قائم رکھنا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ تعلیم ترک کر دوں۔ ابا نے ایک اچھا گھر بنایا تھا۔ ہماری پرورش میں انہوں نے کہیں بھی مایوسی اور حسرت پیدا نہیں ہونے دی تھی اور اس کے لئے انہوں نے جو کچھ کمایا وہ خرچ کر دیا تھا۔ امی بھی کچھ زیادہ دور اندیش نہیں تھیں۔ اس لئے انہوں نے بھی کچھ پس انداز نہیں کیا تھا۔ چنانچہ فریدہ کے بہتر مستقبل کے لئے مجھے اب میدان عمل میں آنا تھا۔

نانی کہہ رہی تھیں۔

"اے بیٹی۔ جانے والے تو چلے جاتے ہیں اور اپنے پیچھے بے شمار یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ لیکن صبر کرنا پڑتا ہے۔ تمہارے آگے بچے ہیں۔ خاص طور سے بیٹی۔ ماشا اللہ فریدہ سیانی ہو گئی ہے۔ اس کے لئے کیا سوچا تم نے؟"

"کچھ بھی نہیں نانی۔ جو سوچنے والا تھا۔ اس نے اچانک منہ موڑ لیا۔ یہ بھی نہ بتایا کہ اس کے بعد ہمیں کیا کرنا ہے؟" امی نے غمزدہ لہجے میں جواب دیا۔

"ہاں۔ خدا اسے جنت نصیب کرے۔ ویسے کمائی تو اچھی تھی۔ بیٹی کا جہیز تو جوڑا ہی ہو گا تم نے۔ میری مانو تو جو پہلا رشتہ آئے اسے منظور کر کے دو بول پڑھوا دو۔"

"افسوس نانی' کچھ نہیں کیا۔ ابھی تو ہم راستے ہی میں تھے' کمایا اور کھا لیا۔ یہ تو خیال بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی ذمے داریاں پوری کئے بغیر ہی چلے جائیں گے۔ اب تو زندگی فکروں اور پریشانیوں کے سوا کچھ نہیں رہ گئی۔ بچہ بھی ابھی اس قابل نہیں ہے۔"

"یہ تو واقعی بڑے افسوس کی بات ہے۔ میری سمجھ میں ایک ترکیب آئی ہے۔"

KitabPk.Com

نانی نے کہا تو امی ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"وہ اپنا فضل کریم ہے نا' دودھ والا۔ تین بھینسیں ہیں۔ چالیس پچاس روپے روز کما لیتا ہے۔ تمہیں تو پتہ ہو گا بے چارے کی بیوی مر گئی پچھلے سال۔"

"ہاں ہاں نانی' ہمارے ہاں بھی تو دودھ وہی دیتا ہے۔" امی نے سادگی سے کہا۔

"کئی بار کہہ چکا ہے کہ نانی کہیں نکاح کرا دو' تو بیٹی! وہی ایک ایسا ہے جسے جہیز کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تم کہو تو بات کروں۔"

میرا ذہن بھک سے اڑ گیا۔ 'تو فریدہ ابا کے مرنے کے بعد کیا اتنی بے وقعت ہو گئی کہ دودھ والا..... فضل کریم دودھ والا..... میرا دل چاہا کہ نانی کی گردن دبا دوں۔ اتنا دباؤں کہ ان کی زبان باہر نکل آئے۔ تب وہ زبان کاٹ کر میں گندی نالی میں پھینک دوں۔ فضل کریم میرا بہنوئی؟ فریدہ کا شوہر؟ جس کے بدن پر ہر صبح ایک انگوچھا اور ایک بنیان ہوتی تھی۔ ہاتھ میں دودھ کا ڈبا اور۔ دودھ ناپنے کا پیمانہ۔ وہ۔ وہ۔ وہ۔ میرا بہنوئی...'

امی پھٹی پھٹی آنکھوں سے نانی کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے اوپر جو بیت رہی تھی مجھ سے چھپی نہیں تھی۔ اچانک ان کی دھاڑ گونجی۔ "نانی۔ نکل جاؤ۔ نکل جاؤ۔ ابھی اسی وقت۔" وہ دیوانوں کی طرح چیخیں اور نانی جلدی سے پلنگ سے اتر گئیں۔

"اے کیا ہوا بیٹی۔ کیا ہو گیا؟"

"نکل جاؤ۔" امی نے نانی کے شانوں پر دو ہتھڑ مارے اور نانی دروازے کی طرف لپکیں۔

"اے میں کہتی ہوں' ہوا کیا۔ بیٹھے بٹھائے! اے.... اے۔" نانی کے منہ سے نکل رہا تھا۔ امی نے ان کا کفن نما برقعہ ان کے منہ پر دے مارا۔

"شرم نہیں آتی تمہیں۔ غیرت نہیں آئی۔ کاش تمہاری بھی کوئی اور بیٹی ہوتی۔ تم بیاہ دیتیں اسے فضل کریم کو۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔" اب نانی کا لہجہ بدلا۔

"جاتی ہو یا نہیں۔" امی نے آگے بڑھ کر سل کا پتھر اٹھا لیا اور نانی برقعہ سر پر رکھے بغیر' کھٹ سے باہر نکل گئیں۔ راستے میں انہوں نے جو بھی واویلا کیا ہو لیکن دروازے پر ان کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ امی دیوار سے لگی زار و قطار رو رہی تھیں۔ فریدہ ہکا بکا کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔ میں نے امی کے ہاتھ سے سل کا پتھر چھین کر پھینک دیا۔

"رو کیوں رہی ہیں امی۔ یہ تو دنیا ہے اور نانی کی تو یوں بھی مت ماری گئی ہے۔ ابا مر گئے تو کیا ہوا امی' آپ سمجھ لیں کہ آپ پر کوئی مصیبت نہیں آئی۔ ایک ہی بہن ہے۔ میں اس کے لئے ساری دنیا کو الٹ پلٹ کر رکھ دوں گا۔ میں اس کی شادی ایسی جگہ

کروں گا کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ وہ آپ کے سر کا بوجھ نہیں ہے امی۔ میری ذمہ داری ہے۔"

میرے الفاظ امی کے لئے بہت بڑی ڈھارس بن گئے۔ میں نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ "دیکھئے امی۔ اس سینے کی چوڑائی میں آپ چھپ جاتی ہیں۔ جب تک یہ آپ کی ڈھال ہے' آپ کیوں فکر مند ہوتی ہیں۔ میں آپ کو کسی پریشانی کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔"

امی مجھ سے لپٹ کر آنسو بہاتی رہیں لیکن اب ان کے آنسوؤں میں وہ شدت اور چہرے پر وہ بے بسی نہیں تھی۔ فریدہ نے اور میں نے' انہیں کافی سمجھایا اور ان کے آنسو تھم گئے لیکن وہ رات میں نے کانٹوں پر پہلو بدل بدل کر کاٹی ابا جس سیٹھ کے ہاں ملازمت کرتے تھے' میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا بس دو ایک بار ابا کے ساتھ بازار گیا تھا تو انہوں نے راستے میں سیٹھ کی کوٹھی دکھائی تھی۔ ان کی موت کے بعد ایک بار سیٹھ کا آدمی آیا تھا اور اس نے رسمی سے پرسان حال کے بعد پانچ سو روپے امی کو دیئے تھے جو ابا کی تنخواہ تھی۔ رات کے آخری پہر' میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے ملازمت کر لینی چاہیئے' گھر کی کفالت کے ساتھ فریدہ کا مستقبل اب میری قوتِ بازو کا منتظر ہے اور اس کے لئے ابتداء سیٹھ عبد الجبار کے پاس سے ہی کرنی چاہیئے۔ اپنے ابا کے حوالے سے میں اس سے مل سکتا تھا۔

امی سے مشورہ کرنا فضول تھا۔ ان سے آنسوؤں کے سوا اور کچھ نہ ملتا جو ہماری پریشانیوں کا حل نہیں تھے۔ مجھے وہی کرنا تھا جو وقت کی ضرورت تھی۔ خوابوں کی تعبیر الٹی بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے مجھے جو کچھ بنانے کے خواب دیکھے تھے وہ بے بنیاد تھے۔ چنانچہ دوسرے دن صبح میں تیار ہو گیا۔

"کہاں جا رہے ہو' منصور؟" امی نے پوچھا۔

"کچھ کام ہیں امی۔" میں نے جواب دیا۔

"کب تک واپس آ جاؤ گے بیٹے؟"

"دوپہر تک۔" میں نے جواب دیا اور باہر نکل گیا۔

جھونپڑی ہوٹل کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ چند لڑکوں نے میرا راستہ روک لیا۔

"استاد بلا رہے ہیں۔"

"کون استاد؟" میں نے تلخ لہجے میں پوچھا تو..... ایک لڑکے نے ہوٹل کی..... بینچ کی طرف اشارہ کیا۔ فیروز کو میں پہچانتا تھا۔ بڑی بڑی مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا گھٹے ہوئے کرکے ساتھ ننگے بدن بیٹھا ہوا تھا۔ گلے میں تعویذ پڑا ہوا تھا۔ میں اس کے پاس گیا۔

"تمہارا نام منصور ہے بابو جی؟" اس نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"ہاں کیا بات ہے۔؟" میں نے سوال کی۔

"کچھ نہیں' بچے بڑی شکایت کرتے ہیں تمہاری۔ سنا ہے تم نے بڑے ہاتھ دکھائے ہیں مگر اب ایسا مت کرنا بابو جی۔ بچے اس عمر میں کھیلیں گے کھائیں گے نہیں تو بوڑھے ہو کر ایسا کریں گے! خود بھی عیش کرو اور انہیں بھی کرنے دو۔ تمہارا کیا جاتا ہے ویسے میرا نام فیروز ہے۔"

"کوئی کام ہے مجھ سے؟" میں نے پوچھا۔

"بس یہی کام تھا بابو جی۔ بچوں کو اب شکایت نہیں ہونی چاہیئے اور ہاں کبھی کبھار سلام کرنے آ جایا کرو ڈیرے پر۔ بڑی برکت ہے دعا سلام میں۔"

جی تو چاہا اسی وقت سلام دعا شروع کر دوں لیکن امی اور فریدہ کے چہرے سامنے آ گئے اور میں آگے بڑھ گیا۔ فیروز کی مکروہ ہنسی دور تک میرا تعاقب کرتی رہی۔ دیر تک ذہن کو پر سکون رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ خون کھول گیا تھا میرا لیکن اب واقعی وہ حالات نہیں تھے۔ کوئی بھی اونچ نیچ ماں اور بہن کے لئے مہلک بن جاتی۔ نوکری مل جائے تو مکان بھی بیچ دوں گا۔ اس کی رقم فریدہ کے لئے رکھ لوں گا اور کسی کرائے کے مکان میں زندگی بسر کر دوں گا۔

انہی خیالات میں ڈوبا ہوا سیٹھ جبار کی کوٹھی کے گیٹ پر پہنچا کوٹھی کیا تھی پورا محل تھا۔ گیٹ پر کوئی نہیں تھا۔ ایک شارع کوٹھی کے صدر دروازے تک گئی تھی جس پر سرخ بجری بچھی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں طرف سبز گھاس کے وسیع میدان تھے۔ میں ٹھٹکا پھر ہمت کر کے اندر داخل ہو گیا۔ آخری سرے پر مالی کیاریوں میں کام کر رہا تھا۔ اس کے سوا دور دور تک کوئی نظر نہ آیا۔ سوچا کہ مالی سے بات کروں لیکن پھر قدم خود بخود صدر دروازے کی طرف اٹھ گئے۔ ابھی قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک لڑکی اندر سے نکلی۔ فریدہ کی تقریباً ہم عمر ہو گی لیکن چھوٹی بچی بنی ہوئی تھی۔ گھٹنوں تک سفید خوبصورت فراک سنہرے بالوں کے گچھوں میں سیاہ ربن' آنکھوں میں شوخی اور شرارت ایک نگاہ میں یہی ابھرا۔

"فرمایئے۔" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

"سیٹھ عبدالجبار صاحب سے ملنا ہے۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تو مشکل ہے۔ ہم لوگ باہر جا رہے ہیں۔ کوئی خاص کام ہے تو مجھے بتا دو۔ ڈیڈی سے کہہ دوں گی۔" لڑکی نے قدرے سنجیدگی اختیار کر لی۔

"میرا نام منصور ہے۔ احمد علی....." میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک طویل قامت شخص گرے رنگ کے سوٹ میں ملبوس اندر سے نکلا۔ بڑی بارعب شخصیت تھی۔ چہرے

KitabPk.Com

نہیں جمتی تھی۔ میرے حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ بھلا میں اس شخص سے بات کیسے کروں گا؟

"کیا بات ہے اینجل؟ کون ہے یہ؟" اس شخص نے نزدیک آ کر کہا۔

"منصور ہیں ڈیڈی' سولی پر چڑھنے آئے ہیں۔" لڑکی نے شگفتگی سے جواب دیا۔

"ہر وقت شرارت اچھی نہیں اینجل۔" سیٹھ جبار نے اسے پیار سے ڈانٹا اور مجھ سے پوچھا۔ "کیا بات ہے' کون ہو تم۔ کیوں آئے ہو؟"

"جی' میرا نام منصور ہے۔ احمد علی کا لڑکا ہوں۔ جو آپ کے ہاں ڈرائیور تھے جن کا انتقال پچھلے ماہ ہوا ہے۔"

"اوہو۔ تم احمد علی کے بیٹے ہو! ہاں مرحوم نے کئی بار تمہارا تذکرہ کیا تھا۔ مجھے احمد علی کی موت کا بہت رنج ہے۔ کہو' میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟ کوئی کام ہے مجھ سے؟" سیٹھ صاحب کی آواز نرم تھی۔

"جی۔ میں ملازمت چاہتا ہوں۔"

"ہوں۔۔۔ ڈرائیونگ کر لیتے ہو؟"

"جی نہیں۔ ویسے میں نے انٹر کیا ہے۔"

"وقت ضائع کیا ہے۔ اس سے بہتر تھا کہ کوئی ہنر سیکھتے نجانے تم جیسے لوگ اونچے خواب کیوں دیکھنے لگتے ہیں! ہوتے کچھ ہیں بننا کچھ چاہتے ہیں' خیر۔ تم اگر چاہو تو کل سے آ سکتے ہو۔ میں ڈرائیور سے کہہ دوں گا کہ تمہیں ڈرائیونگ سکھا دے پھر تم اپنے باپ کا کام سنبھال سکتے ہو۔ اور ہاں' احمد علی وفادار آدمی تھا' اس لئے تمہاری تنخواہ کل سے ہی شروع ہو جائے گی۔ احمد علی کو پانچ سو روپے ملتے تھے۔ تمہیں بھی اتنے ہی دیا کریں گے۔ لیکن دس بارہ دن میں سیکھ لینا۔ ٹھیک ہے؟" سیٹھ صاحب نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"آؤ اینجل۔" وہ لڑکی کو لے کر آگے بڑھ گئے..... اور مجھے سوچ کی لہروں میں چھوڑ گئے۔ ابا ایک معمولی ڈرائیور تھے۔ انہیں کیا حق تھا کہ مجھے اسکول اور کالج کی راہ پر ڈالتے! کیوں نہ کسی میکنک کے پاس یا ورکشاپ میں بٹھایا جہاں میں اپنے طبقے کے مطابق کارآمد آدمی بنتا۔ سیٹھ صاحب نے اپنے طبقے کی نمائندگی کرتے ہوئے صحیح کہا تھا کہ رینگنے والوں کو اڑنے کا تصور نہیں کرنا چاہیئے۔ ڈرائیور کے بیٹے کو ڈرائیور ہی بننا چاہیئے۔ لیکچرار یا ڈاکٹر نہیں۔ زیادہ سے زیادہ بابو گیری کے خواب دیکھ لے.....

"کیا بات ہے میاں۔ کیوں کھڑے ہو یہاں؟" آواز سن کر میں چونکا تو مالی سر پر کھڑا تھا۔

میں نے اس سے معذرت کی اور کوٹھی سے نکل آیا۔ گھر جانے پر امی سوالات

کرتیں اور مجھے جواب دینا پڑتے۔ نجانے صورتحال کیا ہوتی! اس سے نمٹنے کے لیے مہلت درکار تھی۔ سیٹھ جبار نے برا سلوک نہیں کیا تھا البتہ انسانی تفریق کا احساس بیدار کر دیا اور یہ ایک حقیقت تھی۔ اس سے مفر نہ تھا۔ مجھے ان کی پیش کش کو قبول کرنا ہو گا۔ ان کی بیوگی کی خاطر' فریدہ کے مستقبل کے لئے.... آخر خود کو قائل کر کے میں گھر لوٹا۔

"کہاں گئے تھے منصور؟" امی نے حسب عادت پوچھا۔

"نوکری تلاش کرنے اور آپ کی دعا سے کامیاب لوٹا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور امی ہکا بکا مجھے دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں حیرت اور کرب کے سائے لہرا گئے۔

"کہاں ملی ہے نوکری؟" انہوں نے بجھے دل سے کہا۔

"سیٹھ جبار کے ہاں۔ وہی ملازمت جو ابا کی تھی۔ سیٹھ صاحب بہت اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ ڈرائیونگ نہیں جانتا لیکن سیکھ لوں گا۔ آپ بے فکر رہیں امی۔ ہم ابا کو واپس نہیں لا سکتے لیکن میں آپ کو ان کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گا۔" امی ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو گئیں۔ ان کے وہ سارے خواب بکھر گئے تھے جو انہوں نے میرے مستقبل کے لئے دیکھے تھے..... دوسرے دن میں تیار ہو کر سیٹھ جبار کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ اس وقت ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ کیا کروں' دفعتاً عقب سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔" میں چونک کر پلٹا۔ یہ اینجل تھی۔ وہ پسینے میں شرابور تھی..... اس نے ایک رنگین نیکر اور دھاری دار بنیان پہن رکھی تھی۔ میری نگاہیں جھک گئیں۔

"ڈیڈی تو رات کو چلے گئے۔ میرا خیال ہے تقریباً دس دن بعد آئیں گے۔"

"کک... کہاں چلے گئے؟" میں نے بے اختیار پوچھا۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔

"ساؤتھ ویلز' کاروباری دورے پر' لیکن تم فکر مت کرو۔ ڈیڈی نے میرے سامنے ہی تم سے آج کے لئے کہا تھا۔ چلو میں ڈرائیور سے کہے دیتی ہوں وہ آج تمہیں ٹریننگ دے گا۔ آؤ۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ میں نے اطمینان کی سانس لی اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ اگر اس وقت اس لڑکی کا سہارا نہ مل جاتا تو نہ جانے مایوسی کتنے غار کھل جاتے۔

کوٹھی کے عقب میں ملازموں کے کوارٹروں کی قطار تھی۔ چھوٹی بڑی کئی گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔ انھی میں وہ کار بھی تھی جو میرے ابا چلاتے تھے۔ میری آنکھوں میں تیر گئی۔ ڈرائیور ایک نوجوان اور تندرست آدمی تھا۔ اینجل کی آواز پر وہ بوکھلایا ہوا کوارٹر سے نکلا۔

"کل ڈیڈی نے ان سے کہا تھا کہ یہ تم سے ڈرائیونگ سیکھیں۔ جس قدر ممکن ہو' انہیں ڈرائیونگ سکھانی ہے۔" اینجل نے کہا۔

KitabPk.Com

"جو حکم بی بی جی۔" ڈرائیور نے ادب سے کہا۔

اینجل چل دی اور ڈرائیور نے مجھ سے کہا۔ "آؤ میاں' اندر آ جاؤ۔"

میں اس کے ساتھ اندر گیا۔ چھوٹے سے کوارٹر میں اس کی بیوی اور دو بچے بھی تھے۔ اس نے بیوی سے چائے کے لئے کہا اور مجھ سے بولا۔

"میرا نام امجد ہے۔ تمہارا کیا نام ہے؟"

"منصور۔" میں نے جواب دیا۔

"پہلی بار نوکری کے لئے نکلے ہو؟" اس نے پوچھا اور میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"مگر ڈرائیوری ہی کیوں؟"

"میرے والد بھی یہاں ملازم تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ نیلے رنگ کی کار چلاتے تھے۔"

"کون احمد علی؟ تم ان کے بیٹے ہو۔" امجد نے تعجب سے پوچھا اور میں نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔

"ارے فاخرہ۔ یہ احمد علی کا بیٹا ہے۔ تم تو پڑھ رہے تھے؟" امجد نے کہا اور اس کی بیوی بھی قریب آ گئی۔

"جی ہاں۔ ابا کی موت کے بعد تعلیم کیسے جاری رکھ سکتا تھا؟" میں نے کہا۔

دونوں میاں بیوی مجھ سے اظہار ہمدردی کرتے رہے۔ امجد نے کہا کہ میں کسی بات کی فکر نہ کروں وہ بہت جلد مجھے ڈرائیونگ میں طاق کر دے گا۔ وہ ابا کا بہت مداح تھا اور دیر تک ان کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ اس نے اسی دن مجھے دو گھنٹے تک ایک میدان میں ٹریننگ دی۔ اگلے روز میں مقررہ وقت پر کوٹھی پہنچ گیا اور شام پانچ بجے تک وہیں رہا۔ اس دوران میں دو گھنٹے تک میدان میں کار کے اسٹیرنگ پر بیٹھا رہا۔ ایک ہفتے کے اندر میں اس قابل ہو گیا کہ کار سڑک پر لے آؤں۔ امجد میری لگن اور ہوشیاری سے بہت خوش تھا اور اس نے میری بہت حوصلہ افزائی کی جس سے میرا اعتماد بحال رہا۔

پھر ایک دن سنا کہ سیٹھ صاحب دورے سے واپس آ گئے۔ لیکن ان سے سامنا نہیں ہوا۔ نجانے میرے بارے میں کسی نے انہیں بتایا بھی تھا یا نہیں۔ میں عموماً امجد کے کوارٹر میں ہی رہتا تھا۔ اس کی بیوی جسے میں بھابی کہنے لگا تھا مجھ سے بہت مہربانی سے پیش آتی تھی۔ ایک شام میں کوارٹر کے برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا۔

"امجد بھائی کہاں ہیں؟ بیگم صاحبہ کو کہیں جانا ہے۔" اس نے کہا۔

وہ تو کسی کام سے گئے ہیں۔ منصور' تم چلے جاؤ۔" بھابی نے کہا اور میں جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ نیلی کار اب میری تحویل میں ہی رہتی تھی۔ میں اسے خوب چمکا کر رکھتا تھا

KitabPk.Com

کیونکہ اس سے ابا کی یاد وابستہ تھی۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پورٹیکو میں لے گیا۔ بیگم صاحبہ کو میں نے پہلی بار دیکھا تھا خوب لمبی تڑنگی' گوری چٹی خاتون تھیں۔

"اینگل روڈ چلو۔ کوٹھی نمبر اٹھائیس۔ آفتاب صاحب کا مکان دیکھا ہے تم نے؟"

"جی میں آپ کو کوٹھی تک لے چلوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"کون ہو تم؟ نئے آئے ہو؟" بیگم صاحبہ نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"جی۔" میں نے جواب دیا۔

"وردی نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"جی نہیں۔"

"وردی کا انتظام کرو اور ہاں گاڑی آہستہ چلانا۔" انہوں نے ہدایت کی۔

امجد نے مجھے راستوں سے خوب روشناس کرا دیا تھا۔ اس لئے میں نے اطمینان سے بیگم صاحبہ کو ان کی مطلوبہ جگہ پہنچا دیا۔ وہاں سے واپسی ہوئی تو سیٹھ صاحب لان پر ہی مل گئے۔ میں نے اتر کر ادب سے سلام کیا تو وہ مجھے تعجب سے دیکھنے لگے۔

"ارے تم گاڑی چلا رہے ہو؟ تم احمد علی کے لڑکے ہو نا!"

"جی ہاں' جناب۔"

"سیکھ لی تم نے ڈرائیونگ؟ بہت خوب۔ ہونہار معلوم ہوتے ہو۔ کیسی گاڑی چلائی تھی اس نے بیگم؟"

"اچھی چلا رہا تھا۔"

"چلو بھئی۔ تم ہماری بیگم کو پسند آئے' تمہاری نوکری پکی۔ یہی گاڑی تمہارا باپ چلاتا تھا۔ ہاں ایک نصیحت سن لو۔ آنکھیں اور کان کھلے رکھنا لیکن زبان بند رہے۔ یہی کامیابی کا راز ہے۔ جاؤ کل تمہارا لائسنس وغیرہ بن جائے گا۔" سیٹھ صاحب کی نصیحت سمجھ میں نہیں آئی لیکن اسے پلے باندھنا ضروری تھا۔

پہلے ماہ کی تنخواہ کے پانچ سو روپے لے کر ای رو پڑیں۔ انہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ چار ماہ گزر گئے اب میں ہر قسم کی گاڑی چلا لیتا تھا۔ ٹرک' پک اپ وغیرہ۔ سیٹھ صاحب کے ہاں گاڑیوں کی بھرمار تھی۔ ہر روز ایک نئی چیز نظر آتی تھی۔ ان کی کئی فیکٹریاں تھیں۔ ملیں تھیں۔ شوروم تھے اور نہ جانے کیا کیا تھا؟ نہ جانے کتنے ملازم تھے؟ کئی ایک سے میری شناسائی ہو گئی۔ ان میں طارق بھی تھا صحت مند اور وجیہہ نوجوان..... کوئی خاص ہی حیثیت رکھتا تھا۔ تب ہی تو جب بھی آتا' سیٹھ صاحب اسے چائے وغیرہ ضرور پلاتے تھے۔ بہت خوش مزاج انسان تھا۔ ایک شام تقریباً چار بجے آیا۔ کسی کی تلاش میں تھا۔ مجھ پر نظر پڑی تو میرے نزدیک آ گیا۔

"یار منصور' ایک کام آ پڑا ہے۔ امجد بڑے بے وقت چلا گیا۔ چلو تم تیار ہو

جاؤ۔ جلدی کرو۔"

"ابھی آیا طارق بھائی۔" میں نے جواب دیا اور امجد کے کوارٹر سے اپنا کوٹ اٹھا لایا۔

طارق نے اپنی کار کا اگلا دروازہ کھولا۔ میں کسی قدر ہچکچاتا ہوا بیٹھ گیا۔

"پریشان کیوں ہو؟" طارق نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کسی سے اجازت نہیں لی طارق بھائی۔ کہیں کوئی شکایت نہ ہو جائے۔" میں نے کہا۔

"پرواہ مت کرو۔ تم سے ایک لفظ بھی نہیں کہا جائے گا۔ یہ میری ذمے داری ہے۔" اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ طارق مجھے ایک عمارت میں لے گیا۔ یہاں دوسرے لوگ بھی تھے۔ کچھ شناسا' کچھ اجنبی۔ شناسا اس حد تک کہ میں نے انہیں کبھی سیٹھ صاحب کی کوٹھی پر دیکھا تھا۔ طارق نے مجھے ایک آدمی کے سپرد کر دیا اور اسے کچھ ہدایات دیں۔ وقت گزرتا گیا اور مجھے یہ معلوم نہیں ہوا کہ طارق مجھے یہاں کیوں لایا ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا۔

تقریباً آٹھ بجے میرے نگران نے مجھے چلنے کے لئے تیار ہونے کو کہا۔ پہلی بار مجھے گھر پہنچنے میں دیر ہو رہی تھی۔ پریشان تھا کہ امی اور فریدہ فکر مند ہوں گی لیکن مجبوری تھی نوکری' نوکری ہوتی ہے۔ میں اس شخص کے ساتھ باہر نکل آیا اور اس نے ایک ٹرک کی چابی مجھے دی۔

"ان لوگوں کے ساتھ جاؤ اور جو یہ کہیں وہی کرنا۔" اس نے مجھے ہدایات دیں اور میں نے ٹرک کا اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ کل چھ ٹرک تھے اور ان کا رخ شہر سے باہر کی جانب تھا۔ میں ان کے پیچھے چلتا رہا۔ ٹرک ایک سنسان ساحل پر پہنچ گئے جہاں سفید رنگ کی ایک بڑی لانچ لنگر انداز تھی۔ بہت سے لوگ اس سے مال اتار رہے تھے۔ ایک ٹرک میں مال لادا گیا اور وہ بھر گیا تو دوسرا اس کی جگہ لایا گیا۔ اسی طرح میرے ٹرک کی بھی باری آئی اور سارے ٹرک سامان سے لد کر چل پڑے۔ شہر سے تقریباً چالیس میل دور ایک ویران جگہ ٹرک رک گئے۔ یہاں ان سے مال اتارا گیا۔ یہیں طارق بھی نظر آیا لیکن اس سے میری کوئی بات نہیں ہوئی۔ ٹرک ایک ایک کر کے جانے لگے اور صرف میرا رہ گیا تو وہ میرے پاس آیا۔

"ٹرک کو جہاں سے لائے تھے وہیں چھوڑ دو اور گھر چلے جاؤ۔ کوئی تمہیں گھر پہنچا دے گا۔" اس نے کہا اور سو سو کے تین نوٹ میری طرف بڑھائے۔ میں ہچکچایا تو اس نے نوٹ میرے کوٹ کی جیب میں ٹھونس دیئے اور کہا "یہ بزنس ہے۔ خبردار' رازداری رہے۔" میں خاموشی سے ٹرک میں جا بیٹھا۔

راستے بھر یہ احساس کچوکے لگاتا رہا کہ جیسے یہ سب کچھ کوئی خفیہ کام ہے۔ شاید ناجائز بھی ہو۔ رات کی تاریکی' ساحل سمندر' لانچ سے مال اتارنا اور اسے ویران جگہ پہنچانا' تین سو روپے معاوضہ یا انعام۔ یہ سب بلاوجہ نہیں تھا لیکن وجہ کیا تھی؟ بے شک یہ میرا دردسر نہیں تھا تاہم میں اس میں ملوث تھا۔ انجانا سا خوف میری رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔

دو بجے گھر پہنچا تو امی اور فریدہ دروازے پر آنکھیں لگائے بیٹھی تھیں۔ مجھے دیکھ کر امی کی جان میں جان آئی۔

"اتنی دیر کیسے ہو گئی بیٹے؟" امی نے پوچھا۔

"ابا بھی تو دیر سے آتے تھے امی۔" میں نے طنز سے کہا۔

"ہاں۔ لیکن....."

"اور جب وہ دیر تک ڈیوٹی کرتے تھے تو انہیں اوور ٹائم بھی ضرور ملتا ہو گا!"

"ہاں ملتا تھا۔"

"کتنے پیسے امی؟"

"تین سو روپے؟" امی نے بتایا تو میں نے تین نوٹ ان کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"آج میں نے بھی اوور ٹائم کیا ہے۔" میں نے کہا اور امی میری صورت دیکھتی رہ گئیں۔ میں اندر چلا گیا۔ فریدہ میرے لئے کھانا لائی تو کہہ دیا کھا چکا ہوں اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ لیکن ذہن میں طوفان برپا تھا۔ یقیناً وہ اسمگلنگ کا مال تھا۔ طارق اسمگلر ہے۔ اگر سیٹھ صاحب کو اس کا پتہ چل گیا تو نوکری بھی جائے گی اور ممکن ہے جیل بھی بھجوا دیں۔ ابا بھی ضرور طارق کے ساتھ رہتے ہوں گے۔ فیضان کی نانی کے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ ذہن دیر تک اسی عذاب میں مبتلا رہا پھر تھکاوٹ غالب آ گئی اور سو گیا۔

صبح جاگا تو سخت بھوک لگ رہی تھی۔ ذہن سے بوجھ بھی کم ہو گیا تھا۔ ناشتہ کر کے سیٹھ صاحب کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ پہلے تو سوچا کہ امجد بھائی سے تذکرہ کروں لیکن کہیں یہ تذکرہ مصیبت نہ بن جائے' یہ سوچ کر خاموش رہا۔ مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا کہ کل شام کہاں گیا تھا۔

دو تین روز گزرے تو ایک دوپہر کو طارق پھر آیا اور مجھے قریب بلا کر کہا۔

"پانچ بجے چھٹی کر کے نکل روڈ پہنچ جانا۔ جگہ یاد ہے؟"

"جی ہاں۔" میں نے بے اختیار کہا۔

"ٹھیک پانچ بجے۔" طارق نے کہا اور سیٹھ صاحب سے ملنے اندر چلا گیا۔ میرے ذہن میں پھر کشمکش شروع ہو گئی۔ اسمگلنگ کے چکر میں کسی دن دھر لیا گیا تو مصیبت آ جائے گی۔ میں تو اپنی ماں اور بہن کا تنہا سہارا ہوں۔ کچھ کرنا چاہیئے۔ کچھ نہ کچھ ضرور کرنا

چاہیئے۔ لیکن کیا؟ طارق سے دشمنی مول لینا بھی مناسب نہیں تھا۔ اسی شش و پنج میں شام کو پانچ بجے نکل روڈ کی اسی عمارت میں پہنچ گیا۔ یہاں میری ملاقات پھر اسی شخص سے ہوئی جس نے مجھے ہدایات دی تھیں۔ اس کا نام اصغر تھا۔ سارے کام حسب سابق ہوئے۔ ہم اسی ساحل پر گئے۔ وہاں سے مال لیا اور چل پڑے۔ اس مرتبہ اتفاق سے میرا ٹرک سب سے آگے تھا۔

ہم ایک پل سے مڑے تو اچانک ٹرک تیز روشنی میں نہا گئے۔ یہ روشنی ایک پولیس پٹرول کار کی چھت پر لگی ہوئی سرچ لائٹ سے پھینکی گئی تھی۔ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص نے جلدی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"رفتار سست کر دو۔" اس نے کہا۔ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا وائرلیس ٹرانسمیٹر نکالا۔

"ہوشیار! پولیس آ گئی ہے۔"

"ہم نے تمہارے ٹرک کی روشنی میں دیکھ لیا ہے۔ سائڈ کر کے کٹ کر دو۔ سب صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار ہیں۔" ٹرانسمیٹر سے دوسری آواز ابھری۔

"اوکے۔" میرے ساتھی نے کہا اور ٹرانسمیٹر بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔

"ٹرک کو سائڈ میں لے لو۔" اس نے مجھ سے کہا اور میں نے وہی کیا۔ اتنے میں پولیس والے قریب آ گئے۔

"نیچے اتر آؤ۔" ایک سب انسپکٹر نے کہا اور میرا ساتھی نیچے اتر گیا۔

"کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ان ساری باتوں کے جواب میں صرف ایک ہی بات ہے۔ ٹرک سیٹھ عبد الجبار کے ہیں۔"

"میں انہیں نہیں جانتا۔"

"انچارج صاحب جانتے ہوں گے۔ آپ نئے آئے ہیں۔ شاید۔" میرا ساتھی نہایت اطمینان سے جواب دے رہا تھا۔

"تھانے لے چلو! ان سب کو۔" سب انسپکٹر پولیس والوں سے مخاطب ہوا۔

"وقت بڑا قیمتی ہے انسپکٹر صاحب۔ بہتر یہ ہے کہ آپ وائرلیس پر انچارج صاحب سے بات کر لیں یا پھر ان سپاہیوں سے پوچھ لیں۔"

"کیوں' تم اس سیٹھ کو جانتے ہو؟"

"ہاں صاحب! ان کے ٹرک روکے نہیں جاتے۔" ایک سپاہی بولا۔

"میں انچارج صاحب سے بات کرتا ہوں۔ تم ان کا خیال رکھو۔" سب انسپکٹر نے کہا اور چلا گیا۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔" اس نے لوٹ کر مری ہوئی آواز میں کہا اور ہم اطمینان سے آگے بڑھ گئے۔ لیکن میرے دل میں کسک اٹھ رہی تھی یہ لوگ سیٹھ جبار کا نام استعمال کر کے مذموم کاروبار کرتے ہیں۔ اس اچھے انسان کو اس طرح بدنام تو نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

اس رات پھر تین سو روپے لے کر میں دو بجے گھر پہنچا۔ امی نے آج کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے میں نے ان سے پوچھا۔

"امی' کیا ابا نے آپ کو کبھی بتایا تھا کہ..... اوور ٹائم اتنا زیادہ کیوں ہوتا ہے!"

"میں نہیں سمجھی منصور!"

"کیا آپ کو علم ہے کہ ابا کو اوور ٹائم میں کیا کرنا پڑتا تھا؟"

"نہیں بیٹے۔ نہ میں نے کبھی پوچھا نہ انہوں نے بتایا۔ شروع شروع میں وہ بھی تمہاری طرح پریشان سے لگتے تھے۔ لیکن بعد میں ٹھیک ہو گئے تھے۔ لیکن بات کیا ہے بیٹے؟"

"یہ اوور ٹائم اسمگلنگ کا ہوتا ہے امی۔ بندرگاہ سے مال لے کر ایک جگہ پہنچانا پڑتا ہے اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ سب کچھ سیٹھ جبار کے نام پر کیا جاتا ہے۔ جب کہ سیٹھ صاحب اس بات سے واقف بھی نہیں ہیں۔ ان کا ایک دوست یہ حرکتیں کرتا ہے۔" میں نے بے حد سرد لہجے میں کہا۔

امی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولیں۔ "نہیں' نہیں' بیٹے۔ تم آئندہ ایسا مت کرنا۔ ہم لعنت بھیجتے ہیں ایسے اوور ٹائم پر۔ تمہارے علاوہ اب اور کوئی ہمارا سہارا نہیں ہے بیٹے۔ تم صاف منع کر دینا۔۔۔۔ بلکہ یہ نوکری ہی چھوڑ دو۔"

"نوکری تو میں سیٹھ صاحب کے ہاں کرتا ہوں امی۔ میرا خیال ہے کیوں نہ میں سیٹھ صاحب کو بتا دوں؟"

"اور اگر وہ موذی دشمن بن گیا تو؟"

"سیٹھ صاحب خود ہی سنبھال لیں گے۔ وہ خود بھی تو بدنام ہو رہے ہیں۔"

"تم جو مناسب سمجھو منصور۔ مگر بیٹے خدا کے لئے کسی سے بیر مت باندھنا۔"

"آپ بے فکر رہیں امی۔" میں نے کہا۔

دوسرے دن اتفاق سے سیٹھ صاحب ہی کی کار پر میری ڈیوٹی لگی۔ دن کو دس بجے سیٹھ صاحب اپنی مرسڈیز میں آ بیٹھے اور مجھ سے ایک جگہ چلنے کے لئے کہا۔ میں نے کار آگے بڑھا دی۔ جس جگہ سیٹھ صاحب کو جانا تھا اس کا فاصلہ کافی تھا۔ بڑی دیر تک سیٹھ صاحب سے بات کرنے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کرتا رہا۔ پھر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔

"جناب میں ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بات ہے؟" انہوں نے نرم لہجے میں کہا اور میری ڈھارس بندھ گئی۔

"یہ طارق صاحب جو آپ کے پاس آتے جاتے ہیں!...."

"ہاں ہاں۔ کیا ہوا انہیں؟"

"جناب' یہ اسمگلر ہیں۔ آپ کے نام سے اسمگلنگ کا کاروبار کرتے ہیں۔ پچھلی رات بھی انہوں نے پولیس کو آپ کا نام بتایا تھا۔ یہ میرا فرض تھا جناب کہ میں آپ کو مطلع کر دوں۔"

"اوہ۔ تم نے بڑا اچھا کیا جو مجھے بتا دیا۔ لیکن طارق ایسا آدمی تو نہیں ہے بہرحال میں معلوم کروں گا۔" انہوں نے نہایت پرسکون لہجے میں کہا اور مجھے ان کے اس سکون پر سخت حیرت ہوئی۔ انہیں تو حیرت اور غصے سے اچھل جانا چاہیئے تھا۔ دوپہر کو ہم کوٹھی واپس آئے۔ بظاہر اب کوئی کام نہیں تھا۔ لیکن ڈیوٹی تو بہرحال دینی تھی۔ چنانچہ میں لان میں بیٹھ گیا۔ تقریباً تین بجے تھے کہ امجد آیا۔

"کیا کر رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں امجد بھائی۔ کوئی کام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" امجد نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

بیگم صاحبہ برآمد ہوئیں۔ انہوں نے امجد کو اشارہ کیا اور وہ دوڑتا ہوا ان کی طرف چلا گیا لیکن جاتے جاتے جو نظر مجھ پر ڈالی وہ برے کی طرح میرے دل میں چھید کر گئی۔

بیگم صاحبہ اس کے ساتھ کار میں بیٹھ کر چلی گئیں میں سوچ میں ڈوبا رہ گیا۔ امجد مجھ سے کیا کہنا چاہتا تھا؟

پانچ بجے تک امجد واپس نہیں آیا۔ میں چھٹی کر کے گھر جانے والا تھا کہ طارق کی کار کوٹھی میں داخل ہوگئی۔ اس نے مجھے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

"تمہاری خاطر آنا پڑا ہے' پارٹنر۔ آ جاؤ بیٹھو۔ چھٹی تو ہو گئی ہو گی!"

"ہاں۔ لیکن طارق بھائی۔" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"آ جا یار۔ باقی باتیں گاڑی میں ہوں گی۔ جلدی آ....." طارق نے کار کا اگلا دروازہ کھول دیا۔ میں بیٹھ گیا تو اس نے کار ریورس کی اور کوٹھی سے باہر لے جا کر رفتار تیز کر دی۔

"ہاں' اب بولو' کیا کہہ رہے تھے؟" اس نے کہا۔

"طارق بھائی' کیا آپ اسمگلنگ کرتے ہیں؟"

تو کیا انڈوں کا کاروبار کرتے ہیں؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔" میں نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

"تمہارا کام ہی کتنا ہے منصور! صرف مال کو ایک مخصوص اڈے تک پہنچانا ہوتا ہے اور اس کے عوض تمہیں اتنا معاوضہ مل جاتا ہے جو تم کسی اور طرح نہیں کما سکتے؟"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ جرم ہے۔ میں کسی غیر قانونی کام میں شرکت نہیں کر سکتا۔"

"حالانکہ تمہارا باپ آٹھ سال سے یہی کام کر رہا تھا۔"

"اگر مجھے علم ہوتا تو ابا کو بھی میں یہ کام نہ کرنے دیتا۔"

"لیکن بیٹے' اس میں حرج ہی کیا ہے! یہ بھی تو تجارت ہے۔ بس حکومت کو پسند نہیں ہے۔"

"اور کسی بھی وقت حکومت ہم سب پر ہاتھ ڈال سکتی ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ابے ڈرائیور کے بچے! یہ سب باتیں ہمارے سوچنے کی ہیں۔ تیری کھوپڑی کے لئے نہیں ہیں۔ ابے حکومت یا پولیس ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے؟"

"سیٹھ صاحب کی وجہ سے ہم لوگ بچ گئے تھے ورنہ....." معاً طارق نے کار روک دی۔ میں نے اب تک غور نہیں کیا تھا کہ آج کار اس عمارت کی طرف نہیں گئی تھی جس میں ہم عموماً جاتے تھے بلکہ شہر سے باہر ایک پہاڑی علاقے میں آ گئی تھی۔ طارق نے کار سڑک سے نیچے کچے میں اتار دی۔ ایک بڑے درخت کے نیچے میں نے چار آدمیوں کو دیکھا جن کی موٹر سائیکلیں درخت کے نیچے کھڑی تھیں۔ کار ان کے قریب جا رکی۔

"اتارو اس مصلح قوم کو!" طارق نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ ایک آدمی نے کار کا دروازہ کھولا اور میرا گریبان پکڑ کر مجھے نیچے کھینچ لیا۔ میں منہ کے بل گرا۔ دونوں کہنیاں اور گھٹنے چھل گئے۔ طارق دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑا تھا۔

"میں نے تجھے منع کیا تھا کہ یہ بات کسی کے کانوں تک نہ پہنچے۔" اس نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"میں نے سیٹھ صاحب کے علاوہ کسی اور سے نہیں کہا۔ طارق بھائی۔ تم لوگ ان کا نام بھی تو استعمال کر رہے ہو۔ اور میں نمک حرام نہیں ہوں۔" میں نے زمین سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"سیٹھ صاحب کے نمک حلال کتے۔ میں بھی تو تجھے چھ سو روپے دے چکا ہوں۔"

طارق نے آگے بڑھ کر الٹا ہاتھ میرے منہ پر جڑ دیا اور میری برداشت کی طاقت جواب دے گئی۔ میں اس سے لپٹ پڑا۔ اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے زمین پر دے پٹخا۔ پھر دو تین ٹھوکریں لگائیں تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔ اس کے چاروں ساتھی مجھ پر

ٹوٹ پڑے۔ ایک نے میری ٹانگ پکڑ کر پوری قوت سے کھینچ لی اور میں طارق سے علیحدہ ہو گیا اس کے بعد ان لوگوں نے مجھے گھونسوں اور لاتوں پر رکھ لیا۔ میں نے بھی مقابلہ کیا لیکن ان کے سامنے ایک نہ چلی ذرا سی دیر میں' میں زمین پر گر پڑا اور حواس ساتھ چھوڑ گئے۔ ہوش آیا تو رات ہو گئی تھی۔ سارا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ کپڑے جابجا پھٹ گئے تھے اس پر خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ ہمت کر کے اٹھا اور سڑک کی طرف چل پڑا۔ وہ لوگ جا چکے تھے۔

اس راستے پر صرف ایک بس چلتی تھی۔ میں نے جیب دیکھی تو کچھ پیسے موجود تھے۔ سڑک پر پہنچ کر جس قدر حلیہ درست کر سکتا تھا کیا۔ بڑی نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ پھر بس کی روشنیاں نظر آئیں تو سڑک کے درمیان آ کر اشارہ کیا۔ بس کے مسافر ہمدردی سے پیش آئے۔ میں انہیں صحیح بات تو بتا نہیں سکتا تھا' کہا کہ میں ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔ کچھ لوگ اس طرف لے گئے۔ مارا پیٹا۔ پیسے چھین لیے اور ٹیکسی لے کر فرار ہو گئے۔ بات بن گئی۔ پولیس اسٹیشن جانے کے مشورے دیئے گئے ڈاکوؤں کا حلیہ پوچھا گیا۔ میں سارے راستے سوالات کا نشانہ بنا رہا۔ خدا خدا کر کے اسٹاپ آیا۔ اور ڈگمگاتے قدموں سے گھر پہنچا وہ تو شکر تھا کہ رات ہو چکی تھی ورنہ محلے میں شور مچ جاتا۔ مخالف نہ جانے کیا سمجھتے اور کیا کہتے۔

مجھ پر نظر پڑتے ہی امی اور فریدہ کے اوسان خطا ہو گئے۔

"ارے کیا ہوا میرے لعل! تجھے کیا ہو گیا منصور! میرے بچے....." امی واویلا کرنے لگیں۔

"امی حوصلہ کریں۔ محلے میں آواز جائے گی تو لوگ جمع ہو جائیں گے۔" فریدہ نے سمجھداری کا ثبوت دیا۔

"زیادہ پریشان نہ ہوں امی۔ مجھے دوسرے کپڑے دیں۔ زیادہ چوٹ نہیں ہے۔" میں نے بمشکل کہا۔ گھر آ کر تکلیف کا صحیح احساس ہو رہا تھا۔

"ابھی لاتی ہوں بھائی جان۔" فریدہ جلدی سے کپڑوں کی الماری کی طرف دوڑی۔

امی مجھے چاروں طرف سے ٹٹول رہی تھیں۔ وہ میرے سارے زخموں کو دیکھ لینا چاہتی تھیں۔

"وہی ہوا امی! میری ان لوگوں سے دشمنی ہو گئی۔ آج سیٹھ صاحب کو بتایا تھا کسی طرح ان لوگوں کو معلوم ہو گیا۔ انہوں نے مجھے ویرانے میں لے جا کر مارا ہے۔"

"خدا انہیں غارت کرے۔ اے خدا ہم مظلوموں کی آہ لگے انہیں۔" امی زار و قطار رونے لگیں۔

"میں کل سیٹھ صاحب کے پاس جاؤں گا امی۔ ان سے کہوں گا کہ ان کی حماقت کا یہ نتیجہ نکلا۔ وہ ان سے نمٹ لیں گے۔"

"نہیں بیٹے' نہیں۔ میں تجھے نہیں جانے دوں گی۔ اب میں تجھے وہاں قدم نہیں رکھنے دوں گی' تو وہاں نہیں جائے گا۔" امی تلملا کر بولیں۔ فریدہ کپڑے لے آئی تھی۔ دونوں باہر چلی گئیں اور میں لباس تبدیل کرنے لگا۔ کئی چھوٹے چھوٹے زخم آئے تھے۔ فریدہ کوئی مرہم تیار کرنے میں لگ گئی پھر اس نے میرے زخموں پر مرہم لگایا۔

"میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑوں گا امی۔ میں کسی طرح انہیں معاف نہیں کروں گا۔ وہ ملک دشمن ہیں۔ قوم کے غدار ہیں۔ وہ اس ملک کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ یہ ہمارا وطن ہے۔ ہم وطن کے غداروں کو نہیں چھوڑیں گے۔ میں۔ میں۔ ان کو..." فریدہ نے بتایا کہ میں ساری رات ہذیان بکتا رہا۔ تیز بخار ہو گیا تھا مجھے۔ دوسرے دن بھی بخار میں پھنکتا رہا۔ تیسرے روز خدا خدا کر کے بخار اترا۔ امی ڈاکٹر سے دوا لے آئی تھیں۔ زخموں کی نکور کی جاتی رہی تھی۔ کافی افاقہ تھا۔ تاہم کمزوری تھی۔ صحیح معنوں میں ہوش تیسرے دن آیا تھا۔

"سیٹھ جبار کے ہاں سے تو کوئی نہیں آیا امی؟" میں نے پوچھا۔

"ارے جھاڑو پھیرو ان سب پر۔ کوئی آئے تو سہی۔"

"میں سیٹھ صاحب کے پاس جاؤں گا امی۔"

"نہیں میرے بچے۔ خدا کے واسطے اب ادھر کا رخ مت کرنا۔" امی گھگھیا کر بولیں۔

"سیٹھ صاحب اتنے برے انسان نہیں ہیں امی۔ وہ ان سب کو ٹھیک کر دیں گے۔"

"ابھی تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ آرام کرو۔ ہمیں اس نوکری کی ضرورت نہیں ہے۔" امی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور میں خاموش ہو گیا لیکن میرے ذہن میں غصے اور نفرت کا لاوہ کھول رہا تھا۔ میں ان لوگوں کو کسی قیمت پر معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ایک ہفتے کے بعد میں چلنے پھرنے کے قابل ہو سکا۔ اس دوران میں فیضان کئی بار مجھے دیکھنے آیا تھا۔ لیکن میں نے اسے حقیقت نہیں بتائی تھی۔ کہہ دیا تھا ویسے ہی جھگڑا ہو گیا تھا۔ نویں دن میں' صبح جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ امی نے بہت واویلا کیا۔ اور میں بڑی مشکل سے انہیں سمجھا پایا۔

سیٹھ صاحب گھر پر موجود تھے۔ میں نے کہلوایا کہ ان سے ملنا چاہتا ہوں تو مجھے فوراً اندر بلا لیا گیا۔ سیٹھ صاحب ایک صوفے پر نیم دراز تھے۔ مجھے دیکھ کر ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آؤ۔ کیا نام ہے تمہارا منصور؟ خیریت؟ مجھ سے کوئی کام ہے؟"

"جی' میں ایک ہفتے کے بعد ڈیوٹی پر آ رہا ہوں سیٹھ صاحب۔" میں نے جواب دیا۔

"کیوں کہاں تھے؟"

"بستر پر پڑا تھا طارق صاحب نے اپنے آدمیوں سے مجھے پٹوایا تھا۔ پھر شاید مردہ سمجھ کر چھوڑ آئے تھے۔"

"چچ چچ.... کوئی خاص بات ہوئی تھی؟" سیٹھ صاحب نے اپنے اسی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ شاید وہ کسی شخص کی بات کو اہمیت دینے کے عادی نہیں تھے۔

"جی ہاں۔ میں نے جو آپ کو اطلاع دی تھی کہ وہ آپ کے نام پر اسمگلنگ کرتے ہیں۔ میرا یہی قصور تھا سیٹھ صاحب۔"

"جس دن تم آئے تھے صاحبزادے' اسی دن میں نے تمہیں ایک نصیحت کی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ آنکھیں اور ذہن کھلا رکھنا اور زبان بند۔ کہا تھا نا؟"

"جی ہاں..."

"تم نے عمل نہیں کیا' اس نصیحت پر۔ کیوں فضول باتوں میں الجھتے ہو۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اسے کرنے دو۔ تمہیں فائدہ ہوتا ہے تو تم بھی حاصل کرتے رہو۔ ابھی تم نے زندگی کی ابتدا کی ہے۔ آگے بڑھو گے تو دیکھو گے اور حیران رہ جاؤ گے۔ نوجوان! باہر کی دنیا گھر کی چار دیواری سے بہت مختلف ہے۔ تمہیں زندگی اس دنیا کے ساتھ بسر کرنی ہے۔ آج تمہارا طارق کے ساتھ جھگڑا ہوا ہے کل دوسروں کے ساتھ ہو گا۔ کس کس سے لڑو گے؟ بہتر یہ ہے کہ ان سے مفاہمت کر لو۔ تم چاہو تو میں طارق سے تمہاری دوستی کرا دوں گا۔"

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ سیٹھ عبد الجبار کس قسم کا انسان تھا؟ اپنی جان بچانے کی فکر نہیں تھی۔ میں نے اس کے لئے سب کچھ کیا لیکن اس نے مجھ سے ہمدردی کا اظہار تک نہیں کیا تھا۔

"لیکن سیٹھ صاحب' وہ آپ کا نام لے کر یہ کام کر رہا ہے۔" میں نے احتجاجاً کہا۔

"جس دن میرے اوپر کوئی بات آئی تو میں خود نمٹ لوں گا۔ تم فکر مند نہ ہو۔ اب جاؤ۔ میں تمہیں اس سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔" سیٹھ صاحب نے بے رخی سے کہا۔ میں گردن جھکائے باہر نکل آیا لیکن میرے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا تھا۔ یہ سب کیا ہے؟ کیا گھر سے باہر کی دنیا یہی ہے؟ کیا میں اس دنیا سے بالکل انجان ہوں۔ بظاہر تو اس دنیا کے اصول دوسرے ہیں۔ اسمگلنگ' چور بازاری جیسی چیزوں کو لعنت کہا جاتا ہے۔ کیا

یہ لعنت صرف کتابوں اور بیانوں تک محدود ہے؟ ان سے باہر نہیں؟ امجد کا کوارٹر میری واحد پناہ گاہ تھا۔ امجد موجود تھا وہ میری طرف دیکھتا رہ گیا۔

"آپ بھی نہیں پوچھیں گے امجد بھائی' میں کہاں تھا؟"

"مجھے معلوم ہے منصور۔ کیسے ہو اب؟"

"آپ کو معلوم ہے لیکن کس طرح؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے خود نادانی کی منصور! میں تمہاری کوئی اور مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اس روز یہی بتانا چاہتا تھا لیکن بدقسمتی سے بیگم صاحبہ باہر نکل آئیں اور میں تم سے کچھ نہ کہہ سکا۔ تم نے سیٹھ صاحب کو اطلاع دی تھی کہ طارق اسمگلنگ کرتا ہے؟"

"ہاں دی تھی۔"

"کیوں دی تھی؟ حماقت کی تھی نا! کیا سیٹھ صاحب اس بات سے ناواقف تھے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ طارق انہیں دھوکا دے کر یہ سب کچھ کر رہا ہے؟ سیٹھ عبدالجبار خود ایک بہت بڑا سمگلر ہے۔ طارق جیسے لوگ اس کے کارندے ہیں اور تم نے کارندے کی شکایت مالک سے کر دی۔ اس نے طارق کو فون کیا اور ڈانٹا کہ وہ بے وقوف ہے۔ اس قسم کے لونڈوں سے کیوں کام لیتا ہے۔ پہلے ٹھونک بجا کر دیکھ لیا کرے۔ اسی نے کہا تھا کہ لڑکے کے ہاتھ پاؤں توڑ دو۔ سزا مل جائے گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔ سمجھے تم منصور خان صاحب!"

میرا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ کانوں میں سنسناہٹ ہو رہی تھی' سیٹھ عبدالجبار نے خود مجھے پٹوایا تھا! وہ اسمگلر ہے۔" میں سوچتا رہا اور میرا خون کھولتا رہا۔

"میں جا رہا ہوں امجد بھائی۔ خدا حافظ۔" میں نے امجد پر الوداعی نظر ڈالی۔

"سنو تو۔ کہاں جا رہے ہو؟ تم سیٹھ صاحب کے پاس گئے تھے؟"

"ہاں۔"

"کیا بات چیت ہوئی ان سے؟"

میں نے پوری تفصیل دہرائی۔ امجد نے یہ سن کر کہا۔

"بہتر یہ ہے کہ طارق سے صلح کر لو۔ اور اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ۔ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہاں سب کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بس زبان بند کیے اپنا کام کرتے رہو۔"

"امجد بھائی' میں لعنت بھیجتا ہوں اس نوکری پر اور رہی سیٹھ کی بات تو امجد بھائی' اسے اگر کٹہرے کے پیچھے نہ پہنچایا تو منصور نام نہیں۔" یہ کہہ کر میں تیزی سے باہر نکل آیا۔ امجد آواز دیتا رہ گیا۔

میں نے امی کو سیٹھ جبار کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ صرف یہ کہا کہ نوکری پر لات مار آیا ہوں۔ وہ چاہتی بھی یہی تھیں۔ سن کر انھیں اطمینان ہو گیا۔ کہنے لگیں "نوکری

کا کیا ہے' دوسری مل جائے گی۔ ایک دروازہ بند ہو تو خدا دس دروازے کھول دیتا ہے۔ تم چند روز آرام کرو اللہ مالک ہے۔"

سارا دن میں چارپائی پر پڑا رہا۔ دوسرا دن بھی میں نے گھر پر ہی گزارا۔ ذہن میں الجھاؤ تھا۔ دماغ میں چنگاریاں سی چیخ رہی تھیں۔ کچھ کر گزرنے کی خواہش دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ تیسرا روز تھا کہ امجد صبح ہی صبح آ گیا۔ پتہ پوچھتا پوچھتا پہنچ گیا تھا۔ میں نے امی سے اس کا تعارف کرایا۔ انھوں نے اسے ڈھیروں دعائیں دیں اور اچھی تواضع کی۔

"ڈیوٹی پر کیوں نہیں آ رہے ہو' منصور؟ اب تو طبیعت ٹھیک ہے!" چائے کے بعد امجد نے کہا۔

"میں نے اس نوکری پر اسی دن لعنت بھیج دی تھی بتا دیا تھا نا؟" میں نے جواب دیا۔

"نہیں منصور بیٹے۔ اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں عذاب میں نہ ڈالو۔ تم نہیں سمجھتے ہو۔ سیٹھ جبار کیسا آدمی ہے۔ اب تم اس کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہو۔ اگر وہ تمہارے خلاف کچھ کرنے پر اتر آیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ میری بات مان لو منصور۔"

"امجد بھائی' آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں! آپ لوگ تو ضمیر فروخت کر چکے ہیں۔ میرا ضمیر ابھی محفوظ ہے۔ سیٹھ جبار میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اس کا آلہ کار بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ براہ کرم آپ....."

"میں خود آنے کی ہمت نہ کرتا منصور' مجھے بھیجا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ تمہیں لے کر آؤں۔"

"تو آپ جا کر بتا دیں کہ میں نے آنے سے انکار کر دیا ہے۔"

"ایک بار پھر سوچ لو منصور۔"

"بس امجد بھائی بس۔ میں آپ کی عزت کرتا ہوں کیونکہ آپ میرے استاد بھی ہیں۔ آپ نے میرا جواب سن لیا ہے۔"

"تمہاری مرضی۔" امجد مایوس ہو کر چلا گیا لیکن میرا غصے سے برا حال تھا۔ میں سیٹھ جبار کی ہٹ دھرمی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے لئے کچھ کرنا ہی تھا۔ اسی روز میں دوپہر کو گھر سے نکلا اور سیدھا پولیس اسٹیشن پہنچا۔

"میں انچارج صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور کچھ دیر بعد مجھے انچارج صاحب کے پاس پہنچا دیا گیا۔ ایک بارعب انسپکٹر نے مجھے غور سے دیکھا۔

"فرمائیے۔" اس نے سرسری طور سے کہا۔

"میں ایک جرائم پیشہ شخص کی نشاندہی کے لئے حاضر ہوا ہوں جناب۔"

"بہت اچھا کیا بیٹے!" انسپکٹر نے کہا۔ "کون ہے وہ؟"

"اس کا نام سیٹھ عبدالجبار ہے۔ ایک بہت بڑا اسمگلر جو اپنے گرگوں کے ذریعے اسمگلنگ کراتا ہے اور خود شریف بنا رہتا ہے۔ میں آپ کو ان جگہوں تک لے جا سکتا ہوں۔ سمندر کے کنارے اس کا مال اترتا ہے اور وہاں سے ایک جگہ لے جایا جاتا ہے۔ میں ان لوگوں کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرا سکتا ہوں۔"

انسپکٹر حیران نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ آخر بولا۔

"لیکن تم ان ساری باتوں کو کس طرح جانتے ہو؟" اور جواب میں' میں نے اسے پوری کہانی سنا دی۔ وہ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "تو اب تم اس کے خلاف انتقامی کارروائی کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں جناب! میں تو قانون کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہارا پتہ کیا ہے؟" انسپکٹر کے انداز میں کسی قدر تبدیلی آ گئی۔ میں نے اس تبدیلی کو محسوس کیا لیکن سمجھ نہیں سکا اس نے میرا پتہ لکھا اور کہا۔ "تم جاؤ لیکن گھر پر ہی رہو گے۔ شہر سے باہر نہ جانا۔ پولیس تم سے خود رابطہ قائم کرے گی۔"

"بہت بہتر جناب۔" میں نے جواب دیا اور پولیس اسٹیشن سے باہر نکل آیا میں بہت مگن تھا۔ فخر محسوس کر رہا تھا کہ میں نے سیٹھ عبدالجبار کو پھنسوا دیا..... خوش خوش گھر میں داخل ہوا تو امی اور فریدہ میری منتظر تھیں اور بد حواس نظر آ رہی تھیں۔

"کہاں گئے تھے؟ جبار سیٹھ کے آدمی آئے تھے۔ کہہ گئے ہیں کہ جیسے ہی تم آؤ تمہیں ان کے پاس بھیج دیا جائے۔ کئی آدمی تھے اور صورت سے غنڈے لگ رہے تھے۔" امی نے جلدی جلدی بتایا۔

"آپ نے کیا جواب دیا امی؟" میں نے تشویش سے پوچھا۔

"میں نے یہی کہا کہ اب وہ وہاں نوکری نہیں کرے گا۔ کہنے لگے کہ وہ سیٹھ صاحب سے بات کر لے۔ اب کیا ہو گا منصور؟" امی سخت پریشان نظر آ رہی تھیں۔

"جو کچھ بھی ہو گا آپ خود دیکھ لیں گی امی۔ میں جاہل نہیں ہوں۔ کیا یاد کرے گا یہ سیٹھ جبار بھی۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"منصور' خدا کے واسطے یہ گھر بدل دو۔ یہ شہر چھوڑ دو۔ ہم لاوارث ہیں۔ ہمارا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اللہ ان لوگوں کو غارت کرے' کہیں تم کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ۔"

"نہیں پھنسوں گا امی۔ آپ بے فکر رہیں۔ اور ہاں میں اس سیٹھ سے مل ہی لوں۔ اس سے کہہ دوں کہ وہ کھال میں رہے۔ میں اس سے ملنے جا رہا ہوں امی۔" امی

کچھ بولنے کے لئے منہ کھول کر رہ گئیں اور میں باہر نکل گیا۔

میں ایک بار پھر سیٹھ جبار کی کوٹھی میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے فوراً بلوا لیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"سنا ہے تم نے نوکری چھوڑ دی ہے۔" اس نے بلا تمہید کہا۔

"جی ہاں سیٹھ صاحب۔" میں نے بلا جھجک جواب دیا۔

"یقیناً تم اتنے اچھے آدمی کے بیٹے ہو کہ تمہیں چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ میری خواہش ہے کہ تم یہاں نوکری کرتے رہو۔ عیش کرو گے۔"

"لیکن سیٹھ صاحب' میں قانون لٹکنوں کے درمیان نہیں رہ سکتا۔"

"ہوں' تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ہاں۔ اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ آپ ہی نے مجھے پٹوایا بھی ہے۔"

"ارے ارے ارے! یہ تم سے کس نے کہا؟ بہرحال جس نے بھی تم سے یہ کہا ہے اس نے جھوٹ بولا ہے۔ میں تو تمہاری باتوں پر غور کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ تم کتنے نیک انسان ہو۔ کتنی عمدہ سوچ ہے تمہاری۔ کیوں نہ میں اپنی اصلاح کر لوں۔"

"آپ... اپنی اصلاح کریں گے سیٹھ صاحب؟" میں حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہاں' ہاں' کیوں نہیں؟ تم نے میرے ذہن کو جھنجوڑ دیا ہے۔"

"آپ کے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ سیٹھ صاحب! پھر آپ یہ مکروہ کام کیوں کرتے ہیں؟ دولت کی کوئی کمی ہے آپ کے پاس؟"

"ہاں بیٹے' یہی سب کچھ میں سوچ رہا تھا۔ بہرحال تم ابھی آرام کرو۔ میری طرف سے تمہیں ایک ہفتے تک آرام کی اجازت ہے۔ جب بالکل تندرست ہو جاؤ تو آ جانا۔ تمہیں تمہاری پوری تنخواہ ملے گی۔"

"شکریہ سیٹھ صاحب۔" میں اپنی مسرت چھپا نہ سکا۔ دل چاہا کہ اپنی اس حماقت کو ظاہر کر دوں جو میں نے پولیس اسٹیشن جا کر کی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں ہمت نہ پڑ سکی۔ یہ خیال آیا کہ کہیں وہ بددل نہ ہو جائے۔ میں تو خود پر سکون زندگی کا خواہشمند تھا۔ سیٹھ صاحب کے پاس سے لوٹا تو خوشی کے ساتھ ایک خلش بھی تھی کہ پولیس اسٹیشن جا کر میں نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔ اگر پولیس نے سیٹھ صاحب کے خلاف قدم اٹھایا تو کیا ہو گا لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ گھر پہنچا تو امی لپک کر آگے بڑھیں۔

"مل آئے سیٹھ صاحب سے؟" انہوں نے اضطراب سے پوچھا۔

"جی امی۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیا بات ہوئی؟"

"آج جو باتیں ہوئی ہیں ان سے میں آسمانوں پر اڑ رہا ہوں۔" میں نے جواب

دیا۔ "دعا کریں خدا مجھے میرے مشن میں کامیابی عطا فرمائے۔ سیٹھ صاحب نے کہا ہے کہ میں ملازمت جاری رکھوں۔ وہ اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے دیکھا کہ امی کے چہرے پر بدستور تشویش تھی۔

"کیوں' اطمینان نہیں ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں منصور۔ میرا خیال ہے تم شکریئے کے ساتھ یہ ملازمت اسے لوٹا دو۔ بیٹے جس منہ کو حرام لگ جاتا ہے مشکل ہی سے چھوٹتا ہے اور پھر ان بڑے لوگوں کا کیا اعتبار؟ زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل میں کچھ۔"

"میں آپ کے حکم کی ضرور تعمیل کروں گا امی' لیکن میرے خیال میں کچھ دن اور گزرنے دیں۔ دراصل میں ایک غلطی کر بیٹھا ہوں۔ میں نے پولیس کو سیٹھ صاحب کے بارے میں اطلاع دے دی ہے اور یقین ہے کہ پولیس کارروائی ضرور کرے گی۔ اگر میں ملازمت چھوڑ دوں گا تو سیٹھ صاحب یہی سمجھیں گے کہ میں نے اپنے دل سے کینہ دور نہیں کیا..... پھر یہ دشمنی بڑھ جائے گی۔"

"تو تم نے پولیس کو اطلاع دے دی ہے؟"

"ہاں۔ لیکن میرے دل پر بوجھ نہیں ہے۔"

"ظاہر ہے پولیس تفتیش کے دوران تمہارا نام ضرور لے گی' اور پھر....."

"اگر ایسی صورت ہوئی تو بتادوں گا کہ یہ رپورٹ میں نے اس وقت کی تھی جب طارق نے مجھے پیٹا تھا۔" میں نے جواب دیا لیکن امی مطمئن نہیں ہوئیں۔

بہرکیف دوسرے دن میں ڈیوٹی پر گیا لیکن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ تیسرے دن مجھے بیگم صاحبہ کی خدمت انجام دینا پڑی۔ اینجل کو بھی میں نے دو تین بار دیکھا لیکن ظاہر ہے' میں اسے یاد بھی نہیں رہا ہوں گا۔ بڑے لوگوں کی بڑی بات۔ میں بہت خوش تھا کہ پولیس کی طرف سے کوئی اقدام نہیں کیا گیا تھا۔ چوتھے دن میرے لئے ایک پریشانی آ کھڑی ہوئی۔ اس واقعے کے بعد پہلی بار منحوس طارق کی شکل نظر آئی تھی۔ بے غیرت انسان مسکراتا ہوا میری جانب بڑھا۔ اسے دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا۔ میں ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہیلو منصور' کیسے حال ہیں؟" اس نے مصافحے کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ لیکن میں نے جنبش نہ کی۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"ہاتھ ملاؤ یار۔ سیٹھ صاحب نے تو کہا تھا کہ تم ٹھیک ہو گئے ہو۔"

"ٹھیک ہونے سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کہ اب تم خلوص دل سے ہمارے ساتھ ہو۔"

"یعنی تمہارے گندے دھندوں کے ساتھ!"

"تم اب بھی انہیں گندہ سمجھتے ہو۔" طارق نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"غلاظت ہمیشہ غلاظت ہی رہتی ہے۔"

"گویا آج تم میرے ساتھ نہیں چلو گے؟"

"میں تمہاری طرح بے غیرت نہیں ہوں طارق۔ تم نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کے بعد بھی ملاپ کی گنجائش رہ جاتی ہے؟" میں نے نفرت سے کہا۔

"تم حد سے بڑھ رہے ہو منصور۔" طارق نے آنکھیں نکالیں۔ "پہلے اس لئے معاف کر دیا تھا کہ تم طارق سے واقف نہیں ہو۔ نوجوان ہو۔ ترقی کے راستے اپناؤ۔ ضروری نہیں کہ صرف ڈرائیور ہی رہو۔ اگر ذہانت اور کارکردگی دکھائی تو دوسرے کام بھی سونپے جا سکتے ہیں جو تمہاری تقدیر بدل دیں گے۔ تم اس گندے علاقے سے نکل کر ایک خوبصورت مکان کے مالک بن سکتے ہو۔ بہت کچھ کر سکتے ہو لیکن شرط یہ ہے نوجوان کہ جوش کے بجائے ہوش سے کام لو۔ ہم جیسے لوگوں کے آپس میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں لیکن ہمیشہ کے لئے نہیں۔ تم ہم میں شامل ہو جاؤ گے تو تمہارے ساتھ جھگڑا بھی خود بخود ختم ہو جائے گا۔"

"تم احمق ہو طارق۔ شاید تم نے تفصیل نہیں معلوم کی۔" میں نے اسے گھورا۔

"کیسی تفصیل؟"

"یہ بات تو مجھے معلوم ہو چکی ہے کہ تم بھی سیٹھ صاحب کے ایک ادنیٰ ملازم ہو اور سب کچھ انھی کے ایما پر ہوتا ہے لیکن میں نے یہ ملازمت دوبارہ اس لئے شروع کی ہے کہ سیٹھ صاحب میرے ہم خیال ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کریں گے۔"

"اوہ۔" طارق مسکرا دیا۔ "ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' لیکن جب تک سیٹھ صاحب اپنی اصلاح نہ کر لیں' ان کا ساتھ تو دو۔ رہی ملازمت کی بات تو میری جان' تم ہمارے کام سے واقف ہو ہی چکے ہو۔ اس لئے تمہیں دوسری ملازمت کی اجازت ذی بھی نہیں جا سکتی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب تم نوکری کرو گے تو صرف سیٹھ صاحب کے ہاں۔ کسی دوسری جگہ تمہیں نوکری کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"کون روکے گا مجھے طارق؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"جن کے سپرد یہ کام ہے۔ ہر شخص کا کام بٹا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے تم اپنے ان دوستوں کو بھولے نہیں ہو گے جن سے چند روز قبل ملاقات ہوئی تھی۔"

"اور مجھے بھی یقین ہے طارق' کہ تم بھی اپنی کیفیت کو نہیں بھولے ہو گے کیا

میں اس منظر کو دہراؤں؟"

میں نے دانت پیس کر کہا تو طارق کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"اگر تمہاری بدبختی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی تو کوئی کیا کر سکتا ہے!" اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا اور چلا گیا۔

میرے ذہن میں لاوا سا پک رہا تھا۔ میں اس وقت کو کوس رہا تھا جب میں نے سیٹھ جبار کے دروازے پر قدم رکھا تھا۔ ملازمت کہیں بھی مل سکتی تھی۔ امی کے الفاظ میرے ذہن میں گونج رہے تھے کہ ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس شام میں الجھا الجھا گھر لوٹا لیکن گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنی حالت درست کر لی۔ امی کو پریشان کرنے سے کیا حاصل تھا! گھر کے معمولات میں اسی طرح حصہ لیا جیسے روز لیتا تھا لیکن ساری رات نیند نہیں آئی۔ یہی سوچتا رہا کہ طارق نے جو باتیں کی تھیں ان سے کہیں مطلب تو نہیں نکلتا کہ سیٹھ صاحب اپنی بات پر قائم نہیں رہیں گے۔ کیا محض میری وجہ سے ایک شخص اپنی لاکھوں روپے کی آمدنی چھوڑ سکتا ہے؟

صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو میں نے فیصلہ کیا کہ سیٹھ صاحب کے ہاں نہیں گا بلکہ کوئی دوسری ملازمت تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔

اس کے علاوہ آج پھر پولیس اسٹیشن جاؤں گا۔ انچارج سے بات کروں گا۔ آخر پولیس کے بھی کچھ فرائض ہوتے ہیں۔ اتنا تساہل کیوں؟

ناشتے کے بعد گھر سے نکلا۔ کچھ دیر سڑکوں پر پھرتا رہا۔ خیالات کا تانا بانا بنتا رہا۔ طارق کی دھمکی کہ میں کہیں اور ملازمت نہیں کر سکتا۔ بار بار یاد آ رہی تھی۔ آخر پولیس اسٹیشن کا رخ کیا۔ انسپکٹر موجود تھا۔ اس کے پاس چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے پہچان لیا اور چونک پڑا۔

"تم باہر بیٹھو۔ میں ابھی بلواتا ہوں۔" اس نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔ دیر تک میں انسپکٹر کے کمرے کے باہر پڑی ہوئی بینچ پر بیٹھا رہا۔ لوگوں کو آتے جاتے دیکھتا رہا۔ دنیا اس قدر مسائل سے دو چار ہے' اس سے قبل نہیں سوچا تھا تقریباً پونے گھنٹے بعد میرا بلاوا آیا۔

"بیٹھو۔ تمہارا نام منصور ہے نا؟" انسپکٹر نے کہا۔

"جی۔ میں پہلے بھی حاضر ہوا تھا۔"

"ہاں' مجھے یاد ہے لیکن سیٹھ صاحب سے تو تمہاری مصالحت ہو گئی تھی۔" انسپکٹر نے کہا۔

میں چونک پڑا۔ "جی۔ مگر آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟"

"میرا مطلب ہے..... تم دوبارہ نہیں آئے۔ اس لئے میں نے سوچا کہ....."

"آپ نے کہا تھا کہ آپ خود مجھ سے رابطہ قائم کریں گے۔ آپ نے میرا پتہ بھی نوٹ کیا تھا۔ میں تو انتظار کرتا رہا تھا۔"

"ہوں! لیکن اس دوران میں بھی کیا تم سیٹھ جبار کے ہاں ملازمت کرتے رہے ہو؟"

"جی ہاں۔"

"اور حسب معمول اسمگلنگ کے کام میں حصہ لیتے رہے ہو؟"

"ایک بار بھی نہیں انسپکٹر صاحب۔"

انسپکٹر نے سگریٹ جلایا اور پن میز پر بجاتے ہوئے خلا میں گھورتا رہا' جیسے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ کئی سیکنڈ گزر گئے تو اس نے ہنکارا بھرا۔

"نوجوان' تم بلاشبہ ایک اچھے انسان ہو۔ میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔" اس نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں ان کے ساتھ کام کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ بہتر ہے کہ تم وہاں سے ملازمت چھوڑ کر کسی اور جگہ کر لو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ پولیس خود موقع کی تاک میں ہے۔ جس وقت بھی سیٹھ جبار گرفت میں آ گیا ہم اسے نہیں چھوڑیں گے۔"

"لیکن اس کے کارندے نے دھمکی دی ہے کہ سیٹھ جبار مجھے کہیں اور نوکری نہیں کرنے دے گا۔" میں نے انسپکٹر کے مشورے پر حیران ہو کر کہا۔

"میں تمہاری اور کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اب تم جا سکتے ہو۔" انسپکٹر رکھائی سے بولا۔ "میں نے کہہ دیا ہے کہ سیٹھ جبار ہماری نظر میں رہے گا اور تمہیں کوئی نقصان پہنچنے سے پہلے اس کی گردن ہمارے ہاتھ میں ہو گی۔" انسپکٹر فائل دیکھنے لگا اور میں نے باہر کا رخ کیا۔

تقریباً تین بجے میں گھر لوٹا۔ امی نے میرا منہ اترا ہوا دیکھا تو بولیں۔

"تو ٹھیک تو ہے؟"

کوئی خرابی نظر آ رہی ہے مجھ میں؟" میں نے ظرافت کا سہارا لے کر ان کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کی۔ میں جانتا تھا کہ میرے گھر سے نکلنے کے بعد سے میرے گھر میں داخل ہونے تک وہ سولی پر لٹکی رہتی ہیں۔

"چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ کیا نوکری پر گئے تھے؟" انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

"نہیں۔ وہاں سے تو کوئی نہیں آیا؟" میں نے جواباً کہا۔

"نہیں' کوئی نہیں آیا۔ لیکن پھر کہاں رہے اتنی دیر؟"

"وہی ملازمت کی تلاش میں سڑکیں ناپتا رہا اور ہوائیاں اسی لئے اڑ رہی ہیں

چہرے پر' کہ کھانا نہیں کھایا۔ فریدہ کچھ کھلاؤ گی؟"

"ابھی لائی بھائی جان۔" فریدہ باورچی خانے کی طرف لپکی۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا اور کھانے کا انتظار کرنے لگا۔

"پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے منصور' چند روز آرام کر لو۔ ملازمت مل ہی جائے گی۔ ہم بھوکے تو نہیں مر رہے ہیں۔ تم پہلے سیٹھ جبار کے ہاں سے بخیر وخوبی چھٹی کر لو' اس کے بعد اطمینان سے تلاش کر لینا ملازمت۔"

"خدا کا شکر ہے کہ میں نے ڈرائیونگ سیکھ لی ہے نوکری تو مل ہی جائے گی لیکن گھر بیٹھے نہیں۔"

کھانا کھانے کے بعد میں سونے کے لئے لیٹ گیا۔ بڑی گہری نیند آئی۔ سات بجے کے قریب امی نے جگایا۔ "اب اٹھ جاؤ۔ رات کو نہیں سوؤ گے؟" میں اٹھا لیکن طبیعت کسلمند تھی۔ بے بسی کے احساس نے پژمردہ کر رکھا تھا۔ رات کو بھی جلدی لیٹ گیا۔ اس گھر میں ہلچل ہی کیا تھی! صرف تین افراد۔ کوئی آ جاتا تو تھوڑی سی رونق ہو جاتی۔ ورنہ وہی خاموش ماحول۔ تاریک لمحے گزرتے رہے اور میری بے قراری بڑھتی رہی۔ دیر تک سوئے رہنے سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ امی اور فریدہ گہری نیند سو رہی تھیں۔ آدھی رات کا عمل ہو گا کچھ غنودگی طاری تھی کہ اچانک فریدہ کی چیخ ابھری اور فوراً بعد دروازے پر دھماکا سا ہوا۔ میں چارپائی سے اچھل کر فرش پر کھڑا ہو گیا اور دیکھا کہ فریدہ اپنے بستر سے امی کی چارپائی پر آ گری تھی۔ میں اس کی طرف لپکا تو وہ تیز تیز سانس لے رہی تھی۔ سارا جسم کانپ رہا تھا اور پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا۔ کیا ہوا فریدہ۔" امی بھنچی بھنچی آواز میں کہہ رہی تھیں۔

"فریدہ۔ فریدہ۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا۔

"وہ۔ وہ۔" فریدہ ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے بمشکل کہہ پائی۔

آواز میں نے بھی سنی تھی۔ لیکن تمام تر توجہ فریدہ کی جانب ہونے کی وجہ سے اس طرف دھیان نہیں گیا تھا۔ لپک کر گیا تو دروازہ کھلا تھا باہر نکلا تو گلی سنسان پڑی تھی۔ کون آیا تھا؟ کوئی چور تھا؟ لیکن پہلے کبھی محلے میں ایسی واردات نہیں ہوئی تھی۔ لوفر' اوباش ضرور تھے لیکن چوری چکاری نہیں کرتے تھے۔ محلے میں جو چاہے کرتے پھریں لیکن گھروں میں نہیں جھانکتے تھے۔

میں دروازہ بند کر کے اندر آ گیا۔ ہر چیز جوں کی توں تھی۔ امی نے الماریوں کے تالے کھول کھول کر دیکھے۔ سارا سامان موجود تھا۔ کوئی چیز چوری نہیں ہوئی تھی۔ فریدہ نے بتایا کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی تو اس نے کمرے میں ایک ہیولا سا دیکھا جو اس کی چارپائی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار چیخ ماری اور آنے والا دروازے کی طرف

بھاگا۔ ظاہر تھا کہ وہ کھڑکی کے راستے آیا تھا اور آتے ہی دروازہ کھول دیا تھا تاکہ بھاگ سکے۔

"کوئی باہر کا آدمی ہو گا۔" میں نے کہا۔ "محلے والوں نے اب تک ایسی جرات نہیں کی ہے۔ چوری کرنے آیا ہو گا لیکن فریدہ کے چیخنے سے بھاگ گیا۔ صبح دیکھا جائے گا۔ اب تم سو جاؤ' وہ دوبارہ آنے سے رہا۔"

ہم لیٹ گئے رات کا باقی حصہ جاگتے ہی گزرا۔ صبح امی نے پڑوسن خالہ کو رات کا واقعہ سنایا تو وہ انگشت بدنداں رہ گئیں۔ کہنے لگیں کہ وہ اپنے میاں سے کہیں گی اور محلے کے بڑوں کو جمع کیا جائے گا۔ اس بارے میں کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہئے۔ اگر چور نے ایک گھر دیکھ لیا ہے تو دوسرے بھی دیکھے گا۔ دوپہر تک میں گھر پر رہا۔ میرا خیال تھا کہ سیٹھ جبار کے ہاں سے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ ممکن ہے امجد ہی آ جائے لیکن کوئی نہ آیا اور میں نے دل میں کہا کہ خدا کرے کوئی نہ آئے۔ دو تین دن انتظار کر لوں' اس کے بعد ملازمت تلاش کروں گا۔ خدا کرے سیٹھ جبار سے میری جان چھوٹ جائے۔

کوئی تین بجے میں گھر سے نکلا۔ پنواڑی کی دکان بند تھی اس لئے لفنگوں کی ٹولی بھی نہیں تھی۔ میں ٹہلتے ٹہلتے بلدیہ کے پارک میں چلا گیا اور ایک بینچ پر بیٹھ کر حالات کا تجزیہ کرنے لگا۔ کیا ہو رہا تھا؟ کیا ہونا چاہئے؟ کیا ہو گا؟ ذہن ایک تھا اور سوالات کی یلغار تھی۔ کوئی دوسرا ذہن مدد گار نہ تھا۔ کسی کا تجربہ میرا معاون نہ بن سکتا تھا۔ کسی کی راہنمائی میسر نہیں تھی۔ اندھیرے میں کوئی قندیل روشن نظر نہ آتی تھی۔ کیا یہ شہر چھوڑ دوں؟ لیکن ماں اور بہن کو لے کر پرائے دیس کس امید پر جاؤں.....؟" جب ذہن نے مزید ساتھ نہ دیا تو اٹھا اور بوجھل قدموں سے گھر لوٹ آیا۔

پنواڑی کی دکان کھل گئی تھی۔ حسب دستور ٹولی موجود تھی۔ میں سر جھکائے چلتا رہا۔

"لو آ گئے فرشتہ صاحب!" پنواڑی نے مجھ پر پھبتی کسی لیکن میں نے سنی ان سنی کر دی اور چلتا رہا۔

"ابے ان فرشتوں کی....." ایک اور آواز میں گالی دی گئی اور میرے قدم رک گئے۔ گردن بے اختیار دکان کی سمت مڑ گئی۔ سارے میری طرف دانت نکالے دیکھ رہے تھے۔

"کیا گھور رہا ہے بے!" بنو بولا۔ "بڑا فرشتہ بنا پھرتا ہے سارا پول کھل گیا۔"

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی لیکن مصلحتاً غصے کو دبا کر نپے تلے قدموں سے اس کی طرف بڑھا اور شائستگی سے پوچھا۔ "تمہیں مجھ سے کوئی شکایت ہے؟"

"شکایت کے بچے' تم جیسے....." اس کی دوسری گالی حلق میں اٹک کر رہ

گئی۔ میرا ہاتھ اس کے گلے پر تھا۔ دوسرے لمحے میں نے اسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور تابڑ توڑ دو چار گھونسے اس کے جبڑے پر رسید کیے۔

"ارے بنو بھائی کو مار ڈالا۔ بنو بھائی کو بچاؤ۔" پنواڑی نے شور مچا دیا اور سارے لفنگے مجھ پر جھپٹے۔ میں نے پھرتی سے قریب پڑا ہوا لکڑی کا کندہ اٹھا لیا اور پیچھے ہٹ کر بولا۔

"اگر کوئی سامنے آیا تو اس کی خیر نہیں۔ پہل بنو نے کی میرا کوئی قصور نہیں تھا۔"

"محلے کا ستیاناس کر دیا ہے تم نے اور کہتے ہو کوئی قصور نہیں تھا۔" ایک بزرگ آگے بڑھ کر بولے جن کی میں بے حد عزت کرتا تھا۔

"میں نے؟ میں نے محلے کا ستیاناس کر دیا..... چچا جان میں نے؟" مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ الفاظ انہوں نے کہے تھے۔

"میاں سمجھتے تو ہم بھی معصوم تھے۔ بہت بے وقوف بنا لیا اب نہیں بنا سکتے۔ خدا کی پناہ! پورے محلے کو حیرت تھی کہ احمد علی صرف ڈرائیور ہے لیکن ٹھاٹھ باٹھ دیکھو۔ اب پتہ چلا کہ قصہ کیا تھا؟ توبہ توبہ....."

"چچا میں نے ہمیشہ آپ کا احترام کیا ہے کچھ بتائیے تو' آپ نے ہماری کیا بات دیکھی؟"

"ماں اور بہن تھانے میں بیٹھی ہیں۔ ان سے جا کر پوچھو۔" بزرگ بولے۔

میرے ہاتھ سے لکڑی چھوٹ گئی۔ "کون تھانے میں بیٹھا ہے؟"

"تمہاری ماں اور بہن۔ پولیس انہیں لے گئی ہے۔" کسی نے جواب دیا۔

میرے بدن میں سنسناہٹ دوڑ گئی اور میں گھر کی طرف بھاگا۔ گھر کے دروازے پر دو پولیس والے کھڑے تھے۔

"اندر کون ہے؟ کون ہے اندر؟ میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟" میں نے غصے سے چیخ کر کہا۔

"تو تم ہی منصور ہو؟ چلو تم بھی تھانے۔" ایک پولیس والے نے کہا۔

میں انہیں وہیں چھوڑ کر دوڑ پڑا۔ محلے والوں کے آوازے اور قہقہے سنسناتی ہوئی گولیوں کی طرح مجھے چیر رہے تھے لیکن میری' سننے اور دیکھنے کی تمام طاقت ٹانگوں میں سمٹ آئی تھی۔

پولیس اسٹیشن پہنچ کر سب سے پہلے نظر فیضان پر پڑی۔ محلے میں میرا واحد ہمدرد' دنیا میں میرا واحد دوست فیضان۔

"تم آ گئے منصور۔۔۔۔ امی اور فریدہ بہن..." اس نے میری طرف لپک کر کہا۔

"کیا ہوا؟ کیا ہوا ان کو فیضان؟" میں نے سے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

"اندر دفتر میں بیٹھی ہیں۔ انچارج صاحب موجود نہیں ہیں۔" فیضان نے مردنی

سے کہا۔

"انہیں یہاں کیوں لایا گیا ہے فیضان؟"

"تم گھر نہیں گئے؟ کیا تمہیں پتہ نہیں چلا؟"

"مجھے کچھ نہیں پتہ فیضان۔ کیا امی اور فریدہ کے ساتھ کوئی بدسلوکی۔"

"نہیں۔ کسی نے ان کے ساتھ بدتمیزی نہیں کی۔"

"مگر پولیس انہیں یہاں لائی کیوں ہے؟ کیا الزام ہے ان پر؟"

"دوپہر دو بجے کے قریب بدمعاش فیروز تمہارے گھر گیا۔ وہ نشے میں تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا کہ چرس چاہیئے۔ اور جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو وہ اول فول بکنے لگا۔ لوگ جمع ہو گئے تو اس نے بتایا کہ وہ یہاں سے چرس خریدتا ہے۔ گواہی کے لئے اس نے کئی لڑکوں کو بلوا لیا۔ لوگوں نے تمہاری امی سے پوچھا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور رونے لگیں۔ بات بگڑ گئی اور پولیس طلب کر لی گئی۔ تلاشی لی تو..... چرس برآمد ہوئی۔"

"کیا۔؟" میرے منہ سے بھیانک چیخ نکلی اور گردوپیش کے پولیس والے میری طرف دیکھنے لگے۔

"ہاں جب تک چرس برآمد نہیں ہوئی تھی لوگوں کی ہمدردیاں تمہارے ساتھ تھیں۔" فیضان کہہ رہا تھا۔ "مرزا صاحب اور دوسروں نے تو پولیس کو اندر جانے سے روکے بھی رکھا کہ گھر کے مرد کو آنے دیا جائے لیکن لڑکوں نے شور مچا دیا کہ پولیس طرفداری کر رہی ہے۔ مجبوراً مرزا صاحب اور چند آدمی پولیس کے ساتھ اندر گئے اور ان کے سامنے گھر کی تلاش لی گئی۔ کوئی سیر بھر چرس صندوق کے پیچھے پڑی ملی۔"

میرے ذہن میں جیسے کوئی شیشہ ٹوٹ گیا۔ پچھلی رات کا چور یاد آ گیا۔ جو کچھ چرائے بغیر بھاگ گیا تھا۔ ایک باقاعدہ سازش ہوئی تھی ہمارے خلاف۔ پھر کیا ہوا...؟ تم ہمارے خلاف کیوں نہ ہوئے فیضان؟ تم نے بھی تو چرس برآمد ہوتے دیکھی ہے۔" میں دل مسوس کر بولا۔

"کاش میں تمہارے کچھ کام آ سکتا منصور۔" فیضان نے آبدیدہ ہو کر کہا۔

"اب تم جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی تمہیں یہاں دیکھے اور تمہارے بارے میں بھی لوگوں کی رائے خراب ہو۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔" میں نے اصرار کر کے فیضان کو واپس بھیج دیا اور انسپکٹر کے کمرے میں داخل ہوا۔ اندر امی اور فریدہ بیٹھی ہوئی تھیں ان کے چہرے زرد تھے اور گالوں پر آنسوؤں کے دھبے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ میں نے آگے بڑھ کر فریدہ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"مت روؤ۔ ہم بے گناہ ہیں۔ انسپکٹر کو سارے حالات کا علم ہے وہ بہت اچھا

آدمی ہے۔" میں نے رندھے ہوئے گلے سے امی اور فریدہ کو دلاسا دیا۔ "رات کو جو آیا تھا وہ چور نہیں تھا۔ چرس رکھنے آیا تھا۔ ہمارے خلاف سازش کی گئی ہے' امی۔"

میں یہ کہہ رہا تھا کہ انسپکٹر آگیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر درشتی سے کہا۔ "تو تم خود حاضر ہو گئے؟"

"میں فرار کہاں ہوا تھا؟ ذرا باہر گیا تھا۔ آپ نے میرا انتظار بھی نہ کیا اور باپردہ شریف خواتین کو تھانے..... بلوا کر..... مذاق اڑایا۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"ہم قانون کو تم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔" انسپکٹر نے سخت لہجے میں کہا اور گھنٹی بجائی۔ ایک کانسٹیبل آیا تو اسے دس روپے کا نوٹ دیتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں کو رکشے میں عزت کے ساتھ گھر پہنچا دو۔"

"میں اپنے بچے کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی بڑے صاحب!" امی تلملا کر بولیں۔

"ہمارا یہی ایک سہارا ہے۔ اسے کچھ ہو گیا تو ہم ماں بیٹی جیتے جی مر جائیں گے۔"

"اسے یہاں رکنا ہو گا اماں جی۔ آپ کو بھی تکلیف اس لئے دی کہ کہیں یہ فرار نہ ہو جائے۔ معافی چاہتا ہوں اب آپ جائیں۔ مجھے کیس مکمل کرنا ہے۔"

"ہاں۔ آپ جائیں امی۔ میں بے قصور ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔" میں نے امی کو اطمینان دلانے کے لئے کہا۔ وہ میرا سر اور ماتھا چوم کر اٹھیں اور فریدہ کو لے کر دروازے کی طرف بڑھیں۔ فریدہ نے دروازے پر رک کر میری طرف آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا تو میرا دل کٹ گیا۔

میں پتھر کے بت کی مانند ساکت بیٹھا تھا۔ انسپکٹر نے ایک فائل اپنے سامنے رکھ لی اور سگریٹ سلگا کر ہونٹوں میں دبائی۔ وہ کسی قدر مضطرب نظر آ رہا تھا۔ دیر تک وہ کچھ نہ بول سکا۔ میں اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سرد نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"چرس کہاں سے آئی؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"پچھلی رات ہمارے گھر میں ایک چور آیا تھا جو کچھ چرائے بغیر بھاگ گیا لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ چور نہیں تھا بلکہ....."

"پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی؟" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔

"نہیں۔"

"پڑوسیوں کو آواز دی تھی؟"

"نہیں۔"

"بقراط تو تم خود ہو۔ اگر دونوں میں سے ایک کام بھی کر لیتے تو کچھ بات بن سکتی تھی۔" انسپکٹر نے دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ اسی وقت ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوا۔

"صاحب جی' اس کے خلاف ایک شکایت اور آئی ہے۔" اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کیسی شکایت۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"اس نے محلے کے ایک آدمی کو زخمی کر دیا ہے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ محلے والے زخمی کو لائے ہیں۔ دوسروں پر بھی لکڑی کے کندے سے حملہ کرنے والا تھا کہ اسے روک دیا گیا۔"

"ہوں۔ کیا یہ سچ ہے؟" انسپکٹر نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں۔ انسپکٹر صاحب' سچ ہے۔" میں نے زہر خند سے کہا۔ انسپکٹر کے ہونٹ بھنچ گئے۔

"اسے لاک اپ میں بند کر دو۔" اس نے حکم دیا اور باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد میں آہنی سلاخوں کے پیچھے تھا۔

○

عدالت سے مجھے پانچ سال قید بامشقت کی سزا ملی۔ سات مہینے تک میرا مقدمہ چلا۔ میرے دفاع کے لئے ایک وکیل مہیا کیا گیا تھا کیونکہ میں اپنے طور سے وکیل نہیں کر سکتا تھا۔ استغاثہ کا کیس مضبوط تھا۔ محلے کے بیشتر لوگ میرے خلاف تھے۔ گواہی کے لئے لوفروں کی ایک فوج موجود تھی۔ میرے بھی ہمدرد ہوں گے لیکن ان کا عدالت کے چکروں سے بچنا اور غنڈوں سے ڈرنا لازمی تھا۔ چرس بیچنے اور بنو کی ریڑھ کی ہڈی توڑنے کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔

مقدمے کے دوران تین چار بار امی سے ملاقات ہوئی تھی۔ فیضان ہر تاریخ پر باقاعدگی سے آتا رہا۔ لیکن فیصلے کے دن کوئی نہیں تھا۔ امی' فریدہ کو لے کر دو بار جیل ملنے آئیں پھر میں نے بڑی خوشامد سے انہیں آنے سے منع کر دیا۔ یہ شریف عورتوں کے آنے کی جگہ نہیں تھی۔ پھر وہ نہیں آئیں۔ شاید انہوں نے سینے پر صبر کا پتھر رکھ لیا تھا۔ اپنے مقدر کو بیٹھی روتی رہی ہوں گی یا خداوند عزوجل کی مشیت پر شاکر ہو گئی ہوں گی۔ فیضان جیل میں برابر آتا رہا۔ وہ ہمارے گھر نہیں جاتا تھا تاکہ کوئی بدنامی گلے نہ پڑ جائے۔ البتہ پڑوس کے خدا ترس لوگوں کا ذکر ضرور کرتا تھا جو میری بے سہارا ماں اور بہن کی اشک شوئی کرتے رہتے تھے۔ شکر تھا کہ ان پر کوئی آنچ نہیں آئی تھی۔

○

سزا کا پہلا ہفتہ تو ہفتہ مہمانداری رہا اور کوئی کام نہیں لیا گیا لیکن دوسرے ہفتے

جب قیدیوں کی ڈیوٹیاں لگائی گئیں تو میرے حصے میں لان کی گھاس کاٹنے کا کام آیا۔ جیل کے اندرونی احاطے میں گھاس کے بڑے بڑے لان تھے۔ دو آدمی تھے اس کام کے لئے۔ میرا جوڑی دار...... گھاس کاٹنے کے فن سے واقف تھا۔ اس نے چند ہی دن میں مجھے بھی یہ کام سکھا دیا۔ اس وسیع و عریض لان کو ہم دونوں نے مل کر ایک ہفتے میں درست کر لیا۔

پھر میری بیرک تبدیل کر دی گئی۔ یہ قدرے بہتر تھی۔ صاف ستھری اور بڑی۔ ایسی بیرکوں میں آٹھ آٹھ اور دس دس قیدی تھے۔ سب کو چھ بجے اٹھنا پڑتا' ہلکی سی ورزش کے بعد گنتی ہوتی' پھر ڈیوٹی پر بھیج دیا جاتا۔ جیل کی زندگی' عام زندگی سے مختلف نہیں تھی۔ وہی صبح اٹھنا حوائج سے فارغ ہونا اور کام میں مصروف ہو جانا۔ شام کو چھٹی اور پھر رات کو چار دیواری میں۔ اس دوران میں چھوٹے چھوٹے حادثات بھی ہوتے رہتے تھے۔ مثلاً قیدیوں میں جھگڑے' بعض اوقات شدت بھی اختیار کر جاتے تھے اور اس کے بعد ان قیدیوں کو سخت سزائیں بھی ملتی تھیں لیکن یہ سزائیں ان کے لئے بے معنی تھیں۔ انہیں بھگت کر وہ اور ہشاش بشاش نظر آتے۔ کھلے عام چرس' افیون اور بھنگ پی جاتی اور پھر نشے میں ہنگامے ہوتے۔

شروع شروع میں تو میرے دل نے اس ماحول کو قبول نہیں کیا۔ ہر وقت کلیجہ منہ کو آتا۔ امی اور فریدہ کی طرف خیال جاتا تو سانس رکنے لگتی اور یوں لگتا جیسے اب یہ گھٹن زندگی کی اذیت سے نجات دلا دے گی لیکن زندگی اتنی آسانی سے کہاں پیچھا چھوڑتی ہے آہستہ آہستہ یہ گھٹن کم ہوتی گئی۔ میں ماحول کا عادی ہونے لگا۔ ماں اور بہن کے لئے صرف دل سے دعا نکلتی تھی کہ خدا انہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے اس کے علاوہ ان کے لئے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ اب تو ان کا خیال بھی اتنا بے چین نہیں کرتا تھا۔

یہاں عجیب عجیب کہانیاں تھیں' قسم قسم کے لوگ تھے۔ سب خود کر اس ماحول میں رنگ چکے تھے۔ ایک شخص بہت دلچسپ تھا لوگ اسے ماسٹر کے نام سے پکارتے تھے۔ مجھ سے کافی بے تکلف ہو گیا تھا ویسے اس کا طرز گفتگو عام قیدیوں کی نسبت شریفانہ تھا۔ ایک دن اس سے باتیں ہوئیں۔

"میاں پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔ کتنی تعلیم حاصل کی ہے؟"

"انٹر کیا ہے' ماسٹر۔"

"میاں درجے بتاؤ درجے۔ یہ انٹر ونٹر اپنی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ مڈل تو آٹھویں درجے کو کہتے ہیں۔ انٹر کونسا درجہ ہوتا ہے؟"

"بارہویں کو کہتے ہیں۔"

"واہ' واہ! پڑھ لکھ کر جیل آئے ہو! شاباش' شاباش' جیل ہی آنا تھا تو پڑھنے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کوئی دھندہ وندہ جانتے ہو؟"

"ہاں۔ ڈرائیونگ جانتا ہوں۔"

"باپ کے برابر ہوں تمہارے۔ مذاق اچھا نہیں لگتا۔"

"میں نے مذاق تو نہیں کیا۔"

"میں دھندے کی بات کر رہا ہوں۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا۔"

"بیکار ہو تب' اس دنیا کے لئے۔ یہاں شراب بنانا سیکھو۔ جیب تراشی کے ہنر میں مہارت حاصل کرو۔ ہمیں دیکھو' معشوق کی آنکھوں سے کاجل غائب کر دیں۔ اول درجے کی شراب ہم بنا لیں۔ مضبوط سے مضبوط تجوری ہمارے آگے موم۔ کیسی ہی دیوار ہو ہمارے لئے راستہ موجود۔ دروازے بند کے بند اور ہم اندر۔ اسی لئے تو ہمیں ماسٹر کا لقب ملا ہے جیسے ماسٹر لاک یا ماسٹر کی۔"

"واقعی آپ تو بڑی خوبیوں کے مالک ہیں ماسٹر!" میں حیرت سے اس کی شکل دیکھتے ہوئے بولا۔

"شاگرد بن جاؤ ہمارے۔ کچھ لے لو۔ کما کھاؤ گے۔ نکالو پیلا ہاتھی۔"

میں نے ہنستے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ یہاں میں نے سگریٹ شروع کر دی تھی۔ پہلے تو مفت کی ملی اور عادت پڑ گئی پھر میں خود خریدنے لگا۔ کام کرنے کی جو تھوڑی بہت اجرت ملتی تھی' اس میں صرف سگریٹ کا خرچ فالتو تھا۔ باقی ضرورت کی چیزیں جیسے صابن' تیل وغیرہ خرید لیتا تھا۔ تھوڑی رقم پس انداز بھی کر لیتا تھا۔ پیکٹ جیب میں موجود نہیں تھا۔

"یہ لو اپنا پیکٹ چھ سگریٹیں ہیں اس میں۔ ماسٹر نے سگریٹ کا پیکٹ واپس کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک ہلکا سا نمونہ ہے۔"

"واقعی ماسٹر آپ لاجواب ہیں۔ لیکن یہاں کیسے آ گئے؟" میں نے ان کی سگریٹ سلگاتے ہوئے اپنی سگریٹ بھی جلا لی۔

"لگائی۔ خدا کی قسم لگائی۔ سوبرن لگائی کے چکر میں پھنس گئے۔ پوری زندگی عشق نہ کیا کسی سے۔ اس عمر میں شامت آ گئی۔ ہزاروں روپے کھلا دیئے۔ خوب کھائے حرافہ نے۔ پر جب اس سے کہا عزیزن دو بول پڑھوالو۔ گھر بسائیں۔ شریف آدمی ہیں۔ ابھی عمر ہے نسل بڑھائیں گے۔ کوئی نام وغیرہ تو ہو گا اور گزر گئے چار چھ سال تو تمہاری لونڈیا محلہ جھانکے گی' تو کہنے لگی پندرہ ہزار لاؤ۔ میاں روپیہ تو ہاتھ کا میل ہوتا ہے لیکن ہمیں تو اس کی کمینگی پر غصہ آیا۔ ہم نے کہا کوڑی نہ دیں گے اور ناک الگ کاٹ لیں گے تمہاری۔ مگر میاں عورت کا چکر! اللہ بچائے۔ لونڈیا کو کہیں بھگا دیا اور نام ہمارا لگا دیا اور پھر سرکار نے برآمد بھی کرا لیا۔ ہمارے پاس سے۔ بدذات نے عدالت میں بیان دے دیا کہ

ماسٹر ناک پر رومال رکھ کر لے گئے تھے۔ تو میاں اغوا اور حبس بے جا کے الزام میں آ گئے یہاں۔ پر ناک تو ضرور کاٹیں گے اس عزیزن کی۔ بچا جائے ہم سے تو ہم جانیں۔" ماسٹر نے سگریٹ کے لمبے لمبے کش لئے۔

میری ہنسی نہیں رک رہی تھی لیکن آدمی تھا استاد بننے کے قابل' تو اس دن سے میں اس کا شاگرد بن گیا۔

میری سرشت دوسری تھی۔ برے کاموں سے مجھے اب بھی نفرت تھی مگر یہ معاشرہ' یہ ماحول کچھ اور کہتا تھا۔ بے گناہ آسانی سے پھنس جاتے ہیں۔ بدکرداروں کا بال بیکا نہیں ہوتا۔ خودداری' غیرت مندی' وطن پرستی یہ سب خوبصورت افسانے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ میرے دل میں یہ خیالات گھر کر گئے تھے نیکی اور بدی کی کشاکش میں نیکی ہمیشہ زیر نظر آئی۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا تھا' میرے باپ کے ساتھ نہیں ہوا تھا نہ کبھی پولیس آئی نہ کوئی افتاد پڑی۔ اگر میں بھی سیٹھ جبار کی بات مان لیتا اور طارق کے ساتھ خاموشی سے کام کرتا رہتا تو شاید آج بقول طارق کسی خوبصورت سے مکان میں رہنے کے قابل ہو جاتا اور فریدہ کسی اونچے گھرانے کی بہو بن جاتی۔ ہم لوگ بھی شریف اور خاندانی.... کہلاتے۔ دنیا یہ جاننے کی کوشش کبھی نہیں کرتی کہ ہمارا ماضی کیا ہے؟

سات ماہ کے اندر میں نے جیب تراشی' شراب بنانے کی ترکیبیں اور نقب زنی کے بہترین گر سیکھ لئے۔ یہ محض شوقیہ تھا۔ ورنہ ان چیزوں سے کوئی فائدہ اٹھانے کا تصور تک میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ قیدیوں کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی ہوتی رہتی تھی۔ ماسٹر کو کہیں اور بھیج دیا گیا۔ میری بیرک بھی تبدیل ہو گئی اور ڈیوٹی بھی۔ کبھی جھاڑو لگائی کبھی کچھ اور کیا۔ ایک بار پھر مالی کے کام پر لگا دیا گیا۔ میرے ذہن میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں' امی اور فریدہ اب ایک کسک سی بن کر رہ گئی تھیں لیکن کبھی یاد آتی تو آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ سوچتا کہ جانے ان پر کیا گزر رہی ہو گی۔ لیکن پھر خیال آتا کہ ننھے منے معصوم بچے بھی تو بے سہارا ہو جاتے ہیں۔ ان کا بھی خدا نگہبان ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ اس طرح پرورش پاتے ہیں کہ ان کے والدین بھی کیا کریں گے۔ ان دونوں کا بھی کوئی سہارا پیدا ہو گیا ہو گا۔

... کا کام ہمیشہ دو آدمی کرتے تھے۔ اس بار میرے ساتھ جس آدمی کو لگایا گیا۔ وہ ایک دبلا پتلا درمیانی عمر کا شخص تھا۔ چہرے پر چھوٹی سی کھچڑی داڑھی' پچکے ہوئے گال' چھوٹا سا قد' بڑی خاموش طبیعت کا مالک تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس کا ایک ہی ہاتھ تھا۔ دوسرا ہاتھ شانے کے پاس سے کٹا ہوا تھا.... میں نے مہندی کی باڑ کانٹتے کانٹتے دیکھا کہ وہ اپنے ایک ہاتھ سے.....بے تکان باڑ کی سخت ٹہنیاں کاٹ رہا ہے۔ مجھے اس پر ترس آ گیا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ رک گیا۔

"میں اپنا کام ختم کر چکا ہوں بابا۔ لاؤ قینچی مجھے دے دو۔"

"کیوں؟"

"میں کاٹ دوں گا۔ یہ کوئی احسان نہیں ہو گا۔ بس میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہارا کام کر دوں۔" میں نے کہا اور وہ سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ ایک عجیب سے خوف کا احساس میرے ذہن میں ابھرا۔ نہ جانے کیسی آنکھیں تھیں؟ لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کے ہونٹوں پر باریک سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ آرام کرو اور دیکھو کسی محنت کش کو کام کرتے دیکھو تو اس پر بالکل ترس نہ کھاؤ۔ یہ دوستی کا نہیں دشمنی کا ثبوت ہے۔ تم اس کی مدد کر کے اسے ناکارہ کر دو گے۔"

"لیکن یہ کام آپ کا نہیں ہے۔ آپ کے دوسرے ہاتھ کو تکلیف ہوتی ہو گی۔"

"میرے کٹے ہوئے ہاتھ کا یہ ٹکڑا پورے بدن میں سب سے زیادہ مضبوط ہے' سمجھے؟ بہت مضبوط ہے۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"منصور۔"

"کون سی بیرک میں ہو؟"

"آٹھ نمبر میں۔"

"میں تین نمبر میں ہوں اور میرا نام جلال ہے۔"

جلال بابا نے اپنا کام ختم کیا اور قینچی ایک طرف ڈال دی۔

"صبح کو ورزش کرتے ہو؟"

"بس وہی جو قیدیوں کو کرائی جاتی ہیں۔"

"سر کے بل کھڑے ہوا کرو۔ اس ورزش سے بہت فائدہ ہے۔ جب اس کی مشق کر لو گے تو خود بخود واقف ہو جاؤ گے۔"

بیرکوں میں جانے کا وقت آ گیا اور ہم دوسرے دن ملاقات کا وعدہ کر کے اپنی اپنی بیرک میں چلے گئے۔

میری بیرک میں ایک نو وارد کا اضافہ ہو چکا تھا۔ ایک قبائلی ڈاکو' رنگا جو کسی اور جیل سے یہاں منتقل کیا گیا تھا۔ دیو ہیکل اور ہیبت ناک۔ اس کے کئی جاننے والے تھے۔ جو اس کی خدمت میں مصروف تھے۔ کوئی پاؤں دبا رہا تھا کوئی شانے۔

میں اندر داخل ہوا تو اس نے محافظ سے کہا۔ "فالتو لوگ یہاں نہیں چلیں گے۔ اسے کہیں اور لے جاؤ' ورنہ میرا ذمہ نہیں۔"

"جیلر صاحب ہی فیصلہ کریں گے رنگا خان۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔" محافظ نے جواب دیا۔

رنگا نے نفرت سے ناک سکوڑی اور مجھ سے کہا۔ "چل بے ہاتھ دبا۔ آ جا۔" میں اسے دیکھنے لگا۔

"اونچا سنتا ہے ماں کے خصم۔" وہ چیخ کر بولا اور میرے بدن میں عجیب سی سنسناہٹ دوڑ گئی۔ گالی دینے پر ہی میں نے ایک شخص کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی تھی اب پھر مجھے ماں کی گالی دی گئی تھی۔

میں آہستہ آہستہ رنگا کی طرف بڑھا اور پھر میرے پاؤں کی ایک بھرپور ٹھوکر اس کے منہ پر پڑی۔ رنگا کی بھیانک چیخ نکل گئی اور وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہنگامہ برپا ہو گیا۔ رنگا کے چیلوں نے مجھ پر حملہ کر دیا اور میں دیوانگی کے عالم میں ان سے لڑنے لگا۔ ذرا سی دیر میں محافظ پہنچ گئے۔ انہوں نے قیدیوں کی بری طرح مار لگائی اور مجھ سے علیحدہ کیا۔ کئی بید میرے بدن پر بھی پڑے تھے۔ ویسے بھی میرے بدن اور چہرے پر کئی زخم آئے تھے۔ بہرحال وہ مجھے اس بیرک سے نکال لے گئے۔ محافظوں کو مجھ سے ہمدردی تھی کیونکہ رنگا ویسے ہی ناپسندیدہ اور خطرناک مجرم تھا۔

جیل کے ہسپتال سے مرہم پٹی کرائی گئی اور کوئی سزا نہیں دی گئی۔ صرف میری بیرک تبدیل کر دی گئی۔ اتفاق سے جلال بابا بھی اسی میں تھا۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور جلدی سے کھڑا ہو گا۔

"کوئی خاص بات نہیں بابا۔ جیل میں نیا پنچھی آیا ہے۔ رنگا نام ہے۔ کوئی اونچی شے ہے۔ اس نے مجھے گالی دی اور میں اس پر پل پڑا۔ لیکن اس کے ساتھی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ بہرحال اس بہانے آپ کے قریب آنے کا موقع مل گیا۔"

"تم نے مارا؟"

"کئی کے سر کھول دیئے۔ ایک لات رنگا کو بھی جما دی تھی۔"

"رنگا ہے کون؟"

"کوئی قبائلی ڈاکو ہے۔"

"کم ظرف ہو گا۔ ضرور کم ظرف ہو گا۔ صبح کو ٹھیک کر دیں گے۔ سب ٹھیک کر دیں گے۔ تم آرام کرو۔ کیا پیو گے۔؟"

"چائے ملے گی بابا؟"

"کیوں نہیں' بھائی غلام علی' او بھائی غلام علی! چائے کی حاجت ہے۔ پلاؤ گے؟" جلال بابا نے سامنے کھڑے ہوئے محافظ سے کہا۔ اس نے مسکرا کر گردن ہلا دی اور چلا گیا۔

"میٹھی زبان میں بڑی طاقت ہے۔ دشمن سے بھی میٹھی زبان بولو۔ دھوکے میں آ جائے گا۔ پھر خوب مارو۔ جتنا چاہے مارو۔ گر جائے تو چھوڑ دو۔ سمجھے؟ گر جائے تو چھوڑ دو۔"

"آپ کی باتوں میں بڑی گہرائی ہوتی ہے بابا۔"

"باہر نکلو گے تو کیا کرو گے؟"

"باہر نکلنے کا تصور تو ایک خوش آئند خواب کے سوا کچھ نہیں ہے بابا۔ ابھی تو ایک طویل عرصہ باقی ہے۔ میں نے باہر کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔" جلال بابا خاموش ہو گیا۔ محافظ نے چائے کے مگ سلاخوں کے اندر دے دیئے اور جلال بابا نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر ہم دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ چائے کے بعد اس نے مجھے سونے کی ہدایت کی۔ اور اس روز مجھے بھی سکون کی نیند آئی۔

صبح کو حسب معمول ہم حاضری دینے گئے تو رنگا بھی کھڑا تھا۔ بدمست ہاتھی کی طرح جھوم رہا تھا۔ جب اس کا نام پکارا گیا تو جلال بابا نے چونک کر اسے دیکھا حاضری ختم ہو گئی اور سب قیدی اپنے اپنے کام پر چلے گئے۔ ڈیوٹی رنگا کی بھی لگائی گئی تھی لیکن وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور اس کے ساتھی کام کرنے لگے۔ دفعتاً جلال اپنا کام چھوڑ کر رنگا کے سامنے پہنچ گیا۔ میں چونک پڑا۔

"میں تمہیں مارنا چاہتا ہوں۔" جلال بابا نے سپاٹ لہجے میں کہا اور رنگا تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے جھینگے؟ گرمی چڑھ گئی ہے کیا؟" وہ جلال بابا کو گھورتا ہوا بولا۔

"بدتمیزی نہیں۔ بدتمیزی نہیں۔" جلال بابا نے اس کے دونوں گالوں پر تھپڑ لگا دیئے۔ رنگا غصے میں۔ کھڑا ہو گیا۔

"او جھینگے۔ موت آئی ہے تیری۔" رنگا نے دانت پیس کر کہا اور گینڈے کی طرح لپکا لیکن جلال بابا نے اپنے اکلوتے ہاتھ کا گھونسہ اس کی ناک پر جڑ دیا۔ رنگا اچھل کر چاروں خانے چت گر پڑا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ چند ساعت وہ چت پڑا رہا۔ پھر جونہی اٹھنے لگا۔ جلال بابا نے زمین پر لوٹ لگائی اور دونوں ٹانگیں رنگا کی گردن میں ڈال کر قینچی بنائی پھر جو قلابازیاں کھائیں تو ہر قلابازی کے ساتھ رنگا کا بدن ہوا میں اچھلتا اور پورے وزن کے ساتھ زمین پر آ لگتا۔ اس کا سارا چہرہ لہولہان ہو گیا تھا۔ رنگا کے حواری منہ کھولے کھڑے تھے۔

"کیسے بودے آدمی کا دم بھرتے ہو۔ تم لوگ۔ یہ صرف ڈیل ڈول کا ہے۔ سمجھے' صرف دکھاوے کا۔ اس سے کہو کہ کھڑا ہو کر دکھائے۔" کوئی کچھ نہیں بولا اور جلال بابا خاموشی سے اپنے کام پر واپس آ گیا۔

محافظوں کو اس وقت ہنگامے کا پتہ نہ چلا اور جب معلوم ہوا تو ایک دلچسپ تماشا ہوا۔ رنگا کے ساتھی کہہ رہے تھے کہ اسے جلال بابا نے مارا ہے لیکن محافظ اسے تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ ایک ہاتھ کا منحنی اور مرنجان مرنج آدمی اپنے سے چار گنا طاقت ور دیو

قامت کو کس طرح اتنی بیدردی سے مار سکتا تھا؟ رنگا کے ساتھیوں کی ٹکٹکی سے باندھ پٹائی کی گئی لیکن ان کی زبان پر جلال بابا کا ہی نام تھا پر جلال بابا سے پوچھا گیا تو اس نے سامنہ بنا کر کہا۔

"ہمارا مذاق کیوں اڑا رہے ہو؟ بولو' کیوں اڑا رہے ہو؟ ہاتھی کے نیچے دب ہم مرنے جاتے!" اس کی سادگی سے کون کافر متاثر نہ ہوتا۔ البتہ رات کو جلال بابا خوش تھا۔

"خوش ہو نا؟ ہم نے تمہارا بدلہ لے لیا ہے سمجھے۔" رات اس نے بیرک کہا۔

"لیکن بابا..... آپ آپ..." میں صحیح طور سے حیرت کا اظہار بھی نہ کر سکا۔

"بے وقوف ہیں ہم جو بلاوجہ تم سے کہا تھا کہ سر کے بل کھڑے ہوا کرو۔ پہلی مشق ہے بنوٹ کی۔ ہم بنوٹ جانتے ہیں۔ سمجھے' بنوٹ!"

"صرف نام سنا ہے۔ میں آپ سے آپ کے بارے میں کچھ پوچھنے کی جرات نہیں کر سکتا لیکن خواہش ہے کہ کچھ جانوں۔"

"کیا کرو گے جان کر لیکن پوچھ رہے ہو تو سنو۔ راجپوتانہ کے ایک قصبے کے رہنے والے ہیں ہم۔ ہمارے والد بنوٹ جانتے تھے۔ انہوں نے ہمیں بنوٹ سکھا چارپائی کے نیچے مرغی چھوڑ دیتے تھے۔ مجال ہے نکل جائے۔ زد پر آئی اور ماری گئی مگر نہ سکی۔ یہ تھا ایک چھوٹے سے ڈنڈے کا کمال۔ پھر حالات خراب ہو گئے تو ہم نے پیشہ بنا لیا۔ بہت سارے لوگوں کو ہلاک کیا۔ ڈاکے بھی ڈالے پھر ہم نے شرافت کی زندگی گزارنے کی قسم کھا لی لیکن ہمارا ضمیر داغ دار تھا۔ وہ ہمیں چین سے نہیں بیٹھنے دے تھا۔ تب ہم نے ایک فیصلہ کیا۔ ہم نے سوچا کہ ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا مل جائے سکون مل جائے گا۔ ایک نوجوان نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اس نے اپنی بہن عزت بچانے کے لئے قتل کیا تھا۔ ہم نے وہ الزام اپنے سر لے لیا اور ہمیں سزا ہو گئی اب بڑے سکون سے ہیں ہم۔ شاید خدا ہمیں معاف کر دے۔ ورنہ ہم نے انسانیت بڑے ظلم کیے ہیں۔"

پہلی بار میں نے جلال بابا کے لہجے میں لرزش محسوس کی تھی۔ لیکن اس کی رو داد سن کر میں دم بخود رہ گیا۔ پہلی ملاقات میں' میں نے اسے قابل رحم سمجھ کر اس کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی پھر اس کے جوہر کھلے۔ لیکن یہ وہم و گمان میں بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ شخص اندر سے اتنا خطرناک ہو گا۔ تاہم اس کے تائب ہو جانے سے ممکن کہ اس کے گناہ دھل جاتے۔

"بنوٹ تو ہم تمہیں مکمل طور پر نہیں سکھا سکتے۔ اس کے لئے بڑی مشق

ضرورت ہے۔ لیکن اپنے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے چند ترکیبیں بتا دیں گے۔ ممکن ہے کبھی تمہارے کام آئیں۔" اس نے میرے مطلب کی بات کی۔

اس نے بڑی سادگی سے میری ذہنی تربیت شروع کر دی تھی۔ وہ کچھ ایسی طلسماتی قوتوں کا مالک تھا کہ جو بات کہتا ذہن کی گہرائیوں میں بیٹھ جاتی۔ میں اپنے اندر نمایاں تغیر محسوس کر رہا تھا۔ اس نے مجھے لڑنے کے کئی حربے' داؤ پیچ اور جسمانی کرتب سکھائے مثلاً معمولی سے رومال میں کوئی سکہ باندھ کر مقابل کے چھکے چھڑائے جا سکتے ہیں۔ یہ گویا نن چکو کی ایک شکل تھی۔ بعض داؤ پیچ اور پینترے ایسے تھے جن کی مدد سے اپنے دشمن کو باسانی زیر کیا جا سکتا تھا۔

ایک دن کہنے لگا۔ "اگر کبھی ہاتھی سے سامنا ہو جائے تو تم اسے گرا سکتے ہو۔ بولو کیسے۔ بولو کیسے؟"

"یہ تو آپ ہی بتا سکیں گے بابا۔"

"انسان خود اپنی ذات میں شہ زور اور کمزور ہے ممکن ہے تمہاری جسمانی قوت کسی گینڈے کی مانند ہو جائے۔ لیکن تمہارے بدن کی رگیں اتنی طاقت ور نہیں ہو سکیں گی۔ میں تمہیں رگوں کا کھیل سکھاؤں گا۔ بڑے بڑے' پہلوانوں کو باآسانی زیر کر سکو گے لیکن بیٹے یہ ساری چیزیں سکھانے کے ساتھ ساتھ میں ایک نصیحت بھی کروں گا۔ جہاں تک ہو سکے درگزر سے کام لینا۔ ہاں مجبوری دوسری چیز ہے۔"

پھر اس نے مجھے یہ کھیل بھی سکھانا شروع کر دیا۔ غضب کی بات تھی کہ میں اتنا کمزور انسان بھی نہیں ہوں لیکن اس نے ایک ہلکا ہاتھ مارا اور مجھے صبح تک ہوش نہیں آیا۔ ایک رگ دبائی اور جان نکل گئی۔ بڑی بات یہ کہ وہ کسی ماہر ڈاکٹر کی طرح ایک ایک رگ کی خاصیت اور اس کے عمل کی تفصیل بھی جانتا تھا۔

جلال بابا کے ساتھ میں نے سات ماہ گزارے۔ پھر مجھے جیل کے دوسرے حصے میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں قیدیوں کی ضرورت تھی۔ ایک چھوٹا سا بند تعمیر کیا جا رہا تھا۔ اس کے لئے مزدور درکار تھے۔ یہ عرصہ سب سے زیادہ تکلیف دہ گزرا۔ جلال بابا سے دور رہ کر بہت دکھ ہوا۔ کبھی کبھی بھولی بسری یادوں کی مانند امی اور فریدہ کا چہرہ نگاہوں میں گھوم جاتا۔ لیکن میں ان کے خیال کو ذہن سے جھٹک لیتا۔ یہ خیال مجھ پر جنون طاری کر دیتا تھا اور اس جنون کے تحت میں ساری زندگی جیل میں نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ اسے تو میں نے ایک مخصوص وقت کے لئے محفوظ کر رکھا تھا۔ وہ وقت جس سے میری آزادی مربوط تھی۔

اب میری شخصیت بالکل بدل چکی تھی۔ بات بات پر طیش نہیں آتا تھا۔ بلکہ ہر معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کرتا تھا۔ ہاتھ پاؤں فولاد ہو گئے تھے۔ جو کچھ کرنا چاہتا تھا اسے خاموشی سے کر گزرنے کا قائل ہو گیا تھا۔ بیشتر قانونی نکات سے واقفیت ہو گئی تھی۔

جیل میں ہر قسم کے لوگوں سے ملاقات ہونے سے جرائم کی نوعیت' ان کے طریقے اور نتائج سے بھی آگاہی ہو گئی تھی۔ ذہنی اعتبار سے اپنی عمر سے کئی گنا آگے بڑھ گیا تھا۔ اتنا کچھ جان کر اور جلال بابا سے اتنا کچھ سیکھ کر بھی میرے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میں نے کبھی جیل کے قواعد کی خلاف ورزی نہیں کی۔ کبھی بیگار لینے والے سینئر قیدیوں کی حکم عدولی نہیں کی۔ رنگا کے سوا کسی سے میرا کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔ ہر مشقت خندہ پیشانی سے جھیلی اور ہر ڈیوٹی تندہی سے انجام دی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ حالات میرے حق میں ساز گار تھے۔

ایک روز مجھے صبح صبح جیلر کے آفس میں طلب کیا گیا۔ جیلر کے پاس محافظوں کا انچارج بھی تھا۔

"کیسے ہو منصور؟" جیلر نے پوچھا۔

"جناب کی کرم نوازی ہے۔" میں نے ادب سے جواب دیا۔

"تمہیں یاد ہے کہ تمہاری سزا کی کتنی میعاد باقی ہے؟" اس نے نیم مسکراہٹ سے کہا۔

"آزادی کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے صاحب۔" میں نے بجھے دل سے کہا۔

"خدا کی ذات سے مایوس ہو گئے ہو؟"

"نہیں۔ لیکن زندگی اس چار دیواری کی عادی ہو گئی ہے۔"

"باہر کی دنیا میں تمہارا کوئی نہیں ہے؟"

"نہیں صاحب۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔

"واقعی نہیں جانتے کہ تمہاری سزا میں کتنا عرصہ رہ گیا ہے؟"

"عرض کیا نا صاحب' ماحول نے کچھ یاد رکھنے نہیں دیا ہے۔"

"تمہارے لئے خوشخبری ہے۔ اچھے اخلاق عمدہ کارکردگی اور جیل کے انچارج صاحب کی سفارش پر تمہاری باقی سزا معاف کر دی گئی ہے۔ میری رپورٹ اوپر سے منظور ہو گئی ہے۔"

میرا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا کیا یہ ممکن تھا؟ میرے کان مجھے دھوکا تو نہیں دے رہے..... کیا میں درحقیقت جیلر کے آفس میں تھا یا بیرک میں پڑا خواب دیکھ رہا تھا؟

"کیوں تمہیں یہ سن کر خوشی نہیں ہوں۔" جیلر کے الفاظ کانوں میں پڑے تو میں چونک پڑا۔

"ہاں۔ ہاں..... خوشی..... ب..... ب..... بہت خوشی ہوئی ہے صاحب۔" میں بوکھلا گیا پھر سنبھل کر ادب سے کہا۔ "میری خوش قسمتی اور آپ لوگوں کی نوازش ہے

جناب۔ بہت بڑا احسان ہے مجھ پر اور میری... بیوہ ماں اور بہن پر....." میرا گلا رندھ گیا۔ آنکھیں بھر آئیں۔

"کل صبح نو بجے تم آزاد شہری ہو گے۔ اب تم جا سکتے ہو۔" جیلر نے کہا اور میں دونوں کو سلام کر کے آفس سے نکلا۔ میرے قدم زمین پر ٹکتے نہیں تھے۔ ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ خود کو اتنا ہلکا پھلکا پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ نہ جانے کس طرح اپنے کام کی جگہ پہنچا۔

سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو یہ خبر سنائی۔ ہو سکتا ہے کچھ لوگوں کو رشک ہوا ہو لیکن بظاہر سب خوش ہوئے۔ مجھے خوب خوب مبارکباد دی۔ اس روز کام بھی میں نے خوب ڈٹ کر کیا۔ ذرا بھی نہ ستایا جیل میں میری محنت مشقت کا آخری دن تھا۔ اس لئے میں لمحے لمحے کا حق ادا کرنا چاہتا تھا۔

پہلے رات کا انتظار رہا کرتا تھا اب رات آئی تو صبح کی طلب تھی۔ پلک جھپکنا محال تھا۔ یہ رات بھی بھلا سونے کی رات تھی؟ طبیعت کے ٹھہراؤ کے باوجود جذبات پر قابو نہ تھا۔

خدا خدا کر کے میری آزادی کی سحر طلوع ہوئی اور میرے اضطراب میں کمی آئی۔ اس روز حوائج اور ناشتے سے فارغ ہوا تو مجھے مشقت پر نہیں بھیجا گیا۔ سارے قیدی چلے گئے اور میں بیرک میں تنہا رہ گیا۔

ساڑھے آٹھ بجے مجھے جیلر کے آفس میں بلوایا گیا۔ ایک رجسٹر پر میرے دستخط لئے گئے اور آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں تھما دیا گیا۔ جیلر کے اشارے پر ایک اردلی نے آگے بڑھ کر مجھے شلوار قمیض اور چپل دی اور دوسرے کمرے میں جا کر جیل کا لباس اتارنے اور ان کپڑوں کو پہننے کو کہا۔ میں لباس تبدیل کر کے آیا تو جیلر نے مجھے دو سو روپے کام کے معاوضے کے اور سو روپے اوپر سے دیئے۔ پھر اس نے بڑے پتاک سے مصافحہ کیا اور کامیابی و خوشحالی کی دعائیں دے کر رخصت کیا۔

میں شدت جذبات سے کچھ نہ کہہ سکا۔ صرف نمناک آنکھوں سے اس کے خلوص کا شکریہ ادا کر سکا۔ جیل کے پھاٹک سے نکل کر میں کئی لمحے گم صم کھڑا رہا جیسے قید نے مجھ سے آزادی سے ہمکنار ہونے کی صلاحیت چھین لی تھی۔

باہر کی دنیا یوں لگی جیسے اسے آسمان سے دیکھ رہا ہوں۔ انوکھی اجنبی۔ یہ میری دنیا تو نہیں معلوم ہوتی تھی۔ میں نے ایک ایک چیز کو ذہن میں دہرایا۔ اس دنیا کی یادوں کو تازہ کیا اور جب دل سنبھلا تو ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی روکی' ڈرائیور کو اپنے محلے کا پتہ دیا اور ٹیکسی چل پڑی۔

اپنی گلی کے کونے پر میں نے ٹیکسی رکوائی۔ کرایہ دینے کے لئے میں نے سو کا

نوٹ ٹیکسی والے سے بھنایا اور اسے دو روپے ٹپ دی۔ وہ چلا گیا تو میں گلی میں داخل ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے پہلے کی طرح گھوم پھر کر گھر لوٹ رہا ہوں۔ سب کچھ اسی طرح تھا صرف دو ایک نئی دکانوں کا اضافہ ہوا تھا۔ یا لکڑی کے ٹال کی جگہ نیا مکان بن گیا تھا۔ وہ ہوٹل تھا اور پان کی دکان بھی وہی تھی۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ صرف میں بدل گیا تھا میں سر جھکائے تیز تیز قدموں سے چلتا رہا۔ میری طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ شاید کسی میرے اس طرح آنے کی توقع نہیں تھی یا لوگ مجھے بھول گئے تھے۔

ہمارا مکان جوں کا توں تھا۔ صرف دروازے کا پردہ بدل گیا تھا میں نے دھکا دیا دونوں پٹ کھل گئے۔ اور میں اندر داخل ہو گیا..... میری متلاشی نگاہیں یکبارگی ٹھہر گئیں۔ قدم زمین سے چپک گئے۔ کچا صحن جہاں ہم گرمیوں میں سوتے تھے' اب سیمنٹ سے پختہ تھا۔ اس پر فرشی دری بچھی ہوئی تھی اور کئی آدمی بیٹھے جوا کھیل رہے تھے۔ چرس بھرے سگریٹوں کے کش پہ کش لگائے جا رہے تھے۔

"یہ چھکا۔" ایک پر جوش نعرہ بلند ہوا اور شور مچ گیا۔

"ابے یہ کون ہے؟" ایک آدمی نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔

"کھیلنے آیا ہو گا یار۔" دوسرا بولا۔ "آ جا استاد' کتنا مال لایا ہے۔" اس نے مجھے آگے آنے کا اشارا کیا۔

میں ساکت کھڑا ان کی طرف دیکھتا رہا۔ جیسے گونگا بہرہ ہو گیا تھا۔ یہ میرا گھر تھا باہر سے تو میرا ہی لگتا تھا۔ اس میں رہنے والے کیوں بدل گئے؟ امی اور فریدہ کہاں ہیں؟

"کچھ چاہیئے بھائی؟ فقیروں کی طرح کیوں کھڑا ہے؟" ایک تیسرے آدمی نے جو کھیل میں شریک نہیں تھا۔

"کچھ عرصے پہلے یہاں کچھ اور لوگ رہتے تھے۔ ایک معمر عورت اور اس کی بیٹی۔ کیا تم لوگ بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں گئے؟"

"کچھ عرصہ پہلے؟ ابے غلط جگہ گھس آیا ہے کوئی اور گھر ہو گا۔ شاباش' حلاش کرو۔"

"ساڑھے تین سال سے تو ہم لوگ یہاں رہ رہے ہیں یہ تو فیروز دادا کا اڈا ہے جانو! فیروز دادا کا اڈا۔" ایک کھلاڑی نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

"ابے سی آئی ڈی والا نہ ہو۔" ایک شخص اچانک بولا اور کھلاڑیوں کے ہاتھ رک گئے۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ میرے ذہن میں پن چکی چل رہی تھی۔ امی فریدہ۔ فریدہ' امی کہاں چلی گئیں وہ؟ معاً فیضان کا نام میرے ذہن میں گونج گیا اور میں باہر کی طرف لپکا۔

فیضان کے مکان پر دستک دی تو اندر سے نانی کی آواز سنائی دی۔

"آ رہی ہوں۔ دروازہ مت توڑو۔" دروازہ کھلا اور نانی نے ایک برتن آگے کر دیا۔ "ڈیڑھ پاؤ دے دے۔"

"سلام نانی۔" میں نے کہا اور نانی نے جلدی سے برتن پیچھے کر لیا۔

"اے توبہ۔ میں سمجھی دودھ والا ہے۔ کیا بات ہے بیٹا! کون ہو تم؟"

"فیضان گھر میں ہے نانی؟ میں..... میں منصور ہوں۔" میں نے کہا۔

"کون منصور؟ کیا کام ہے فیضان سے؟"

"احمد علی کا بیٹا منصور۔ نانی آپ فیضان....." میری بات پوری ہونے سے پہلے نانی نے دروازہ کھٹ سے بند کر دیا۔ اندر سے ان کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"اری سنتی ہے۔ وہ آ گیا۔ پھر آ گیا موا....."

"کون اماں؟ کون؟" فیضان کی ماں کہہ رہی تھی۔

"احمد علی کا لونڈا۔ وہ بدمعاش۔ دروازے پر کھڑا ہے۔" نانی نے بتایا۔ دروازہ کھلا اور فیضان کی ماں نے جھانکا۔

"ارے منصور میاں! آؤ' آؤ۔ اللہ توبہ۔ کس قدر بدل گئے ہو! آؤ اندر آ جاؤ۔ تمہاری امی اور فریدہ کیسی ہیں؟" فیضان کی ماں کے خلوص میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ نانی دالان میں کھڑی چلا رہی تھیں۔

"گھسیٹ لے۔ گھسیٹ لے گھر میں۔ پھر سر پر ہاتھ رکھ کر روئے گی۔"

"اونہہ! آپ تو سدا کی عجیب ہیں اماں۔ آؤ بیٹے۔ تم اندر آ کر بیٹھو۔" فیضان کی ماں بولیں۔

"شاید میں اب اس قابل نہیں رہا ہوں۔ خالہ جان۔ فیضان کہاں ہے؟"

"دوبئی چلا گیا ہے وہ تو۔ چار سال ہو گئے ہیں۔ ہاں وہ تمہاری امی....."

"انھی کے بارے میں تو آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔" میں نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ! تو کیا تم ان کے ساتھ نہیں رہتے؟"

"نہیں۔ میں تو جیل میں تھا۔ آج ہی رہا ہوا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

نانی جلدی سے اندر گھس گئیں۔ "بھگت اب بھگت خوش اخلاقی کو۔" فیضان کی ماں چند لمحے کھوئی کھوئی رہیں پھر بولیں۔

"منصور بیٹے۔ ہمیں ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ ہم نے تو دو سال کے لئے یہ مکان چھوڑ دیا تھا۔ فیضان کے ابا بیمار پڑ گئے تھے۔ ہم انہیں لے کر باہر چلے گئے اور دو سال تک باہر رہے۔ فیضان وہیں سے دوبئی چلا گیا۔ یہاں آئے تو ماحول ہی بدلا ہوا تھا۔

تمہارا گھر اب تو اس محلے کا بدنام ترین گھر ہے۔"

"کبھی ان دونوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا' خالہ جان؟"

"کبھی نہیں۔"

"اچھا شکریہ۔" میں نے گلوگیر آواز میں کہا اور جانے کے لئے مڑا۔

"منصور۔ کچھ چائے' شربت....." فیضان کی ماں نے کہا۔

"مرجائے تو اللہ ماری۔ چل رے !" نانی جان اندر سے بولیں اور میں حسرت سے فیضان کی ماں کو دیکھ کر باہر نکل آیا۔

بڑا ویران ہو گیا تھا دل۔ کسی کونے میں منہ چھپا کر رونے کو جی چاہ رہا تھا۔ میں قدم گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا' اسی طرح چلتے ہوئے بے اختیار پان کی دکان پر رک گیا۔ اس وقت گاہک نہیں تھے۔

"کیا چاہئے۔" پنواڑی نے سر اٹھائے بغیر پان لگاتے ہوئے کہا۔

"میں منصور ہوں احمد علی کا بیٹا۔ میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟" میں نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

"مم..... منصور۔" پنواڑی اچھل پڑا۔

"ہاں منصور۔ اپنی ماں اور بہن کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" میں نے اسی لہجے میں کہا۔

"ہمیں۔۔۔۔ ہمیں کیا معلوم ! وہ دونوں تو یہاں سی چلی گئیں۔" پنواڑی کی آواز کانپ رہی تھی۔

معاً مجھے خیال آیا کہ یوں رسوا ہونے سے کیا فائدہ؟ اگر اس محلے میں ہوتیں تو کم از کم فیضان کی ماں کو ضرور علم ہوتا۔ کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہیئے۔ میں گلی سے نکل آیا۔ اور اب میرا رخ پولیس اسٹیشن کی طرف تھا۔ پولیس اسٹیشن میں بھی کافی تبدیلی آ گئی تھی انچارج بھی بدل گیا تھا۔ اس نے مجھے بغور دیکھا۔

"میرا نام منصور ہے جناب۔ مجھے ایک الزام میں پانچ سال کی سزا ہو گئی تھی۔ واپس آیا تو میری ماں اور بہن لاپتہ ہیں۔ کوئی ان کا پتہ نہیں بتاتا ہے۔ کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں؟"

"یقین کرو۔ وہ میرے ہاں نہیں ہیں۔ ویسے بے سہارا لوگ غلط جگہوں پر بھی پہنچ جاتے ہیں تم باقاعدہ رپورٹ درج کرا دو اور انھیں ڈھونڈنے کی خود بھی کوشش کرو۔"

انسپکٹر نے شگفتہ مزاجی کا مظاہرہ کیا اور میں کھول کر رہ گیا۔

میں وہاں سے اٹھا تو دماغ چیخ رہا تھا۔ سارے جسم میں جیسے شعلے سے دوڑ رہے تھے۔ حالات مجھے اس زندگی کی جانب دھکیل رہے تھے جسے میں اپنانا نہیں چاہتا تھا۔ جیل

میں پانچ سال ہر قسم کے مجرموں کے درمیان رہ کر میں ذہنی طور پر جرم نہیں بن سکا تھا۔ لیکن جیل سے باہر شریفوں کی دنیا مجھے احساس دلا رہی تھی کہ میں پانچ سال ایک مجرم کی طرح گزار آیا ہوں۔ اس لئے مجھ میں مجرموں کے عادات و اطوار پیدا ہونے چاہئیں۔ میرے ذہن میں ایک طوفان اٹھ رہا تھا کہ کچھ کرو کچھ کر گزرو۔

اسی طوفانی دباؤ میں' میں نے دوبارہ اپنے محلے کا رخ کیا' اور ایک بار پھر اپنے مکان کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ لیکن اب میری آمد کی اطلاع پڑوسیوں کو ہو گئی تھی۔ قریبی گھروں کے دروازے کھل گئے تھے۔ میں نے اپنے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ اس بار دروازہ بند تھا اور چند ساعت بعد کھل گیا۔ اندر وہی لوگ تھے جنہیں میں دیکھ گیا تھا۔

"تم پھر آ گئے۔" دروازہ کھولنے والے نے کہا اور میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ میں نے اسے ایک زور دار جھٹکا دیا اور وہ گلی میں آ پڑا۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ اتنے میں اندر سے سارے غنڈے باہر نکل آئے۔ میں نے کمر سے بندھی ہوئی بیلٹ کھول لی جس کے آگے لوہے کا کنڈہ لگا ہوا تھا۔ ان کی پیش قدمی کا انتظار بھی نہیں کیا اور ان پر پل پڑا۔ اتنی پھرتی سے ان پر حملہ کیا تھا کہ وہ سنبھل بھی نہ پائے۔ مار مار کر ان کی شکلیں بگاڑ دیں۔ انہوں نے بڑی کوشش کی کہ مجھے زیر کریں۔ لیکن اب میں مار کھانے والوں میں سے نہیں بلکہ مارنے والوں میں سے تھا۔ انہیں جانوروں کی طرح پیٹ رہا تھا۔ جلال بابا کے سکھائے ہوئے گر اور پینترے کام آ رہے تھے۔ تمام محلہ جمع ہو چکا تھا۔ لیکن سب خاموش تھے۔ کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"مکان اسی وقت خالی کر دو۔ اپنا سامان اٹھا کر لے جاؤ ورنہ میں باہر پھینک دوں گا۔" سامان تھا ہی کتنا؟ دو تین دریاں' کونوں میں تہ کئے ہوئے دو چار بستر' دو صراحیاں' پانی کے دو جگ اور کوئی درجن بھر اسٹیل کے گلاس' چار ٹیبل فین' ایک جھاڑو' دو ایک تولیئے' بس یہی تھی ساری کائنات' اس مکان کی جو میرے وقتوں میں کبھی بھرا پڑا تھا لیکن یہ مکان کہاں رہ گیا تھا؟ یہ تو جوئے اور منشیات کا اڈا بن چکا تھا! یہاں گھر گرہستی کے سامان کی کیا ضرورت تھی؟

خالی مکان میرا منہ چڑا رہا تھا۔ باورچی خانے میں مہینوں کا کوڑا کرکٹ نظر آ رہا تھا۔ کمروں کی دیواریں گندی تھیں اور جگہ جگہ سے پلستر اکھڑا ہوا تھا۔ کونوں میں پان کی پچکاریوں کے نشان تھے۔ کوئی چیز بھی پہلے جیسی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میری آنکھوں میں نمی آ گئی۔ ایک ایک دیوار' ایک ایک کونے سے امی اور فریدہ کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔ ان کے نقوش کہاں کہاں نمایاں نہیں لگ رہے تھے؟ چاروں طرف ان کے سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی اور ہر قدم پر ان کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد میں گردوپیش کا جائزہ لینے کے لئے باہر نکلا تو دیکھا کہ فیروز اپنے چار گرگوں کے ساتھ اسی طرف آ رہا تھا۔ میں کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر انہیں دیکھنے لگا۔ محلے والوں کو گویا ایک تفریح ہاتھ آ گئی تھی۔ عورتیں دروازوں کی اوٹ سے جھانک رہی تھیں اور مرد ٹولیوں میں بٹے ادھر ادھر کھڑے تھے۔ فیروز کچھ موٹا اور بھدا ہو گیا تھا۔ اس کی شکل پر پہلے سے زیادہ لعنت برس رہی تھی۔

"منصور میاں۔" اس نے قریب آ کر کہا۔ "بدمعاش بن کر آئے ہو جیل سے۔ لیکن ہم میں اور تم میں فرق ہے۔ بیٹے! تم ابھی نئے نئے بدمعاش بنے ہو اور ہم بہت کھائے کھیلے ہیں۔ تم نے ہمارے آدمیوں کو مارا ہے اور مکان پر قبضہ بھی کر لیا کیوں؟" میں خاموشی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا رہا۔

"بدمعاش بننا ہے تو پہلے کسی استاد کی شاگردی اختیار کرو۔ پھر ہم تمہیں بھی بدمعاش مان لیں گے۔ یہ مکان بھی تمہیں واپس کر دیں گے۔ بولو کیا جواب ہے؟"

"میری ماں اور بہن کہاں ہیں فیروز؟ تم نے اس مکان پر کس طرح قبضہ کیا؟ وہ دونوں کہاں چلی گئیں؟" میں نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ "ہمیں نہیں معلوم وہ کہاں چلی گئیں؟ اور ہمارے پاس زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔" فیرز نے رعونت سے کہا تو میں آگے بڑھا لیکن فوراً اس کے چار گرگے سامنے آ گئے۔ اور انہوں نے چاقو کھول لیے۔

ایک بار پھر مجھے بیلٹ کھولنا پڑی۔ اس بیلٹ سے میں جلال بابا کے بتائے ہوئے اس رومال کا کام لے رہا تھا جس کے سرے پر سکہ باندھا جاتا ہے۔ میں نے بیلٹ کو تیزی سے گھمانا شروع کیا تو ایک کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ کر دور جا گرا۔ دوسرے کی کلائی پر چوٹ آئی اور وہ اسے پکڑ کر رہ گیا۔ ایک کی ناک زد میں آئی اور خون کا پرنالہ بہہ نکلا۔ وہ زمین پر گرا اور لوٹنے لگا۔ چوتھے نے خود ہی چاقو پھینک دیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ فیروز نو دو گیارہ ہونے ہی والا تھا کہ میں نے پیچھے سے اس کی گردن دبوچ لی اس نے نیفے سے کٹار چاقو نکال لیا۔ میں اتنے قریب سے بیلٹ گھما نہیں سکتا تھا اور یہی فیروز کے ذہن میں بھی آیا ہو گا' لیکن اب میں نے جلال بابا کا سکھایا ہوا دوسرا حربہ استعمال کیا اور جھکائی دے کر اس کی تھوڑی کے نیچے گھونسہ جما دیا۔ وہ لڑکھڑایا لیکن اس نے چاقو نہیں چھوڑا۔ میں نے ایک فلائنگ کک اس کے سینے پر لگائی اور وہ تیورا کر گر پڑا۔

"تم تو پرانے بدمعاش ہو فیروز۔ استاد ہو۔ کیوں؟ آؤ آج میں تمہیں کچھ اناڑی ہاتھ دکھاؤں۔" میں نے کہا اور زمین پر لیٹ کر اس کی گردن میں ٹانگوں سے قینچی ڈال دی۔ بیلٹ میں نے سنبھال رکھا تھا' تاکہ کوئی دوسرا اس کی مدد کو آگے بڑھے تو اسے روک رکھوں۔

میں نے پوری طاقت سے قینچی کس دی اور فیروز کی گھگی بندھ گئی اور چہرہ متغیر ہو گیا اور آنکھیں ابلنے لگیں۔ چاقو پر ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور مچلنے لگا۔

"بولو اب اس مکان کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے بھی دیکھو گے؟ مجھ پر اپنی بدمعاشی کا رعب جماؤ گے؟"

"نہیں۔" فیروز کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی۔ میں اسے چھوڑ کر کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے میں ایک باریش بزرگ آگے بڑھے اور میں نے انہیں پہچان لیا۔ یہ دادا جان تھے۔ علی بخش کے دادا اور جگت دادا جان۔

"دادا جان' میری امی کہاں ہیں۔ فریدہ' میری بہن کہاں ہے؟ آپ کی موجودگی میں اس گھر کا یہ حشر کیوں ہوا؟"

"اللہ گواہ ہے بیٹے' تمہاری ماں اور بہن کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ اچانک ایک دن وہ دونوں غائب ہو گئیں۔ ویسے تمہاری گرفتاری کے بعد ان کے خلاف ایک نفرت کی فضا قائم ہو گئی تھی۔ کوئی ان سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ سب نے بائیکاٹ کر دیا تھا اور خود ہی سوچو۔ قصور پڑوسیوں کا نہیں تھا۔ برائی سے سب نفرت کرتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد فیروز نے تمہارے مکان پر قبضہ کر لیا۔"

"کتنے بے حس ہو تم لوگ! انسانیت سے کتنے عاری ہو! ان بے سہارا عورتوں کا سہارا بنا جا سکتا تھا جو بہرصورت مجرم نہیں تھیں۔ اگر وہ مجرم ہوتیں تو سزا بھی ان کو ہی ملتی۔ لیکن قانون نے نہیں تم نے انہیں سزا دی۔ ہم نے تمہارے درمیان ایک اچھی زندگی گزاری تھی۔ دادا جان آپ' غفور ماموں آپ' کلن بھائی آپ' کیا ہم آپ سب کی نگاہوں میں اتنے ہی برے تھے؟ باپ کی موت کے بعد' میں تو نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھا اور چاہتا تھا کہ مجھے اپنی ماں اور بہن کی پرورش کے لئے کوئی ایسی ملازمت مل جائے کہ میں عزت سے اپنے فرائض پورے کرتا رہوں۔ لیکن کچھ لوگوں کو ہماری یہ شرافت کی زندگی پسند نہیں آئی تھی۔ خدا کی قسم دادا جان' جس دن ہمارے گھر سے چرس برآمد ہوئی تھی' اس سے ایک رات قبل ایک چور ہمارے گھر میں گھسا تھا لیکن وہ کچھ نہیں لے گیا اور ہم نے یہی سوچا کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ ہمارا خیال غلط تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ ہمارے گھر میں چرس رکھوائی گئی تھی۔ جن لوگوں نے یہ سب کچھ کیا تھا' میں انہیں بخوبی جانتا ہوں۔ ان ہی کی بدولت بلاخر جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا گیا۔ اور اب۔ اب آپ سب کان کھول کر سن لیں کہ میں آپ لوگوں سے نفرت کرتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ نفرت کہاں تک پہنچے گی۔ اپنی حفاظت کی فکر کیجئے۔" میں پلٹا اور مکان میں چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں میرے گھر میں چارپائی' بستر' کھانے کے برتن اور ضرورت کا

چھوٹا موٹا بہت سا سامان پہنچ گیا۔ میں نے فیروز کو اس بری طرح مارا تھا کہ لوگوں کا خیال تھا کہ شاید اب وہ اس طرف کا رخ بھی نہیں کرے گا۔ وہ فیروز کی اس مرمت سے بہت خوش ہوئے تھے۔ شام کو کچھ لوگ آئے ان میں کچھ نئے چہرے بھی تھے جو ہمارے بعد اس محلے میں آکر آباد ہوئے تھے۔ انہوں نے میری دلجوئی کی اور ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ امی اور فریدہ کو تلاش کے لئے خود بھی کوشاں رہیں گے۔ شکریے کے الفاظ میرے منہ سے ادا نہیں ہو رہے تھے چونکہ یہ الفاظ شرافت کی نشاندہی کرتے تھے اور اب شرافت کا تصور میری نگاہوں میں مضحکہ خیز ہو گیا تھا۔

پڑوسیوں کے جانے کے بعد بے کلی نے پھر آن لیا۔ کسی پل قرار نہیں آتا تھا۔ اگر اس مکان میں لوٹ کر نہ آتا تو امی اور فریدہ کا خیال شاید اتنے کچوکے نہ لگاتا۔ ذہن پر اتنے تازیانے نہ برستے' اب اگلا قدم کیا ہو گا؟ ان کی تلاش میں پولیس کی طرف سے ناکامی کے بعد اب کس سے مدد طلب کروں؟ کہاں کا رخ کروں؟

انھی سوچوں میں غلطاں گھر سے باہر نکل آیا۔ یونہی آوارہ گردی کرتا رہا۔ جس دنیا کو پانچ سال قبل میں نے چھوڑا تھا' وہ آج بھی جوں کی توں موجود تھی۔ بھٹکتے بھٹکتے اچانک ذہن میں ایک طوفان اٹھا۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ سیٹھ جبار کی وجہ سے نہیں؟ کیا اس نے میرا سب کچھ چھین نہیں لیا تھا؟ اور بے اختیار میرے قدم سیٹھ جبار کی کوٹھی کی طرف اٹھ گئے۔

○

میں ایک سائے دار درخت کے نیچے رک گیا۔ یہاں سے میں سیٹھ جبار کی کوٹھی دیکھ سکتا تھا۔ میرے دل میں پیاس تھی۔ پانچ سال تک جس خیال کو خود سے دور رکھا تھا وہی حسرت بن گیا۔ آزادی کے بعد میں اپنی ماں اور بہن کی صورت نہیں دیکھ سکا۔ نہ جانے وہ کہاں اور کس حال میں ہوں گی؟ معاً کوٹھی سے ایک کار نکلتی نظر آئی۔ سفید رنگ کی یہ کار طارق کی تھی اور طارق ہی اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں ایک خیال کے تحت دوڑتا ہوا سڑک پر آ گیا دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ میرا حلیہ اتنا بدل گیا تھا کہ طارق بھی پہچان نہ سکا۔ اس نے کار روک دی اور پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

"آپ طارق صاحب ہیں' نا؟" میں نے معصومیت سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تو میں نے مزید کہا۔ "آپ کے لئے ایک ضروری پیغام ہے لیکن یہاں نہیں....."

"کیا پیغام ہے؟ گاڑی میں آ جاؤ۔" طارق نے دروازہ کھول دیا۔

میں جھک کر اندر بیٹھ گیا۔ لیکن بیٹھتے ہی میں نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ میری نگاہیں اس کی جیب میں پستول کو بھانپ گئی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ طارق کسی سانپ کی طرح پلٹا لیکن میں نے پستول اس کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ "مجھے پہچانو طارق میں منصور ہوں۔ احمد علی کا بیٹا۔"

طارق کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "تم۔ تم۔ آزاد ہو گئے؟" وہ تعجب سے بولا۔

"ہاں--- اور اب لوگوں کا حساب کتاب چکاتا پھر رہا ہوں۔ تمہارے ذمے بھی کچھ قرض ہے لیکن خیر چھوڑو۔ جو ہوا سو ہوا۔ بالآخر تم نے مجھے وہ بنا ہی دیا جو تم چاہتے تھے۔ پستول میں نے صرف اس لئے نکال لیا تھا کہ کہیں تم غلط فہمی کا شکار نہ ہو جاؤ اور اسے میرے خلاف استعمال نہ کرو۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ کام حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔" طارق کے حواس قدرے قابو میں آئے تو وہ جھلا کر بولا۔

"یہ تو نمونہ تھا طارق صاحب!"

"لاؤ پستول واپس کرو۔" طارق کا لہجہ کرخت ہو گیا۔

"اتنی جلدی کیا ہے تھوڑا سا تو اعتبار کرو۔ یار طارق یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تم نے یا سیٹھ صاحب نے میرے گھر میں چرس رکھوا کر مجھے گرفتار کروایا تھا۔ اس کی وجہ بھی میں جانتا ہوں لیکن میری ماں اور بہن سے تمہیں کیا دشمنی تھی۔ ان دونوں کا کیا ہوا؟ تو کہاں چلی گئیں۔"

"تم احمق تھے منصور۔ ہمارے بارے میں جان چکے تھے اس لئے ہم تمہیں نہیں چھوڑ سکتے تھے لیکن تمہاری گرفتاری کے بعد ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں رہا اس لئے ہم نے پھر کبھی تمہارے گھر کا رخ نہیں کیا۔ تمہیں اپنے پڑوسیوں سے معلوم کرنا چاہیئے تھا۔"

"کوئی بھی نہیں جانتا۔ خیر انہیں میں تلاش کر لوں گا۔ چلو نیچے اتر چلو....."

"کیا بکواس ہے؟" طارق غرایا۔

میرا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ طارق کے ہونٹ پھٹ گیا۔ "نیچے اترو۔" میں نے غرا کر کہا۔ اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں نیچے اتر گیا۔ میں نے اطمینان سے اس کی سیٹ پر بیٹھ کر کار آگے بڑھا دی اور طارق وہیں کھڑا ہونٹوں سے خون پونچھتا رہ گیا۔

طارق کی کار میں نے گلی کے قریب ایک سنسان پارک میں کھڑی کر دی۔ میری ذہنی حالت بہت خراب تھی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ میں اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اداس اور سنسان مکان کے ہر گوشے سے گمان ہوتا تھا کہ ابھی فریدہ کی آواز سنائی دے گی یا ابھی امی نکل آئیں گی۔

رات ہو گئی پھر میں نے سوچا۔۔۔۔ کہ یہ مکان میرے لیے محفوظ جائے پناہ نہیں ہو سکتا۔ میرے سارے دشمن اسی جگہ سے واقف ہیں اور کوئی بھی یہاں پہنچ سکتا ہے۔ اسے یونہی رہنے دیا جائے۔ کبھی کبھی یہاں آتا رہوں گا اور کسی دوسری جگہ رہ کر اپنی ماں اور بہن کو تلاش کروں گا۔ اتنا سوچ کر گھر سے نکلا لیکن دروازے کے باہر ہی ٹھٹک گیا۔ ایک انسانی جسم نظر آیا۔ میں متعجب ہو کر جھکا تو وہ ایک ایسی لاش ثابت ہوئی جس کے سینے سے خون ابل ابل کر جم گیا تھا۔ کوئی نئی سازش' میں نے سوچا اور ایک بار پھر اچھل پڑا۔ ایک جیپ میرے دروازے پر آ کر رکی اور ٹارچوں کی تیز روشنیاں مجھ پر پڑیں تو صورت حال میری سمجھ میں آ گئی۔ دوسرے لمحے میں نے واپس گھر میں چھلانگ لگا دی اور دیوار کود کر مکان کے پچھواڑے اتر گیا۔ اس وقت طارق کی کار میرے لئے دنیا کی سب سے قیمتی چیز بن گئی تھی۔

میں نے جلدی سے کار اسٹارٹ کی اور گلی سے نکل آیا۔ لیکن پولیس والے بھی دوسری طرف سے جیپ نکال لائے۔ میں اندھا دھند کار دوڑا رہا تھا۔ پولیس جیپ کی رفتار بھی کافی تیز تھی میں تھوڑی دیر بعد شہر سے باہر جانے والی سڑک پر پہنچ گیا۔ جیپ کی

روشنیاں اب بھی ٹمٹما رہی تھیں۔ اس طرح یہ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے سوچا ور کار کی روشنیاں بجھا دیں۔ تاریکی میں مجھے سڑک کے بائیں سمت ایک عمارت نظر آئی تو کار کچے راستے پر اتار کر اسے اسی سمت دوڑانے لگا۔ عمارت کے احاطے کی بائیں سمت کی دیوار کے ساتھ کار روک کر میں نے انجن بند کیا اور پھر کار کی چھت پر چڑھ کر اندر کود گیا۔ عمارت کے سامنے کے رخ پر روشنی تھی پھر جو کھلا ہوا دروازہ مجھے نظر آیا میں اسی میں اندر داخل ہو گیا اور چند ساعت کے بعد میں نے خود کو وسیع کمرے میں پایا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کونسی جگہ ہے؟

کمرے میں تاریکی تھی صرف ایک روشندان سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اس روشنی کے انعکاس سے کمرے کے ماحول کے نقوش کسی قدر اجاگر ہو گئے تھے۔ کافی سا فرنیچر پڑا ہوا تھا..... دیواروں پر پردے لہرا رہے تھے۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ گو میری کیفیت میں کافی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی لیکن میں فطری طور پر مجرم نہیں تھا۔ اس لئے یہ سب کچھ عجیب لگ رہا تھا۔ میرے کان کسی آہٹ کے منتظر تھے۔ میں یہاں زیادہ دیر محفوظ نہیں رہ سکتا تھا اس لئے ہمت کر کے باہر نکل آیا ایک وہ سمت تھی جس طرف سے میں آیا تھا۔ میں نے اس سمت کو چھوڑ کر دوسرا رخ اختیار کیا۔ راہداری کافی طویل تھی۔ راہداری آگے چل کر بائیں سمت گھوم گئی۔ یہاں تین سیڑھیاں تھیں اور سیڑھیوں کے اختتام پر بھی ایک دروازہ نظر آیا..... میں نے کمرے کے دروازے کو آزمایا جو میرے سامنے تھا حالانکہ یہ خطرناک بات تھی ممکن ہے یہ کمرہ پہلے کمرے کی مانند خالی نہ ہو لیکن کمرے میں داخل ہونے سے قبل میں نے یہ بات نہیں سوچی تھی۔ اندر داخل ہو کر محسوس ہوا کہ کمرہ ائرکنڈیشنڈ ہے۔ میں ٹھٹک گیا۔ اگر کمرے میں کوئی موجود نہ ہوتا تو ائرکنڈیشنر چل نہ رہا ہوتا۔ میں الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن اسی وقت انتہائی تیز روشنی کمرے میں پھیل گئی۔ اتنی تیز کہ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ میں نے برق رفتاری سے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی اور خود کار دروازے سے بری طرح ٹکرا کر زمین پر گر پڑا۔ خاصی چوٹ لگی تھی لیکن اس کے باوجود میں پھر کھڑا ہو گیا اور دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے زور سے کھینچا اور اسی وقت تیز روشنی ہلکی ہو گئی اور غالباً تیز روشنی بجھا کر ہلکی روشنی کی گئی تھی۔

"اپنی احمقانہ جدوجہد سے تھک جاؤ تو میرے نزدیک آ جانا۔" ایک بھاری پُرعب لیکن متین آواز سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھنے کے بجائے کمرے سے نکل جانا ہی بہتر سمجھا تھا لیکن کمبخت ہینڈل کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد ہی معلوم ہو گیا کہ دروازہ اب نہیں کھلے گا اور میں ایک گہری سانس لے کر گھوم گیا۔ میں نے خونخوار نگاہوں سے اس جھولتی ہوئی کرسی کو دیکھا جو ایک

خوبصورت بیڈ کے نزدیک پڑی تھی۔ اس کرسی پر ایک دراز قامت شخص گہرے نیلے رنگ کا گاؤن پہنے ہاتھوں میں کتاب تھامے بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں پائپ دبا ہوا تھا۔ جو شاید بجھ چکا تھا۔ ورنہ تاریکی میں اس کی چنگاری مجھے ضرور نظر آ جاتی۔ آنکھوں پر سنہری فریم کی عینک تھی اور چہرہ دودھ کی طرح سفید تھا' اور بالوں اور فرنچ کٹ داڑھی کی سفیدی اس رنگ سے ہم آہنگ ہو کر بے حد جاذب نگاہ لگ رہی تھی۔ بیک نگاہ بے حد شاندار شخصیت کا مالک لگا۔ تب اس نے کتاب ایک ہاتھ میں تھامی اور دوسرے ہاتھ سے دانتوں میں دبا ہوا پائپ نکال لیا۔

"تھک گئے؟" وہی بارعب آواز پھر گونجی۔

"دروازہ کیوں نہیں کھل رہا۔" میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"آٹومیٹک ہے۔ ایک بٹن دبانے کے بعد اس طرح بند ہو جاتا ہے کہ اسے توڑ کر ہی کھولنا پڑتا ہے۔" اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اسے کھول دو۔ ورنہ۔ ورنہ۔" مجھے اپنی آواز کے کھوکھلے پن کا احساس ہونے لگا۔

"مہمان کسی دروازے سے اندر آئیں' مہمان ہوتے ہیں اور میزبان پر ان کی ذمے داری عاید ہو جاتی ہے۔ آؤ بیٹھو۔ جانا ہے تو چلے جانا۔ مقصد میں ناکامی تو ہو ہی گئی ہے۔ اخلاق کے دامن کو ہاتھ سے کیوں چھوڑ رہے ہو؟ تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"چالاکی سے گرفتار کرانا چاہتے ہو؟" میں نے کہا۔

"وعدہ رہا کہ ایسی کوئی بات نہ ہو گی۔"

"ان خوبصورت اور اعلیٰ درجے کے مکانات میں وعدے کی کیا قیمت ہوتی ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"تجربات کے لیے طویل عمر درکار ہوتی ہے بیٹے۔ تم اس چھوٹی سی عمر میں اپنے تجربات کو اتنا مکمل سمجھتے ہو۔ یہ نا سمجھی ہے۔" آواز میں نرمی اور حلیمی تھی۔

"میں خطرات میں گھرا ہوں۔ اس وقت تمہاری ان گہری باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ مجھے جانے دو ورنہ تمہاری عمدہ شخصیت کا احترام نہیں کر سکوں گا۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تم خواہ کسی بھی حیثیت سے اس مکان میں داخل ہوئے ہو۔ میں نے تمہیں ایک مہمان کا درجہ دیا ہے اور میزبان کے جو فرائض ہوتے ہیں' وہ مجھے پورے کرنے دو۔ میں اس چھت کا وقار مجروح نہیں ہونے دوں گا۔ اس کے علاوہ مکانوں کی ساخت سے مکینوں کی فطرت کے بارے میں تمہارے تجربے کو غلط ثابت کرنے کا خواہشمند بھی ہوں۔ باقی رہا میری شخصیت کا احترام تو میں اپنے مہمان کی ہر خواہش کا احترام

کروں گا۔" اس کا مقصد تھا کہ میں اس پر حملہ کروں اور اپنی قوت آزماؤں لیکن نجانے کیوں میں ایسا نہیں کر سکا۔

"اعتبار کی مختلف اشکال ہوتی ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "بعض اوقات ہم اپنی مجبوری کو بھی اعتبار کا نام دے دیتے ہیں۔ بیٹھ جاؤ۔ ممکن ہے میں' تمہیں وہ بھی دے دوں جس کے حصول میں ناکام ہو کر تم صرف یہاں سے نکل جانے کو منافع سمجھ رہے ہو۔"

وہ شخص مہربان بادل کی طرح میری ذات کے آسمان پر چھا گیا تھا۔ مجھے اپنی سلبی شخصیت اس کے سامنے ہلکی محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ نجانے کیا سمجھ رہا تھا۔

"ہر جذباتی شخص پہلے آزماتا ہے' پھر تسلیم کرتا ہے۔ میں نے تمہارے اندر یہ جھنیں پہلی خوبی تلاش کی ہے کہ تم تعاون کے قائل ہو اور جذباتی نہیں ہو۔ اگر جذباتی ہوتے تو توجہ خود کو ضرور آزماتے۔ تم برے انسان نہیں ہو۔"

"ابھی تم نے کچھ الفاظ کہے تھے۔ میں ان کی تشریح چاہتا ہوں۔ تم نے کہا تھا ممکن ہے' میں تمہیں وہ بھی دے دوں جس کے حصول میں ناکامی ہوئی ہے۔ یہ الفاظ تم نے مجھے چور سمجھ کر کہے تھے؟"

"کیا تم اس عمارت میں چوری کی نیت سے داخل نہیں ہوئے تھے؟"

"نہیں..... میں نے اپنی زندگی میں کبھی چوری نہیں کی۔"

"تو کیا تو خلیفہ ہارون الرشید کی طرح اپنے وطن کے لوگوں کے مسائل جاننے نکلے تھے؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"براہ کرم میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔ میں حالات کا شکار ہوں اور پولیس میرے پیچھے ہے۔ پولیس سے بچتا ہوا اس عمارت میں داخل ہو گیا ہوں مجھے یقین ہے کہ پولیس مجھے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک ضرور پہنچے گی۔"

وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے بجھا ہوا پائپ دانتوں میں دبا لیا۔ اسے سلگا کر دو تین کش لئے اور پھر بولا۔ "میں اس وقت بھی میزبانی کے فرائض انجام دوں گا۔ پولیس کس وجہ سے ہی تمہارے پیچھے لگی ہو گی اور وجہ یقیناً سماج دشمنی ہو گی۔ فرائض کی انجام دہی کے لئے ضروری نہیں بیٹے کہ انسان بہت سے افراد کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ اگر وہ اپنی زندگی میں کسی ایک انسان کو بھی روشن راستہ دکھا دے تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے۔ میں تمہیں اس عمارت میں تحفظ کی ضمانت دیتا ہوں۔ پولیس تم سے کتنی دور تھی؟"

"زیادہ دور نہیں تھی جس کار سے میں فرار ہوا تھا' وہ تمہاری کوٹھی کی ایک دیوار سے لگی کھڑی ہے۔ پولیس اسے تلاش کر لے گی اور اس عمارت میں پہنچ جائے گی۔"

"ہوں۔" اس نے پائپ کے کچھ اور کش لئے پھر ایک میز پر لگا ہوا بٹن دبایا اور

اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ "عمارت کافی وسیع ہے۔ اگر خوف یا بے اعتمادی محسوس کرو تو ا
کمرے سے نکل کر کہیں اور پوشیدہ ہو جانا۔ نکلنا چاہو تو نکل جانا اور سنو۔ میں دعوت د
ہوں کہ اگر بے اعتمادی یا خوف تمہیں یہاں سے نکل جانے پر مجبور کرے تو ایک بار دن
روشنی میں میرے پاس ضرور آ جانا۔ مجھے تم سے بے حد ضروری کام ہے۔ اب میں ذرا با
جا رہا ہوں۔"

"کہاں؟" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

میں دبا "اس کار کو ٹھکانے لگانے جو تمہاری نشاندہی کر سکتی ہے۔" اس نے کہا ا
ے کی طرف بڑھ گیا پھر اس نے اطمینان سے وہ دروازہ کھولا جو مجھ سے کوشش
باوجود بھی نہیں کھل سکا تھا اور باہر نکل گیا۔

میری ذہنی حالت خاصی پریشان کن تھی۔ اس شخص کا کردار خاصا ڈرامائی لگ
تھا۔ کم از کم میں نے تو ایسے لوگ اس سے قبل نہیں دیکھے تھے جو کسی کو چور سمجھ کر
اس کے میزبان بن جائیں۔ دنیا چالاک ترین لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ اعلیٰ درجے
زندگی گزارنے والے' عموماً جذبوں سے خالی ہوتے ہیں ممکن ہے یہ شخص اپنی باتوں
مجھے مسحور کر کے اطمینان سے میرے لئے چوہے دان تیار کرنے نکل گیا ہو۔

دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دروازہ بھی اندر سے نہیں کھل
تھا میں نے سوچا کہ اس کے جال میں پھنس گیا ہوں چنانچہ میں نے دروازے کی طر
چھلانگ لگائی لیکن اس بار ہینڈل اطمینان سے گھل گیا۔ گویا اس نے وہ بٹن کھول دیا تھا
سے دروازہ لاک ہو جاتا تھا۔ میں ایک گہری سانس لے کر باہر آ گیا۔ پھر میں نے ما
راہداری کے اختتام پر مڑتے دیکھا۔ بڑی شاہانہ چال تھی۔ اور بڑے وقار کے ساتھ
راہداری میں جا رہا تھا۔ میں نے اس کا تعاقب جاری رکھا اب میں ان لوگوں میں تھا جو
پر اعتبار نہیں کرتے۔ میں اس کا تعاقب کرتا رہا پھر میں نے اسے اچھل کر دیوار پر چڑ
دیکھا اور پھر وہ دوسری طرف کود گیا۔ اس عمر میں بھی وہ جوانوں کی طرح چاق و چوبند
پھرتیلا تھا۔ اس نے مجھے خود سے طاقت آزمائی کی دعوت بھی دی تھی حالانکہ مجھے یقین تھا
میں اسے زیر کر سکتا ہوں۔ جیل میں' میں نے بہت کچھ سیکھا تھا لیکن اس کی شخصیت ا
تھی کہ بڑے بڑے اس کے سامنے چوہا بن کر رہ جاتے ہوں گے۔

میرا یہ خیال تو باطل ہو گیا کہ وہ پولیس کو فون کرنے گیا ہے۔ ممکن ہے وہ با
کا دھنی ہو اور اپنا قول نبھانا بھی جانتا ہو لیکن اب میں کیا کروں کیا یہاں سے بھاگ جاؤں
لیکن کہاں؟ اس وقت تو پوری دنیا میں میرے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ یہ عمارت شہر
اس قدر دور تھی کہ پیدل شہر جانے کا تصور بھی حماقت تھا۔ پھر کیوں نہ یہاں رکوں اور
کو تقدیر پر چھوڑ دوں جو کچھ ہونا ہے وہی ہو گا۔ اس وقت تقدیر کے ساتھ جنگ

سارے وسائل ختم ہو چکے تھے اور میں بے بسی کی منزل پر تھا۔ چنانچہ میں واپس اس کمرے کی جانب چل پڑا۔ اب تو اسے بھی تھوڑا بہت اعتبار دینا ضروری تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ واپس آ گیا۔ ایک پر سکون اور پر اعتماد مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔ اس نے کافی کا سامان میز پر رکھ دیا اور میز کی دراز سے ایک چھوٹی سی الیکٹرک کیتلی نکالی اور اس کا سوئچ ایک سرکٹ میں لگا دیا۔ "میں میزبانی کا پہلا فرض تمہیں کافی پلا کر پورا کروں گا۔ رات کے وقت نوکروں کو تکلیف نہیں دی جا سکتی یوں بھی بعض اوقات اپنا کام خود کرنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"اوں؟" میں چونک پڑا۔

"نہیں سنیں میری باتیں۔ یہ غیر فطری بات نہیں۔ اس وقت تمہاری الجھنیں تمہارے ذہن کو گرفت میں لیے ہوں گی۔ بھلا دوسری باتوں کی طرف تم کس طرح توجہ دے سکتے ہو۔ خیر کوئی بات نہیں' سوچ لو۔ فیصلہ کر لو ان حالات کے بارے میں۔ میں جب تک کافی بناتا ہوں۔"

وہ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور میں خود کو پر سکون کرنے میں لگ گیا۔

"وہ باتھ روم ہے اگر چاہو تو منہ ہاتھ دھولو۔ تازہ دم ہو کر کافی پئیں گے اور گفتگو کریں گے۔" اس نے کہا۔

میں خاموشی سے باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

..... ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں نے بڑا سکون بخشا تھا۔ کافی حد تک تازہ دم ہو کر باہر آیا تو کافی کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی۔ اس نے ایک پیالی میری طرف بڑھا دی اور دوسری خود لے کر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تو میرے عزیز مہمان۔ پہلے تو ایک دوسرے سے اپنا تعارف کرا دیں جو صرف نام کی حد تک ہو۔ ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے یہ ایک بنیادی ضرورت ہے..... کیا نام ہے تمہارا؟"

"منصور احمد۔" میں نے جواب دیا۔

"عام طور پر مجھے پروفیسر شیرازی کہا جاتا ہے۔ یہ تو ہوا تعارف۔ اب تم پہلے مجھ سے میرے بارے میں سوالات کر لو تاکہ پھر میں پوری تفصیل سے تمہیں جاننے کی کوشش کروں اور ہاں ذہنی انتشار ختم کر دو۔ میں نے تمہاری کار اندر لا کر گیراج میں بند کر دی ہے۔ پولیس کے افراد میرا احترام کرتے ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ میرے گیراج تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اگر پولیس کو اس عمارت پر شبہ ہوا تو کم از کم وہ رات کے اس پہر مجھے ڈسٹرب کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اور صبح کو ہی آئے

گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"میں مطمئن ہوں پروفیسر۔" میں نے کافی کا گھونٹ لے کر کہا۔

"میں ایک ناکارہ انسان ہوں۔ ازراہ انکسار نہیں کہہ رہا بلکہ ایک حقیقت بتا رہا ہوں۔" پروفیسر نے کہا۔ "میں نے پوری زندگی کچھ نہیں کیا اور اس میں قصور میرے والدین کا ہے اتنی دولت اکٹھی کر لی تھی انھوں نے اور اس طرح نشوونما کی تھی میرے ذہن کی کہ میں بالکل بے عمل ہو کر رہ گیا بس حصول علم میں زندگی گزاری اور آج تک یہی شغل جاری ہے۔ زیادہ افراد کبھی میری ذات سے منسلک نہ ہو سکے کیونکہ دوستوں کا پھیلاؤ نہ تھا۔ کچھ وقت کے لیے شادی کی تھی لیکن میری رفیقہ حیات میرے نکتے پن کی متحمل نہ ہو سکی اور وہ میری زندگی کے لیے ایک سہارا چھوڑ کر راہی ملک عدم ہو گئی۔ اس سہارے کا نام سرخاب ہے۔ میری بیٹی جو اب عمر کی انیسویں منزل میں ہے۔ میں نے سرخاب کو اعلیٰ تعلیم سے نوازا ہے۔ اسے میرے نظریات سے اختلاف ہے اور وہ آزادی سے اس کا اظہار کر دیتی ہے۔ یہ ہے پروفیسر شیرازی..... اس کے علاوہ میری ذات کا کوئی پہلو پوشیدہ نہیں ہے۔"

پروفیسر کی باتیں دل میں اتر رہی تھیں۔ اس پر آشوب دور میں جبکہ چاروں طرف دشمنوں کی یلغار تھی' اس شخص کی گفتگو میں ایک اجنبی سا خلوص تھا۔ میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "دنیا کے بارے میں میرا نظریہ کچھ اور ہی ہے پروفیسر۔ جو کچھ دیکھا ہے اور جن حالات سے گزرا ہوں۔ وہاں انسان کو صرف ایک خوفناک درندے کے روپ میں دیکھا ہے۔ میں خود ان درندوں سے مختلف نہیں ہوں۔ اس لیے مجھے آپ کی محبت اور خلوص بالکل اجنبی لگ رہا ہے۔"

"حق بجانب ہو میرے دوست۔ والدین ہیں تمہارے؟"

"والدین تھے لیکن اب نہیں ہیں اور ہیں بھی تو نجانے کہاں ہیں؟ درندوں نے مجھ سے بہت کچھ چھین لیا ہے' پروفیسر۔"

"والدین تھے تو ان پر اعتبار کرتے تھے؟"

"اس وقت تو کسی پر بھی بے اعتباری نہیں تھی پروفیسر۔"

"تھوڑی دیر کے لیے ان لمحات کو واپس لے آؤ۔ اپنے والدین کے نام پر ماضی کے وہ لمحات پروفیسر شیرازی کو بھیک دے دو۔ اپنی ذات کے سارے دروازے کھول دو منصور۔ کبھی کبھی کسی کو کچھ دینے سے کچھ نہیں بگڑتا۔" پروفیسر کا لہجہ بے حد جذباتی تھا۔

میں تعجب سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔ کسی اجنبی کو میری ذات میں اس قدر دلچسپی کیوں؟ واقعی وہ انوکھا انسان تھا۔ اس وقت جب میں اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ تو.....تو.....ایک اور سوال میرے ذہن میں جاگ اٹھا۔

"جب میں اس کمرے میں داخل ہوا تھا پروفیسر۔ تو کیا آپ جاگ رہے تھے؟"

"ہاں' میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ رات گئے تک مطالعہ میری عادت ہے۔"

"کتاب پڑھ رہے تھے۔" میں نے حیرت سے کہا۔ "لیکن آپ کے کمرے میں تو اندھیرا تھا۔"

پروفیسر نے وہ کتاب اٹھالی جسے اس نے درمیان سے کھول کر رکھ دیا تھا۔ "مجھے نایاب کتابیں جمع کرنے کا شوق ہے۔ یہ کتاب کم از کم ایک ہزار سال پرانی ہے۔ قلمی نسخہ ہے۔ اس وقت کی تحریر جو ایک مخصوص روشنائی سے لکھی گئی تھی۔ تم دیکھو اس دور کا انسان بھی ذہانت میں کسی سے کم نہیں تھا۔" پروفیسر کا ذہن بھٹک گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور پھر اچانک کمرے میں تاریکی چھا گئی۔ تب پروفیسر نے کتاب کھول کر میرے سامنے کر دی اور میں نے وہ حیرت انگیز چیز دیکھی۔ کتاب کے الفاظ جگنوؤں کی طرح چمک رہے تھے۔ اتنے صاف نظر آ رہے تھے کہ انھیں باسانی پڑھا جا سکتا تھا۔

"واقعی نایاب ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

پروفیسر نے کتاب بند کر کے دوبارہ روشنی کر دی۔ پھر بولا۔ "تمہارے بارے میں میرا اشتیاق بڑھ رہا ہے' منصور!"

"میری کہانی طویل ہے پروفیسر۔ منصور احمد بھی کسی دور میں نیک فطرت نوجوان تھا۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر گزرے ہوئے لمحات میرے گالوں پر پانی بن کر لڑھکتے رہے۔ میں نے اس شخص کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہو کر خود کو مکمل طور پر ظاہر کر دیا۔ پروفیسر بت بنا میری کہانی سنتا رہا پھر میں نے اسے لاش کے بارے میں بتایا اور یہاں تک پہنچنے کی تفصیل بتا کر خاموش ہو گیا۔

"ہاں منصور! ہماری یہ دنیا بڑی عجیب ہے۔ نجانے لوگوں نے نفرت کو شعار کیوں بنا لیا ہے۔ نہ جانے یہ سب مل کر اس دنیا کو گلزار بنانے کا کیوں نہیں سوچتے۔" وہ تھوڑی دیر توقف کے بعد بولا۔ "پھر میرے بچے! اب تم نے کیا سوچا ہے؟"

"اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا ہوں پروفیسر! کہ ان لوگوں سے انتقام لوں جنھوں نے میری ذات کا حسن چھین کر مجھے یہ روپ دیا ہے۔"

"نہیں نہیں منصور۔ ایک غلطی انہوں نے کی ہے۔ دوسری تم نہ کرو۔ برائی کا جواب برائی سے دینا دانشمندی نہیں ہے۔"

"میرے بارے میں کون سوچے گا' پروفیسر؟ کیا آپ کے پاس میرے زخموں کے لیے کوئی مرہم ہے۔ کیا آپ مجھے میرا کھویا ہوا سکون اور میری زندگی کے پانچ سال واپس دے سکتے ہیں اور پروفیسر کیا آپ مجھے میری ماں.....اور.....مم.....میری بہن فریدہ واپس کر سکتے ہیں۔ لائیے یہ ساری چیزیں مجھے واپس دے دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ برائی کا راستہ

نہیں اپناؤں گا۔"

میں نے کہا اور آنسوؤں کے چند قطروں نے مجھے احساس دلا دیا کہ میں رو رہا ہوں۔ "مجھے ان آنسوؤں سے نفرت ہے پروفیسر! جو نجانے کیوں تمہارے سامنے ان آنکھوں نے بہا دیئے۔ اب ان آنکھوں سے آنسو نہیں شعلے نکلیں گے میں شرمندہ ہوں کہ آپ کی' انتقام نہ لینے والی نصیحت کو قبول نہیں کر سکوں گا۔ ہاں زندگی میں کبھی کبھی نفرت اور انتقام کے جذبات سے اکتاہٹ محسوس ہوئی تو اس محبت اور شفقت کے تصور سے روح کو ٹھنڈا کر لوں گا یا کسی کو تکلیف پہنچاتے وقت یہ احساس ضرور رکھوں گا کہ دنیا صرف نفرت اور انتقام کا نام نہیں ہے۔"

"منصور بیٹے! تمہارے جذبات کو میں بالکل تمہاری ہی طرح محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے باوجود میری درخواست ہے کہ تم برے راستوں پر نہ جاؤ۔ جانتا ہوں کہ تمہاری نیکی اور شرافت تمہیں کچھ نہ دے سکی۔ لیکن برائی تمہیں مزید اذیت دے گی۔"

"میں نہیں مانتا پروفیسر! سیٹھ کے کرتوتوں نے اسے عزت دی ہے اور وقار دیا ہے۔ ہم جیسے لوگوں پر فوقیت دی ہے۔ پھر آپ بدی کے راستوں کی یہ خوفناک تصویر کس فریم میں فٹ کریں گے؟"

"اس کا اختتام بھی ہو گا۔ ضرور ہو گا اور تم دیکھو گے کہ انتہا کتنی عبرتناک ہوتی ہے۔"

"میں ساری باتیں مان لوں پروفیسر لیکن فریدہ اور ماں کو نہیں بھول سکتا۔ کبھی نہیں بھول سکتا۔"

"ان کی تلاش میں' میں تمہاری مدد کروں گا۔" پروفیسر نے شکست خوردہ آواز میں کہا۔ "لیکن تم قتل کے الزام کا کیا کرو گے؟ باہر نکلو گے تو پولیس تمہیں گرفتار کر لے گی۔"

"کچھ بھی ہو جائے مجھے یہ سازش تو ناکام بنانی ہی ہے۔"

"کیوں نہیں۔ لیکن اس کے لیے وہ ذرائع اختیار مت کرو منصور جو تمہیں مزید گہرائی میں پہنچا دیں میری پیش کش ہے کہ تم اس مکان کو اپنی پناہ گاہ تصور کرو۔ ابھی کچھ روز خاموشی سے گزارو۔ میں حالات کا جائزہ لوں گا۔ اور پھر کوشش کروں گا کہ اپنے تعلقات سے کام لے کر تمہارے مسائل حل کروں۔ تمہیں میرے ساتھ اتنا تعاون تو کرنا ہی چاہیئے۔" پروفیسر کے لہجے میں عاجزی تھی۔

میں تعجب سے اس شخص کے بارے میں سوچنے لگا۔ یہ بے لوث انسان میرے لیے اتنا درد مند کیوں ہو گیا ہے؟ میں تو اس کے لئے بے مصرف ہوں۔ اگر ابتدا ہی میں اس سے ملاقات ہو جاتی تو کیا آج میں ایک شریف انسان کی مانند زندگی نہ گزار رہا ہوتا' کیا

پانچ سال میری زندگی کے سنہری سال نہ ہوتے؟ کیا میں فریدہ کی شادی نہ کر چکا ہوتا؟ وہ میری نگاہوں سے اوجھل کیوں ہوتیں؟ نہ جانے میرے بعد کتنے مسائل' کتنے مصائب اٹھانے پڑے ہوں گے ان بے چاریوں کو؟ یہ سب کیوں ہوتا؟ پروفیسر شیرازی کو تلاش کرنے کے لیے مجرم بننا کیوں ضروری ہے؟ کیوں ضروری ہے؟ "پروفیسر۔ آپ مجھے پہلے کیوں نہ مل گئے؟ ایک بات بتا دیں پروفیسر! صرف ایک بات۔ مجھ جیسے انسان سے آپ کو اتنی ہمدردی کیوں ہو گئی؟ میں تو۔ میں تو اس ارادے سے داخل ہوا تھا کہ اگر کوئی مزاحم ہو گا تو ہر طرح سے میں اپنی آزادی کا تحفظ کروں گا۔"

"میں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے منصور اور انسان مجھے دنیا کی ہر اندار شے سے زیادہ معصوم اور بے بس نظر آیا ہے۔ کتابی علم کہتا ہے کہ انسان ازل سے معصوم ہے اور ابد تک معصوم ہی رہے گا۔ برائیاں زندگی کے لیے جہنم تعمیر کرتی ہیں اور اس جہنم کو سرد کرنا ہر صاحب ہوش کا فرض ہے' مجھے اس دنیا سے پیار ہے۔ میں دنیا کے بستان میں پھولوں کا آرزومند ہوں اور میرے بچے! پھولوں کی کاشت کے لیے دنیا بھر کی زمین نہ مل سکے تو ایک پودا ہی لگا دو۔ صرف ایک پودا' جس پر کھلنے والا پھول تمہاری روح کو ہمیشہ کی بالیدگی بخشے گا۔ میں اس بالیدگی کے حصول کے لیے کوشاں ہوں۔ بولو۔ تم میری مدد کرو گے میرے بچے؟"

"میں۔ میں کیا کر سکتا ہوں پروفیسر؟"

"صرف یہی کہ مجھ سے تعاون کرو۔ اس وقت تک جرم کے راستوں پر نہ جاؤ جب تک میں تمہارے مسئلے میں بے بسی کا اظہار نہ کر دوں۔ بولو مجھ سے تعاون کرو گے؟"

"مجھ پر قتل کا الزام ہے۔ پروفیسر۔ کیا میں ایک قاتل کی حیثیت سے تمہارے لئے مصیبت نہیں بن جاؤں گا۔"

"صرف الزام ہے۔ تم قاتل تو نہیں۔ اگر اس الزام میں' میں بھی شامل ہو جاؤں تو کیا حرج ہے۔ ہم دونوں مل کر خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"بہتر ہے لیکن مجھے اپنی ماں اور بہن کو تو تلاش کرنے دیں۔"

"جہاں اتنا صبر کیا ہے تھوڑا اور کر لو۔ ہمارا دوسرا مرحلہ یہی ہو گا۔ تم باہر نکلو گے تو تمہارے ذہن میں انتقام کا جذبہ ابھرے گا اور یہ جذبہ تمہیں مزید برائیوں کی طرف لے جائے گا۔ تم قاتل بھی بن سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے پروفیسر! آپ کے اس بے لوث احساس کے عوض میں مزید دوڑنے سے رک جاتا ہوں۔ لیکن اگر میری ماں اور بہن کسی حادثے کا شکار ہو گئیں تو میں اس دنیا کو معاف نہیں کروں گا۔"

پروفیسر نے آگے بڑھ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "خدا نے چاہا تو وہ بخیریت

ہوں گی۔ قوت ایزدی تمام شیطانی قوتوں پر حاوی ہے اور ایسا ہوتا ہے جو ہماری سوچ سمجھ سے کہیں بالاتر ہوتا ہے۔ وقت کافی گزر چکا ہے۔ آؤ میں تمہیں آرام کی جگہ بتا دوں، اطمینان سے سو جاؤ۔" اس نے اپنی خواب گاہ سے تھوڑی دور ایک کمرے کا دروازہ کھولا، وہاں آرام دہ بستر لگا ہوا تھا۔ ضرورت کی دوسری چیزیں بھی موجود تھیں۔

"یہ تمہاری خواب گاہ ہے۔"

"شکریہ پروفیسر۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور وہ مجھے خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

میں نے جوتے اتارے اور بستر پر دراز ہو گیا۔ لیکن ذہن سوچ سمجھ سے بیگانہ ہو رہا تھا۔ کون کسی کی آگ میں کودتا ہے اور پھر لوگ تو نیک ناموں کی دوستی اپناتے ہیں، برے لوگوں کو سہارا دینے والے تو معاشرے میں مسخرے کہلاتے ہیں۔ یہ شخص اتنا مخلص کیوں ہے۔ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ بظاہر تو اس کی کوئی غرض بھی نہیں محسوس ہوتی۔ پھر محبت۔ یہ التفات؟ میرا سر دکھنے لگا۔ پروفیسر کی شخصیت نے ڈانواں ڈول کر دیا تھا ذہن ہر طرح دکھنے لگا تھا۔ چنانچہ میں سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد نیند آ گئی۔ جب میں بیدار ہوا تو کمرہ بدستور نیم تاریک تھا۔ دیواری گھڑی ساڑھے بارہ بجا رہی تھی۔ دن کے ساڑھے بارہ۔ یقیناً میں گہری نیند سویا تھا۔ میں باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی نے روح کو شگفتہ کر دیا تھا۔ شیو بنانے کا سامان موجود تھا۔ میں باتھ روم سے نکلا تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور ایک ملازم منتظر کھڑا تھا۔ "سلام سرکار۔" اس نے جلدی سے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ "پروفیسر صاحب نے کہا ہے کہ آپ کو لائبریری میں پہنچا دوں۔"

میں اثبات میں سر ہلا کر ملازم کے ساتھ کمرے سے نکل آیا۔ دن کی روشنی میں میں نے عمارت کے ہر حصے کو بغور دیکھا نہایت خوبصورت تعمیر تھی۔ ہر چیز سے سلیقہ اور نفاست ٹپکتی تھی۔ ایک کمرے کے دروازے کے سامنے ملازم نے مجھے لا کھڑا کیا۔ میں نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔ کمرے کے چاروں طرف چھت تک بلند الماریاں تھیں جن میں کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ درمیان میں جگہ جگہ شیلف رکھے ہوئے تھے جو نفیس جلد والی کتابوں سے سجے ہوئے تھے۔ پروفیسر ایک انتہائی آرام دہ نشست پر نیم دراز تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک موٹی سی کتاب تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا اور کتاب بند کر کے رکھ دی۔ پھر آنکھوں سے چشمہ اتار کر بولا۔ "صبح بخیر!"

"شکریہ پروفیسر۔ لیکن اب تو دوپہر ہو گئی ہے۔"

"ہوں۔ تم خوب سوئے۔ آؤ بیٹھو۔ ناشتے کے وقت جی چاہ رہا تھا کہ تمہیں جگا لوں۔ لیکن پھر یہ سوچا کہ تمہیں نیند کی شدید ضرورت ہے۔ اب جوس کا ایک گلاس پی لو اس کے بعد لنچ کریں گے۔ ورنہ تمہاری بھوک خراب ہو گی۔" پروفیسر نے کہا تو مجھے ہنسی

آ گئی۔ "کیوں۔ ہنسی کیوں آئی؟" پروفیسر نے چشمہ دوبارہ ناک پر رکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"آپ مجھے کیا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، پروفیسر! میں تو ٹاٹ کا کیڑا ہوں۔ مخمل کی زندگی کیسے گزار سکتا ہوں؟"

"پھر وہی بات۔ دیکھو تم رات کو کچھ وعدے کر چکے ہو اور ان وعدوں کے تحت تم وہ نہیں ہو جو پہلے تھے۔ اپنی زندگی میری ہدایات پر چلانے کا تجربہ کرو۔ اگر سکون نہ ملا تو میں تمہیں دوبارہ مجبور نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے پروفیسر! لیکن میں اتنا بدبخت انسان ہوں کہ آپ کا، آپ جیسے خوبصورت الفاظ میں شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ احسان چکانے کی بات الگ رہی۔" میں نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ملازم اس کے لئے دو گلاس لے آیا۔ پروفیسر نے اپنا گلاس لے کر اخبار میرے سامنے کر دیا۔ میں چونک پڑا۔ ایک خبر نمایاں تھی۔ پروفیسر نے اس پر حاشیہ بنا دیا تھا۔

"جیل سے آزاد ہونے والے مجرم نے ایک نوجوان کو قتل کر دیا۔ مجرم پولیس کو دھوکا دے کر فرار ہو گیا۔" یہ سرخی تھی اور اس کے بعد خبریں تھی۔ "منصور احمد نامی نوجوان نے اپنے دیرینہ دشمن فیروز کو قتل کر دیا۔ واقعات کے مطابق پانچ سال قبل منصور کو چرس فروشی اور دیگر جرائم کی بنا پر پانچ سال قید کی سزا دی گئی تھی۔ منصور کے بارے میں اس کے پڑوسیوں کا خیال تھا کہ وہ ایک شریف نوجوان ہے۔ اپنی سزا پوری کرنے کے بعد منصور واپس اپنے گھر آیا تو اس کی ماں اور بہن موجود نہیں تھیں اور اس کا مکان فیروز نامی ایک شخص کے قبضے میں تھا۔ پڑوسیوں نے بتایا کہ چرس فروشی کے الزام میں فیروز نے ہی اسے جیل بھجوایا تھا۔ چنانچہ منصور نے کل رات انتقاماً اسے ہلاک کر دیا۔ اس نے پتھر سے فیروز کو زدو کوب کیا اور اس کا چہرہ مسخ کر دیا۔ گزشتہ رات کسی پڑوسی نے لاش کی اطلاع پولیس کو دی لیکن پولیس کو دیکھتے ہی منصور ایک کار میں فرار ہو گیا۔ پولیس سرگرمی سے قاتل منصور کو تلاش کر رہی ہے۔

خبر پڑھ کر میری حالت عجیب ہو گئی۔ حالانکہ میں نے فیروز کو قتل نہیں کیا تھا مگر مجھے اس کے مرنے کی خبر پڑھ کر خوشی ہوئی اور دل اس بات پر رو دیا کہ ایک بار پھر پولیس کے لئے دردِ سر بن گیا تھا۔ "خبر پڑھ لی تم نے؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"ہاں پروفیسر۔ اب میں چرس فروش سے قاتل بن گیا ہوں۔ بہرحال کچھ اہمیت تو بڑھی۔" میں نے تلخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لاش فیروز کی تھی؟" پروفیسر معنی خیز لہجے میں بولا۔

"ہاں۔ اسے میرے خلاف سازش کرنے کے لئے قتل کیا گیا۔ لیکن مجھے اس کی موت کی خبر پر خوشی ہوئی ہے۔ فیروز جیسے لوگ ہی مجرموں کی تخلیق کرتے ہیں۔ اس بدبخت

انسان نے میرے پڑوس کے لڑکوں کو غلط راستوں پر لگایا تھا۔ اس سے قبل جو کام وہ چھپ چھپ کر کرتے تھے اب کھلے عام کرنے لگے تھے کیونکہ انہیں فیروز کی پشت پناہی حاصل ہو گئی تھی۔"

پروفیسر نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور کہا لنچ کا وقت ہو گیا ہے۔ آؤ کھانا کھائیں۔" میں خاموشی سے اس کے ساتھ اٹھ گیا' ہم کھانے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ اور ایک خوبصورت میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"تمہاری تعلیمی قابلیت کیا ہے؟" پروفیسر نے لقمہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"انٹر کر چکا ہوں۔"

"ان دنوں تمہارے پاس کافی وقت ہے۔ میں چند کتابیں تمہیں دوں گا۔ ان کا مطالعہ تمہارے لئے بے حد ضروری ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ اسی وقت ایک لڑکی کمرے میں آگئی۔ سفید سے سادہ لباس میں' بڑی بڑی اور ذہین آنکھوں والی اس لڑکی کے لمبے لمبے بالوں کی ایک لٹ کان کے پاس سے باہر نکل آئی تھی اور اس لٹ نے نجانے کیوں فوراً ہی میرے دل میں ایک خلش پیدا کر دی مجھے کچھ یاد آ گیا تھا۔ وہ سلام کر کے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ پروفیسر کے ہونٹوں پر پیار بھری مسکراہٹ تھی۔ "یہ سرخاب ہے۔" پروفیسر نے کہا اور پھر سرخاب کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اور سرخاب یہ منصور ہیں۔"

"جی....." سرخاب نے ایک بار پھر مجھے دیکھا۔ اس کی بادامی آنکھوں میں کوئی جذبہ اور کوئی چمک نہیں تھی۔ کھانے کے دوران پروفیسر نے کئی بار سرخاب کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموشی سے گردن جھکائے کھانے میں مشغول رہی۔

"میں نے صبح سرخاب کو تمہارے بارے میں بتایا تھا' منصور!" پروفیسر بولا۔ "ہم دونوں ایک دوسرے پر بے حد اعتماد کرتے ہیں اور اپنے حالات سے ایک دوسرے کو آگاہ رکھتے ہیں اور پھر تمہارے بارے میں سرخاب کو مطلع کرنا ضروری تھا۔ سرخاب نے کہا تھا کہ وہ تم سے ملاقات کے بعد ہی تمہارے بارے میں رائے دے گی۔ کیوں سرخاب اب تم منصور کے بارے میں کیا کہتی ہو؟"

"میرے خیال میں منصور صاحب کی سوچ ناپائیدار اور کسی قدر احمقانہ ہے۔" سرخاب نے بیباکی سے کہا۔

پروفیسر کے چہرے پر ہلکا سا تغیر نمودار ہو گیا۔ "کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"ان سے بنیادی طور پر غلطی ہوئی ہے۔ معاشرے میں ہر شخص کی اپنی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ منصور صاحب کو کم از کم ایک طرف سے پرسکون رہنا چاہئے تھا۔ اگر وہ ان حالات کا شکار ہو گئے تھے تو کم از کم قانون کا تحفظ کرنے والے اداروں سے انہیں بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"مس سرخاب۔ میں نے ایک انسپکٹر کو پیش کش کی تھی کہ میں اسے اس جگہ پہنچا سکتا ہوں جہاں سیٹھ جبار کا مال اترتا ہے لیکن اس انسپکٹر نے الٹا مجھے گرفتار کر لیا جبکہ سیٹھ جبار آج بھی آزاد ہے۔"

"یہ ادارہ کسی ایک فرد تک تو محدود نہیں ہے۔"

"انہیں اس کی مہلت ہی نہیں مل سکی تھی سرخاب' ان کے خلاف سازش پر فوری طور پر عمل ہوا تھا۔" پروفیسر نے میری حمایت میں کہا۔

"بہرحال ڈیڈی۔ آخری بات یہ رہ جاتی ہے کہ اگر ایک حادثہ ہو ہی گیا تو درگزر سے کام لینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ انہوں نے معاشرے سے دوبارہ جنگ کی ٹھانی اور انتقام کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ گویا معاشرے کو ایک اور سماج دشمن مل گیا۔"

"مجھے تمہاری انتہا پسندی سے اختلاف ہے۔ زمین فرشتوں کی نہیں انسانوں کی ہے۔ کسی کو کچلو گے تو وہ چیخے گا اور پھر مزاحمت میں کوشاں ہو جائے گا۔" پروفیسر نے قدرے ناخوشگواری سے کہا اور سرخاب خاموش ہو گئی۔

مجھے اندازہ ہو گیا کہ لڑکی نے مجھے پسند نہیں کیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اٹھ گئے۔ میں پروفیسر کے ساتھ اس کی لائبریری کی طرف چلا گیا اور سرخاب اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

"سرخاب کی باتوں کو ذہن میں جگہ نہ دینا۔ اس کی سوچ ابھی تجربات سے عاری ہے۔" پروفیسر بولا۔

"مجھے اندازہ ہے پروفیسر!"

"میں چند ضروری کاموں سے جاؤں گا۔ تم یہ کتابیں لے لو۔ .....ان کتابوں کا مطالعہ کرو۔ رات کو ملاقات ہو گی۔" پروفیسر نے الماری سے دو کتابیں نکال کر مجھے دیں۔ میں نے اخبار بھی اٹھا لیا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ سرخاب کی باتوں سے ذہن میں تکدر ضرور پیدا ہوا تھا لیکن پروفیسر کی وجہ سے یہ تلخی زائل ہو گئی۔ بھلا ایک دولت مند باپ کی بیٹی ان دکھوں کو کیا جانے جو مجھ جیسے انسان کو پیش آ سکتے ہیں۔ اس کا علم کتابوں تک محدود رہا۔ حالات کی چکی میں پسنے والے ہی حالات کے صحیح رخ سے واقف ہو سکتے ہیں' سرخاب نہیں۔ پروفیسر نے جو کتابیں مجھے دی تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام تھا۔ "تہذیب کے بڑے" اور دوسری کا نام "معاشرے میں انسان کا مقام" تھا۔ میں نے ان کے چند صفحات کھول کر دیکھے بہت سی خوبصورت باتیں لکھی ہوئی تھیں' لیکن میرا دل کتابوں میں نہیں لگا۔ میرے خیال میں یہ سب حالات سے ناواقف لوگ ہیں جو ایسی کتابیں تخلیق کرتے ہیں۔ کاش وہ مجھ سے ملتے۔ کاش وہ میرے جیسے حالات سے گزرتے تب دیکھتا یہ کتابیں کیسے تخلیق ہوتی ہیں۔ میں نے دونوں کتابیں اٹھا کر دور پھینک دیں اور پھر اخبار اٹھا لیا۔ قتل

کے متعلق خبر کو میں نے کئی بار پڑھا اور ہر بار نئی کیفیت سے دو چار ہوا۔ پھر میں نے اخبار بھی رکھ دیا اور لیٹ گیا۔ میرا ذہن خیالات کے بھنور میں پھنس گیا۔ میں' ماں اور فریدہ کو کیسے بھول سکتا تھا؟ میرے ذہن میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔ یہ آگ جب بھی بھڑکتی میرے وجود کو خاکستر کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی یہی ہوا میرا وجود سلگنے لگا۔ "نہ جانے۔ نہ جانے وہ کہاں ہوں گی؟" بے چینی میرے سارے وجود میں پھیل گئی۔ نہیں پروفیسر! میں تمہاری دنیا کا انسان نہیں ہوں۔ میں زندگی سے پیار نہیں کر سکتا۔ میں معاشرے کا اچھا کردار کبھی نہیں بن سکتا۔ تمہارا علم کتابوں تک ہے اور کوئی کتاب دل کی آگ کی ترجمان نہیں ہوتی۔ وہ جذبات اس میں نہیں مل سکتے جن کا تعلق گوشت کے اس ٹکڑے سے ہے۔ افسوس مجھے تمہاری یہ حسین چھت راس نہیں آ سکتی۔

میں اٹھ گیا اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ میرا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں اس راستے کی جانب چل پڑا جدھر سے اس عمارت میں داخل ہوا تھا۔ لیکن راہداری کے موڑ پر سرخاب مل گئی۔ الجھے ہوئے بالوں کی ایک حسین لٹ اس کے رخسار پر جھوم رہی تھی۔ میں رک گیا۔ "میں تمہارے پاس ہی آ رہی تھی۔" وہ بے تکلفی سے بولی۔

"کوئی حکم ہے میرے لئے؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"میرے ساتھ میرے کمرے میں آؤ۔" وہ تحکمانہ لہجے میں بولی اور پھر واپس مڑ گئی۔

نہ جانے کیوں میں اس کے پیچھے پیچھے ایک خوبصورت کمرے میں پہنچ گیا۔ یہاں کا ماحول بڑا پرسکون محسوس ہو رہا تھا۔ "بیٹھو۔" وہ بولی اور میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میری طرح متلون مزاج معلوم ہوتے ہو۔"

"نہیں۔ میرا ذہن صاف ہے۔"

"ہم لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ تم بھی مت بولو۔" اس نے کہا اور میں نے تلخ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میرے لئے یہ کیسے ممکن ہے مس سرخاب! میں اس طبقے سے تعلق رکھتا ہوں جو اخلاقیات کا حسن تو محسوس کر سکتا ہے لیکن اپنا پسندیدہ کردار تخلیق نہیں کر سکتا۔ آپ مصائب کی اس بھٹی کی تپش سے بہت دور ہیں جو کردار مسخ کرتی ہے چنانچہ آپ کو جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش نہیں آتی جب کہ بعض اوقات ہم زندہ ہی جھوٹ کی بنیادوں پر رہ سکتے ہیں۔ بہرحال' آپ ایک اچھے انسان کی اچھی بیٹی ہیں۔"

"شکریہ۔ لیکن میں ڈیڈی کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتی۔ تم بے گناہ ہو تو

لوگوں کو تمہاری بے گناہی تسلیم کر لینی چاہئے اور تمہیں بھی اس سلسلے میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا چاہئے۔"

میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کسی قدر کش مکش کے عالم میں کہا۔ "میں خود بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"تو پھر عمل کیوں نہیں کرتے؟"

"کروں گا۔ ضرور کروں گا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"ڈیڈی کا خیال ہے کہ بدی کو ختم کرنے کا بہترین ذریعہ نیکی ہے۔ میں بھی مانتی ہوں لیکن یہ نیکیاں اگر انسان کو وقت سے پہلے قبر میں پہنچا دیں تو پھر انسان کیا کرے۔ ہم اپنی گردن پر کسی معصوم سی چڑیا کو گھونسلہ بنانے کی اجازت تو نہیں دے سکتے۔ رات کو ڈیڈی سے میرا کافی اختلاف رہا۔ اگر تم نے اپنے بارے میں جھوٹ نہیں بولا تو تمہیں پورا حق ہے کہ اپنی بے گناہی ان لوگوں کے سامنے لاؤ جو جرم و سزا کا فیصلہ کرتے ہیں۔"

"آپ کو یہ بات بھی معلوم ہے کہ قانون کی حدود کیا ہیں؟"

"قانون لا محدود ہے اور ہر انسان کے لئے بنایا جاتا ہے۔"

"کچھ لوگ اپنے وسائل سے قانون کو اپنا ہم آواز بنا لیتے ہیں اور ہم جیسے لوگوں کی آوازیں دب جاتی ہیں۔"

"تم مجھے اپنے حالات سناؤ۔ ایک ایک لفظ سنا دو۔"

"اس سے کیا ہو گا؟"

"ہم مل کر حالات پر تبصرہ کریں گے اگر کوئی ساتھ دینے والا مل جائے تو بہت سی آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بہت سے فیصلے کئے جا سکتے ہیں۔" اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

میں نے ایک طویل سانس لے کر اپنی کہانی کا آغاز کر دیا۔ سرخاب بڑی محویت سے سن رہی تھی۔ میرے خاموش ہونے کے بعد وہ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ "یوں تو بے شمار کردار ہیں اس داستان کے لیکن ہمیں ان کے درجے مقرر کرنا پڑیں گے۔ مثلاً سیٹھ جبار اونچی چیز ہے۔ براہ راست اس پر چھلانگ لگانا ممکن نہیں۔ ماں اور بہن کا پتہ معلوم کرنے کے لئے ایک شخصیت اور رہ جاتی ہے۔ جو کسی حد تک تم سے ہمدردی کر سکتی ہے۔ وہ ڈرائیور جس نے سیٹھ جبار کے ہاں تمہیں ڈرائیونگ سکھائی تھی۔ وہ تمہارے والد کا دوست بھی ہے اور اس نے تمہیں ایک بار ہوشیار کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ باقی رہے وہ الزام جو تم پر لگائے گئے ہیں تو میرا خیال ہے ایک بار پھر تم طارق کو پکڑ لو۔ سیٹھ ان کاموں میں خود آگے نہیں بڑھتا ہو گا۔ جب طارق جیسے لوگ اس کے لئے اسمگلنگ کرتے ہیں تو اس کے دوسرے معاملات کی نگرانی بھی کرتے ہوں گے۔ اس قتل کا سراغ

طارق ہی سے مل سکتا۔"

میرے ذہن میں عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ یہ معمولی سی بات میرے ذہن میں پہلے نہیں آئی تھی۔ بلاشبہ ان حالات میں طارق ہی کار آمد ثابت ہو سکتا تھا۔

"کیا تمہیں مجھ سے اتفاق ہے؟" سرخاب نے پوچھا۔

"ہاں۔ آپ کی دونوں باتیں بہت گہرائی رکھتی ہیں۔"

"تیسری بات یہ ہے کہ جب تک تم خود کو اس الزام سے بری الذمہ نہیں کرتے پولیس سے بچنے کی کوشش کرنا اگر ایک بار پولیس کے ہاتھ آ گئے تو پھر تمہاری کوئی نہیں سنے گا۔"

"آپ بے حد ذہین ہیں سرخاب۔" میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"لیکن منصور آپ ہیں۔ مجھے سولی پر نہ چڑھائیں جو کچھ کریں اپنے طور پر کریں۔ دیکھئے میں نے آپ کو جرائم کی طرف راغب نہیں کیا۔ اگر آپ کے ذہن میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اور کوئی بہتر ذریعہ ہے تو آپ ضرور استعمال کریں۔ کل کہیں ڈیڈی مجھ سے یہ نہ کہیں کہ میں نے آپ کو غلط راہ دکھائی۔"

"میں پروفیسر سے اس گفتگو کا تذکرہ نہیں کروں گا۔"

"ہاں یہی بہتر ہے۔ ویسے آپ خود بتائیں آپ کیا کریں گے اور کوئی ذریعہ ہے؟"

"کوئی نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا یہ لڑکی مجھے پہلی نگاہ میں اچھی لگی تھی نہ جانے کیوں اس پر پیار آنے لگا تھا۔ میں چند ساعت اسے دیکھتا رہا اور وہ پہلو بدلنے لگی۔ تب میں اٹھ گیا۔

"اب مجھے اجازت دیں۔"

"بہتر ہے۔" وہ خشک سے انداز میں بولی لیکن میں اس کے لہجے پر توجہ دیئے بغیر باہر نکل آیا۔

نجانے کیوں سرخاب سے گفتگو کے بعد ایک سکون کا احساس ہوا تھا۔ شام کی چائے تنہا پی۔ پروفیسر واپس نہیں آئے تھے اور سرخاب بھی کہیں چلی گئی تھی۔ رات کے کھانے کے لئے ایک نوکر بلانے آیا تھا۔ پروفیسر نے ایک پروقار مسکراہٹ سے مجھے دیکھا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس پرسکون ماحول نے تمہیں بہتر سوچ دی ہو گی۔ چلو کھانا شروع کرو۔" پروفیسر نے بے تکلفی سے کہا۔ سرخاب کا چہرہ حسب معمول تاثرات سے خالی نظر آ رہا تھا۔ کھانے کے بعد وہ اٹھ گئی۔

"سرخاب کا رویہ ممکن ہے تمہارے لئے ناپسندیدہ ہو لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ماں کے پیار سے محرومی نے اس کی ذات میں ایک خلا پیدا کر دیا ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں پروفیسر۔ یہاں آ کر میں نے انسانیت کے کئی نئے رخ دیکھے ہیں۔"

"ارے ہم کیا ہماری بساط کیا۔ آؤ تمہارے کمرے میں چل کر بیٹھیں۔" اور ہم دونوں اس کمرے میں آ گئے جو پروفیسر نے رہائش گاہ کے طور پر مجھے بخشا تھا۔ پروفیسر اطمینان سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

"ہوں پورے دن کا شغل کیا رہا۔ نفسیات کی رو سے تم میری دی ہوئی کتابوں میں دلچسپی نہیں لے سکے ہو گے۔ تم نے انہیں کھول کر دیکھا ہو گا لیکن ان کے الفاظ تمہارے لئے ذرا بھی دلکش نہیں ہوں گے۔ پھر تم نے اخبار میں اپنے متعلق تو ضرور پڑھا ہو گا اور بقیہ دن اسی سوچ میں گزارا ہو گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہیئے۔" پروفیسر نے کہا اور میں حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"آپ کا خیال درست ہے پروفیسر۔" میں نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس سلسلے میں بہت کچھ سوچا ہے پروفیسر اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میرے دشمن میرے گرد اپنی گرفت تنگ سے تنگ کرتے جا رہے ہیں اور میں خاموشی سے یہ حلقہ تنگ ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں پروفیسر مجھے کیا کرنا چاہیئے؟۔ میں ہر قیمت پر اس الزام کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ باہر جا کر میں سراغ لگاؤں گا کہ قتل کس نے کیا ہے اور پھر اس مجرم کو منظر عام پر لاؤں گا۔"

"کس طرح میرے بچے! کس طرح؟ تمہارے پاس اس کے لئے کیا وسائل ہیں؟ تم مفرور ہو پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ اس چار دیواری سے باہر تمہارے لئے بے پناہ خطرات ہیں' میں تمہیں خطرات کے حوالے نہیں کر سکتا۔ میرا ایک مشورہ مان لو منصور تم یہاں آرام سے رہو اور حالات ساز گار ہونے کا انتظار کرو۔ پولیس کی سرگرمی جلد ختم ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ تم بے گناہ ہو۔

"اول تو یہ بات میری طبیعت کے خلاف ہے پروفیسر کہ میں دشمنوں سے منہ چھپا کر کسی گوشے میں بیٹھ جاؤں۔ دوم میں اپنی ماں اور بہن کی تلاش ترک نہیں کر سکتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم پروفیسر کہ وہ کہاں اور کس طرح زندگی گزار رہی ہیں۔"

"تمہارا دکھ میں سمجھتا ہوں منصور۔ میں جانتا ہوں کہ تم پر کیا بیت رہی ہے لیکن اس وقت وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔"

دیر تک میں پروفیسر سے گفتگو کرتا رہا۔ پروفیسر نے پہلی اور آخری بات یہی کہی تھی کہ میں اس کا مہمان بنا رہوں لیکن یہ بات کسی طور مجھے ہضم نہیں ہو سکی تھی۔ میں خاموش ہو گیا اور پھر پروفیسر مجھے خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ میرے لئے پھر وہی سوچ اور تنہائی تھی ..... دوسرا دن بھی گزر گیا۔ شام کی چائے پر پروفیسر موجود نہیں تھا۔ کوئی ملاقاتی آ گیا

تھا۔ اس لئے اس نے ڈرائنگ روم میں چائے طلب کرلی تھی۔ البتہ سرخاب میرے ساتھ چائے پینے آگئی تھی۔ اسے دیکھ کر میری آنکھوں میں پیار امڈ آیا۔

"کیسی ہو سرخاب؟"

"ٹھیک ہوں۔" سرخاب نخوت سے بولی اور اپنے بالوں کی لٹ سنوارنے لگی۔

"ایک درخواست کروں سرخاب؟" میں نے کہا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگی۔ "بالوں کو اس لٹ کو اسی طرح پڑا رہنے دو۔"

"کسی کی ذات پر اتنی توجہ مناسب نہیں ہوتی منصور صاحب!" سرخاب نے کہا اور چائے بنانے لگی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ پھر میں نے کچھ نہیں کہا اور چائے پینے میں مشغول ہوگیا۔ سرخاب نے بھی مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ میں نے بھی اسے مزید پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

یہ رات بھی گزر گئی۔ تیسرے دن صبح کے ناشتے پر پروفیسر نے کہا۔ "میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ ممکن ہے واپسی میں کچھ دن لگ جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کو بور نہیں کرو گے۔"

"کہاں جا رہے ہیں ڈیڈی؟" سرخاب کسی قدر بے چین ہو کر بولی۔

"بھئی میرے ایک دوست نے دعوت دی ہے۔ اس کے ہاتھ کچھ نایاب کتابیں لگی ہیں۔ میں انہیں دیکھنے جاؤں گا۔ فون پر بات ہوئی تھی۔"

پھر دس بجے پروفیسر مجھے آرام سے قیام کرنے کی ہدایت کر کے چلا گیا اور میں اپنے دلچسپ مشاغل میں ڈوب گیا۔ یعنی اپنے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر مجھے سرخاب کا خیال آیا' اور میں اپنے کمرے سے نکل کر اس کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دستک دی اندر سے سرخاب کی آواز سنائی دی۔ اس نے اندر آنے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ بستر پر دراز تھی مجھے دیکھ کر جلدی سے اٹھ گئی۔

آیئے... تشریف رکھیے۔"

"شکریہ۔ آپ بھی گوشہ نشینی زیادہ پسند کرتی ہیں۔"

"جی ہاں۔ عادی ہوں۔ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ یہاں پر؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں نے تو ساری زندگی کوئی ایسی آرام دہ قیام گاہ نہیں دیکھی۔ آپ نے بال بہت کس کر باندھے ہوئے ہیں اور اپنے رخسار کو پھر اس حسین لٹ سے محروم کر دیا ہے۔" میں نے پھر شرارتاً کہا اور سرخاب کے چہرے پر بے چینی کے نقوش ابھر آئے۔

"دیکھئے براہ کرم برا نہ مانئے۔ میں اپنی ذات پر تبصرہ پسند نہیں کرتی۔ مجھے آپ کی یہ بات دونوں دفعہ بری محسوس ہوئی ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ آپ بالوں کی اس لٹ کو یونہی پیشانی سے رخسار تک آنے کی اجازت دے دیا کریں۔ جس طرح پہلے وہ آپ کے رخسار پر جھولتی رہتی تھی۔"

"مجھے اخلاق کا درس دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ لیجئے۔" سرخاب نے جھلاہٹ میں سارے بال بے ترتیب کر دیئے۔ اب کئی لٹیں اس کے رخسار پر جھولنے لگی تھیں۔ مجھے ہنسی آگئی۔ لیکن سرخاب کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

"شکریہ۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ نے یہ نہیں پوچھا سرخاب کہ میں پروگرام کے مطابق یہاں سے گیا کیوں نہیں؟"

"میں نے عرض کیا نا کہ میں نہ تو اپنی ذات پر کسی کی گرفت پسند کرتی ہوں اور نہ خود کسی کو گرفت میں لینا چاہتی ہوں۔ یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔"

"کل تک آپ مجھے تم کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں۔ بڑی بے تکلفی اور اپنائیت تھی۔"

"بعض اوقات مجھے اپنی بے تکلفی کی عادت سے شرمندگی ہوتی ہے۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں' اس تخاطب پر منصور صاحب۔"

"گویا آپ مجھے وہ بے تکلفی اور وہ اپنائیت نہیں دے سکتیں۔"

"یہ بات نہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ بے تکلفی کے اس انداز میں آپ کا احترام کم ہو جاتا ہے اور مہمان کا احترام فرض ہے۔" سرخاب نے جواب دیا۔ میں اس کے لہجے کی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں اس بے چینی سے لطف اندوز ہوتا رہا اور پھر وہاں سے نکل آیا۔

پروفیسر نے مجھ جیسے انسان سے جس محبت کا سلوک کیا تھا وہ میرے لئے بالکل اجنبی تھا اور اس پر سخت حیرت ہوئی تھی۔ پھر یہ حیرت' محبت اور احترام میں بدل جاتی تھی۔ لیکن انتظار۔ اپنی ذات کے گم ہو جانے کے انتظار میں ایک طویل وقت گزارنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ میں صرف اپنی زندگی کی حفاظت نہیں چاہتا تھا۔ میرے سامنے تو ایک مشن تھا اور میں اس مشن کو چھوڑ کر ایک پناہ گزین کی زندگی نہیں اپنا سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے پروفیسر کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے سرخاب کو بھی کچھ نہیں بتایا اور خاموشی سے باہر نکل آیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ طارق کی کار کا کیا ہوا؟ یقیناً وہ گیراج میں بند ہو گی لیکن اس کا استعمال کسی طور مناسب نہیں تھا اول تو کار کی چابی ہی میرے پاس نہیں تھی اگر سرخاب سے مانگتا تو اسے علم ہو جاتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ وہ کار فوری طور پر پولیس کی نگاہ میں آسکتی تھی۔

دن کی روشنی میں تو کبھی اس کوٹھی کے جائے وقوع کا جائزہ بھی نہیں لے سکا

تھا۔ اس وقت یہ سارا ماحول میرے لئے اجنبی تھا لیکن ذیلی سڑک سے بڑی سڑک تک پہنچنا میرے لئے مشکل نہ تھا۔ میں سڑک کے کنارے کنارے چل پڑا۔ پھر میں نے ایک گزرتی ہوئی سوزوکی وین کو رکنے کا اشارہ کیا۔ وین ایک نوجوان دیہاتی چلا رہا تھا۔ عقب میں مرغیوں کے پنجرے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے اس سے لفٹ مانگی اس نے مجھے شہر میں اتار دیا۔ جہاں کی ہر گلی ہر کوچہ میری تاک میں تھا۔ میں لوگوں کی نگاہوں سے چھپتا چھپاتا سیٹھ جبار کی کوٹھی تک پہنچ گیا اور پھر چور دروازے کے ذریعے امجد بھائی کے کوارٹر تک پہنچ گیا۔ عقبی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو امجد بھائی موجود تھے۔ میں نے آہستگی سے امجد بھائی کو آواز دی۔ فاصلہ ہی کتنا تھا۔ امجد بھائی میری طرف متوجہ ہو گئے اور پھر مجھے پہچان کر ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اور دانت بھینچ کر بولے۔

"اندر آ جاؤ۔ جلدی کرو۔" اور میں کھڑکی کے راستے اندر داخل ہو گیا۔ امجد بھائی نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ پھر کھڑکی بھی بند کر کے اندر کی بتی جلاتے ہوئے بولے۔

"تم منصور۔ تم جیل سے چھوٹ گئے؟"

"آپ نے مجھے پہچان لیا امجد بھائی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہ پہچاننے کی کیا بات ہے؟ لیکن منصور تم نے۔ تم نے بلاوجہ اپنی زندگی ختم کر لی۔"

"جو کچھ ہوا امجد بھائی۔ وہ میری تقدیر ہے۔ آپ کا خوفزدہ ہونا بھی بجا ہے۔ آپ بال بچوں والے آدمی ہیں۔ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ صرف یہ بتا دیں کہ میری ماں اور بہن کی کچھ خبر ہے؟"

"بھابی اور فریدہ؟ جیل سے چھوٹنے کے بعد وہ تمہیں نہیں ملیں؟"

"نہیں امجد بھائی۔ کیا آپ کو ان کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

"خدا کی قسم نہیں۔ حالانکہ تمہارے لئے میرا دل روتا تھا منصور لیکن بیٹے میں بھی مجبور تھا۔ اپنا وہ حال نہیں کرنا چاہتا تھا جو تمہارا ہوا..... پھر سیٹھ کو مجھ پر شبہ بھی تھا۔ میں تو یہاں زندگی صرف اس لئے گزار رہا ہوں منصور کہ کہیں اور نوکری نہیں کر سکتا کیونکہ سیٹھ کے دھندوں سے واقف ہوں ورنہ کبھی کا یہ جگہ چھوڑ گیا ہوتا۔" امجد بھائی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں بڑی امید لے کر آپ کے پاس آیا تھا امجد بھائی۔" میں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا اور امجد بھائی کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

"کاش میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا۔ گھر کی طرف گئے تھے؟"

"ہاں گھر جوئے کا اڈہ بنا ہوا تھا اور اب میرے اوپر قتل کا نیا الزام عائد کیا گیا ہے لیکن میں خوفزدہ نہیں ہوں امجد بھائی۔ امی اور فریدہ مل جائیں انہیں کسی مناسب مقام پر

پہنچا دوں۔ پھر ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ مجھے صرف یہ خطرہ ہے..... کہ کہیں امی اور فریدہ بھی سیٹھ جبار کی کسی سازش کا شکار نہ ہو گئی ہوں۔"

"خدا بہتر جانتا ہے بیٹے۔" امجد بھائی بے چارگی سے بولے۔

"امجد بھائی کیا آپ کو طارق کی رہائش گاہ معلوم ہے؟"

"آوارہ گرد انسان ہے۔ ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے امجد بھائی۔ میں تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ اس وقت تک آپ کے پاس نہیں آؤں گا جب تک آپ ہر خطرے سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔" امجد بھائی کچھ نہ بولے اور میں اسی کھڑکی کے راستے باہر نکل آیا پھر کسی حادثے کے بغیر ہی اس منحوس کوٹھی سے باہر نکل گیا۔ لیکن یہاں سے کہاں جاؤں؟ جیب میں کچھ بھی نہیں تھا بغیر پیسوں کے تو کوئی کام بننا مشکل ہے۔ پیسے۔ میں نے راہ چلتے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ ان لوگوں کی جیبوں میں جو کچھ ہے میرا اپنا ہے۔ کسی سے کچھ بھی لے لوں۔ میں نے خونخوار نگاہوں سے راہ گیروں کو دیکھا۔ انگلیوں کا کمال میں نے جیل میں سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ میں ایک ایسے شخص کی تلاش میں لگ گیا جس کی جیبیں بھری ہوئی ہوں۔ پھر ایک بازار میں، میں نے ایک جوڑے کو تاک لیا اور اس کے بٹوے کو اپنی جیب میں منتقل کرنے کے لئے آگے بڑھا لیکن مجھ سے قبل ہی ایک "ضرورت مند" اس تک پہنچ گیا میں نے صاف محسوس کیا تھا کہ اس "ضرورت مند" نے "لاسا" ڈالا اور سیاہ رنگ کا ایک موٹا سا پرس اس کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ "دھت تیرے کی" پہلا نشانہ ہی چوک گیا میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ دبلا پتلا ضرورت مند ایک ذیلی سڑک پر مڑ گیا اور نہ جانے کیا سوچ کر میں تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ وہ گلی میں اطمینان سے جا رہا تھا۔ میں نے عقب سے اس کا کالر پکڑ لیا۔ دبلا پتلا نوجوان لڑکا خوفزدہ انداز میں پلٹا۔

"آدھا آدھا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا اور لڑکے کے چہرے پر حیرت کے نقوش ابھر آئے۔

"ارے استاد؟" وہ تعجب سے بولا۔

"ترپ لگا رہے ہو چلتے رہو۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماں کی آنکھ۔ تم سے ترپ لگاؤں گا استاد! لو بٹوا رکھو۔" لڑکے نے پرس نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"میں تمہیں پہچان گیا ہوں استاد! جیل میں دیکھا تھا۔ جلال بابا کے ساتھ۔ تم نے جگے کو پھینٹی لگائی تھی، ایک دن۔ مزا آ گیا تھا استاد۔ بھلا بھول سکتا ہوں تمہیں۔" لڑکا مسکرا کر بولا۔

"ہوں۔ تو تم جیل میں تھے؟"

"لو۔ سسرال ہے اپنی آتے جاتے رہتے ہیں۔" وہ ہنس پڑا۔ اور میرے ذہن ایک نئے خیال نے جنم لیا۔ ایک شناسا شہر میں۔ ایک ایسا شخص جو کسی کام آ سکے۔ ہے لڑکا کام کا ہی ثابت ہو۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"ایاز۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ رکھ لو اب تم شناسا ہی نکل آئے۔ ویسے میں نے اسے تاکا تو لیکن کوئی بات نہیں ہے۔"

"ارے تم رکھ لو استاد۔ اپن کسی سے کہیں گے تھوڑی۔ ویسے چمن کے علا میں کام مت کرنا استاد۔ بہت حرامی ہے۔ میرا تو خیال ہے اس کے کسی گرگے نے میرا دیکھ لیا ہو گا۔ تم ایسا کام کرو۔ آدھی رقم رکھ لو۔ بٹوا میں اس سالے کو دے دوں گا۔ اس کونے پر ہوٹل ہے۔ وہاں چلیں۔" ایاز نے ایک طرف اشارہ کیا اور ہم دونوں ہو کی طرف بڑھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل کے ایک کیبن میں بیٹھے چائے کی چسک لے رہے تھے۔ "تو تم یہی کام کرتے ہو ایاز؟"

"دس سال کی عمر سے یہی کام کر رہے ہیں منصور بھیا۔ پہلے یتیم خانے میں مگر وہاں مار بہت پڑتی تھی۔ وہاں سے بھاگے تو استاد چمن کے ہاتھ لگ گئے۔ اس نے سکھایا اور اب اس کے اڈے کے لئے کام کرتے ہیں۔ اچھی گزر رہی ہے۔ ویسے چمن حرامی ہے کبھی دو چار سو مار لو تو سالا سزا کے طور پر جیل بھجوا دیتا ہے اور ضمانت بھی کراتا۔ ٹھیک کام کرتے رہو تو مجال ہے پولیس والے آنکھ اٹھا کر دیکھ جائیں۔"

"رہتے بھی اسی کے پاس ہو؟"

"نہیں استاد۔ رہتے تو گریسی لین میں ہیں۔ ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر رکھا ہے۔ استاد کسی کو رکھتا نہیں ہے۔" ایاز نے جواب دیا۔

"کوئی ٹھکانہ نہیں ہے یار۔ تم کوئی جگہ دلوا سکتے ہو؟"

"تو پھر اپن کے ساتھ رہو یار! مکان چھوٹا ہے پر دو کمرے ہیں۔ پکی چھ والے اور صحن بھی ہے۔ کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ ایمان سے اپن خلوص سے کہہ ہیں۔ اپنا بھی سالا دل نہیں لگتا۔ اگر کہو گے تو کام بھی لگوا دیں گے چمن کے ہاں۔ ایسے کرنا خطرناک ہوتا ہے۔"

"میں یہ کام نہیں کرتا ایاز۔ وہ تو بس پیسوں کی ضرورت تھی اس لئے اس کو تاکا تھا۔ جس پر تم نے ہاتھ صاف کر دیا۔" میں نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ تم اپنا کام کرنا اور نہ بھی کرو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اپنا

تمہیں بھائی کہا ہے۔ ایمان سے نبھا دیں گے۔" ایاز کے لہجے میں خلوص ہی خلوص تھا۔ میں گردن جھکائے سوچتا رہا اور پھر ایک گہری سانس لے کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس کے ساتھ قیام پر آمادگی ظاہر کر دی۔ ایاز خوش ہو گیا دیر تک ہم ہوٹل میں بیٹھے رہے۔ پھر ایاز نے جیب سے پرس نکالا اور رقم کا جائزہ لے کر اس سے کافی نوٹ کھینچے اور میری جیب میں ٹھونس دیئے۔ "یہ رکھ لو منصور بھائی۔ عیش سے خرچ کرنا۔ اپن دھندہ کر لیں۔ ٹھیک چار بجے اسی ہوٹل میں مل جانا۔ اپنی ڈیوٹی چار بجے ختم ہوتی ہے۔ ہم تمہیں لے کر چمن کے اڈے پر چلیں گے اور پھر چھٹی ہو جائے گی تو گھر چلیں گے۔ ہم تو ابھی تمہیں گھر لے چلتے مگر چمن کے سپروائزر چیکنگ کرتے رہتے ہیں۔ ڈیوٹی کے ٹائم گھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ سالا سوچتا ہے مال چھپانے گئے ہیں۔ تو چلو گے چار بجے۔"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا اور میں کیبن کی کرسی سے ٹک گیا۔ تقدیر کے تماشے بھی کیا خوب ہوتے ہیں۔ کہاں سے کہاں پہنچ گیا لیکن اب نہایت ہوشیاری سے کام شروع کرنا تھا۔ سڑکوں پر زیادہ آوارہ گردی مناسب نہیں تھی۔ کسی کی نگاہ پڑ جانے کا خدشہ تھا۔ ویسے میں نے سوچا تھا کہ اپنا حلیہ بدل لوں گا تاکہ خطرہ کم ہو جائے۔ کئی گھنٹے اس ہوٹل میں گزار دیئے۔ دوپہر کا کھانا بھی یہیں کھایا۔ پھر یہاں سے نکل کر تھوڑی دیر تک ٹہل قدمی کی اور چار بجے واپس ہوٹل پہنچ گیا۔ ایاز اسی کیبن میں موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھا اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔

"چمن اس بات پر اعتراض تو نہیں کرے گا کہ تم مجھے اس کے اڈے پر لے گئے؟"

"ڈرتا ہی کس سے ہے حرامی۔ بڑا دلیر ہے۔ کسی کی پروا نہیں کرتا۔ میں اس سے کہوں گا کہ تم میرے ماموں زاد بھائی ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی اور ایاز مجھے لے کر اڈے پر پہنچ گیا۔ چمن استاد معمولی سی جسامت کا آدمی تھا۔ پورے وجود میں صرف اس کی آنکھیں خطرناک محسوس ہوتی تھیں کسی ہپناٹسٹ کی آنکھوں کی مانند۔ ذہن کی گہرائیوں میں اتر جانے والی۔ تخت پر لڑکوں کی گڈیاں سجی ہوئی تھیں۔ پرس زیورات اور نہ جانے کیا کیا۔ ایاز کے ساتھ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں سوالیہ انداز پیدا ہوا تھا۔

"ماموں کا بیٹا ہے استاد۔ بہت دنوں بعد ملنے آیا ہے۔ نوکری کرے گا اس شہر میں۔" ایاز نے انکسار سے کہا۔

"ماموں کا بیٹا۔ نوکری کرے گا۔ اگر نوکری کرے گا تو پھر یہاں کیوں لائے ہو؟" چمن نے بھاری لہجے میں کہا۔

"میں نے سوچا کہ کیوں نہ اسے استاد کی ہی خدمت میں لے چلوں۔" ایاز کسی

قدر سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ہوں! ادھر آؤ۔" چمن نے کہا اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ "ہاتھ سامنے دو۔" وہ پھر بولا اور میں نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیئے۔ استاد میری انگلیاں ٹٹولنے لگا۔ لیکن اس کے ہاتھوں کی فولادی سختی کو میں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا۔ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خوب۔ اچھا کیا جو یہاں لے آئے۔ بات کر لی ہے اس سے۔"

"نہیں استاد۔ پہلے آپ کی اجازت ضروری تھی۔"

"کل صبح لے آنا۔ جاؤ سیر تفریح کراؤ۔ شہر دکھاؤ اسے۔ اس نے چند نوٹ ا ایاز کو دے دیئے اور وہ سلام کر کے میرے ساتھ باہر نکل آیا۔

"میرا خیال ہے استاد نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔" ایاز نے ایک رکشہ ر ہوئے کہا اور ہم دونوں رکشہ میں بیٹھ کر چل پڑے اور ایک گندی سی بستی میں ر روکا۔ میں اس شہر میں رہنے کے باوجود کبھی اس طرف نہیں آیا تھا۔ بہرحال ایاز نے ا مکان کا تالا کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ بھی بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے جلدی چارپائی پر نئی چادر بچھائی اور پھر بولا۔ "نہا لو منصور بھیا۔ پھر بازار چل کر تمہارے ریڈی میڈ کپڑے خرید لیں گے۔ آج تو عیش ہیں۔ میرا خیال ہے تین چار ہزار روپے میرے پاس۔"

"آج آرام کریں ایاز کل دن میں دیکھیں گے۔" میں نے کہا اور ایاز نے گر ہلا دی۔

"چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔ رات کو کسی ہوٹل سے کھانا لے آؤں گا۔ چا بناؤں؟"

"بناؤ۔ پھر باتیں کریں گے۔" میں نے کہا اور ایاز باہر نکل گیا۔ میں چارپائی بیٹھ کر ان حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔ ایاز سے اس طرح ملاقات اور اس کا خلو اس وقت میرے لئے ایک زبردست سہارا بن گیا تھا۔ کاش کوئی بہتر سہارا اس وقت ملا ہو جب میں ایک نیک فطرت انسان تھا۔ ایاز چائے بنا لایا اور میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"سچ کہہ رہا ہوں منصور بھیا۔ اتنی خوشی مجھے کبھی نہیں ہوئی۔ پہلی بار کو میرے گھر آیا ہے۔ ورنہ میں تو اسے خالی دیکھنے کا عادی ہوں۔"

"ایک خالی گھر میرا بھی ہے ایاز۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"تمہیں جیل کس سلسلے میں ہوئی تھی بھیا؟"

"ناکردہ گناہ تھا۔ ایک سیٹھ سے چل گئی تھی۔ اس نے چرس فروشی کے الز میں پھنسا دیا تھا۔" میں نے مختصراً کہا۔ اب ہر ایک کو تو اپنی کہانی نہیں سنا سکتا تھا۔

"اوہ یہ بڑے آدمی۔ میں کیا کہوں انہیں۔"

"نہیں ایاز لیکن میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ میری ایک ماں اور چھوٹی بہن بھی تھیں۔ جیل جانے کے بعد وہ در بدر ہو گئیں۔ میں انہیں تلاش کر رہا ہوں۔"

"کچھ پتہ چلا؟" ایاز نے ہمدردی سے پوچھا۔

"کچھ پتہ نہیں چلا ایاز۔ سیٹھ پھر ایک چال چل گیا ہے۔ اس نے مجھے قتل کے الزام میں پھنسا دیا ہے اور میں مفرور ہوں۔ پولیس میری تلاش میں ہے دوست۔ میں نے یہ بات تمہیں اس لئے بتا دی ہے کہ تم کسی غلط فہمی کا شکار نہ رہو۔ میری وجہ سے تم بھی کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہو۔" میں نے کہا اور ایاز چند لمحات کے لئے خاموش ہو گیا پھر بولا۔

"کرتوت اپنے بھی کونسے اچھے ہیں منصور بھیا۔ پھنس گئے تو دیکھا جائے گا۔ تم اپنا حلیہ بالکل بدل لو اور اپنی ماں اور بہن کو تلاش کرو۔ ایاز تمہاری پوری مدد کرے گا۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھو۔ تمہاری راتیں یہیں گزرنی چاہئیں۔ دیکھو منصور بھیا! اپن کا بھی کوئی نہیں ہے۔ یتیم خانے میں آنکھ کھولی ہے آج تک پتہ نہیں کہ میرا باپ کون تھا اور ماں کون تھی۔ بس کچھ لوگوں کو دیکھا جو مارتے تھے اور بھیک منگواتے تھے۔ ان کی آنکھوں میں کبھی رحم نہیں آیا۔ اپن کو کھانے کو اس طرح ملتا تھا جیسے کتوں کو۔ وہاں سے بھاگے تو چمن کے ہاتھ لگے اور زندگی کے بارے میں' میں نے سوچنا چھوڑ دیا۔ لیکن محبت اور دوستی کی ضرورت کسے نہیں ہوتی۔ تمہیں بھیا کہا ہے تو قول نبھائیں گے چاہے گردن تخ کیوں نہ ہو جائے۔ تمہارے دشمن ہمارے دشمن' تمہارے دوست ہمارے دوست اور پھر ماں اور بہن مل گئیں تو اپن بھی اپنا ایک چھوٹا سا گھر بنائیں گے۔ تمہاری ماں' ہماری بھی ماں ہو گی اور تمہاری بہن اپن کی بہن۔ ہم بھی ماں بہن والے ہو جائیں گے منصور بھیا۔ شریف آدمی ایک دم فس کلاس۔" ایاز کی آنکھوں میں سنہرا مستقبل جھانک رہا تھا۔ اور میں ایک برے آدمی کے اندر جھانک رہا تھا۔ کیا انسان اتنا ہی برا ہوتا ہے یا حالات سب کو میری مانند بنا دیتے ہیں؟

ایاز کی آنکھوں میں خواہش مچل رہی تھی۔ میں اس کے جذبات کی سچائی کو سمجھ رہا تھا اور کچھ دیر بعد بولا۔ "اور پھر بھیا تم شمو سے میری شادی کرا دینا بڑی اچھی لڑکی ہے مگر کہتی ہے کہ تمہارا کوئی کام دھندہ نہیں ہے۔ میرے ماں باپ کیسے مانیں گے۔"

"وہ کہاں رہتی ہے؟" میری ذہنی کیفیت بدل گئی۔

"اس سڑک کے آخری گھر میں۔ شریف ماں باپ کی بیٹی ہے بس اپن سے آنکھ لڑ گئی۔" ایاز نے جھینپے جھینپے لہجے میں کہا۔

"وعدہ کرتا ہوں ایاز۔ اگر کبھی اچھی زندگی نصیب ہوئی اگر ماں اور بہن مل گئیں

تو تیرے لئے بہت کچھ کروں گا۔"

"ارے کیسے نہیں ملیں گی ان کے دو دو بیٹے جو انہیں تلاش کریں گے پر تمہیں کس کے قتل کے الزام میں پھنسایا گیا ہے بھیا؟"

"تفصیل پھر کبھی بتاؤں گا ایاز۔ اس وقت دل نہیں چاہ رہا۔ ہاں اس چمن کے بارے میں اور کچھ بتاؤ۔ بڑی عجیب و غریب شخصیت کا مالک ہے۔"

"بے حد خطرناک ہے پورا علاقہ اس سے کانپتا ہے۔ کبھی نہیں پھنستا۔ پولیس تو اس کی مٹھی میں ہے تمہارے لئے بھی بڑے کام کا آدمی ثابت ہو گا۔"

"شاید۔" میں نے پر خیال انداز میں کہا۔

"کل چلو گے اس کے پاس؟" ایاز نے پوچھا۔

"میری زندگی کا مقصد کچھ اور ہے ایاز۔ کیا کروں گا جا کر۔" میں نے کہا۔

"ارے تو کیا نہیں چلو گے؟" ایاز کا چہرہ اتر گیا۔

"کیوں۔ تم پریشان کیوں ہو گئے ہو؟"

"میں نے کہا نا۔ بڑا حرامی ہے وہ۔ ہنسی ہنسی میں بات کہتا ہے اور جو کہتا ہے اسے ہر قیمت پر پورا کرتا ہے۔ نہ ماننے والے کا دشمن بن جاتا ہے۔ تم یقین کرو اس نے آج تک کسی سے ایسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ مجھے تو حیرت ہے ویسے کافی تعلیم یافتہ ہے۔ موٹی موٹی کتابیں پڑھتا رہتا ہے اور ہاتھ کی لکیریں بھی دیکھتا ہے اتنی سچی باتیں بتاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔"

"کمال ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کام ہی آئے گا منصور بھیا۔ میری وجہ سے چلنا۔ ورنہ میری کم بختی آ جائے گی۔" ایاز گڑگڑانے لگا اور میں نے شانے ہلا دیئے۔

"تیری مرضی ایاز۔ ورنہ میری زندگی کا مقصد تو کچھ اور ہی ہے۔"

"تمہارے اوپر ضرورت سے زیادہ ہی مہربان ہو گیا ہے عام طور پر اس طرح سے کسی کو قبول نہیں کرتا۔"

"ٹھیک ہے ایاز۔" میں نے کہا پھر ہم شمو کے بارے میں گفتگو کرنے لگے اور ایاز شرما شرما کر اس سے ملاقاتوں کی تفصیل بتانے لگا۔

"کسی وقت تم سے ملاؤں گا بھیا۔ اس کو بتاؤں گا کہ اب میں بھی گھریلو آدمی ہوں۔ اب تم یہیں رہو بھیا۔ ماں جی اور بہن کی تلاش کے لئے مل کر پروگرام بنائیں گے۔"

"میں مستقل یہاں نہیں رہ سکوں گا ایاز۔"

"کیوں بھیا؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں ایاز کہ پولیس میری تلاش میں ہے۔ نہ جانے کب کیا کرنا پڑے۔ پولیس سے بھی بچنا ہے اور ان دشمنوں سے بھی اور پھر ان سے بدلہ بھی لینا ہے۔ اس لئے کسی ایک جگہ قیام مناسب نہیں ہو گا۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ تو پھر ایسا کروں گا آج ہی ایک نیا تالا خرید لاتا ہوں جس کی دو چابیاں ہوں گی ایک تمہارے پاس رہے گی' دوسری میرے پاس۔ جب دل چاہے آ جانا اور جب جی چاہے چلے جانا۔"

اگلے دن تیار ہونے کے بعد ہم چمن کے اڈے پر پہنچ گئے۔ اڈہ اس وقت خالی پڑا تھا۔ ایاز مجھے لئے ہوئے ایک کمرے میں پہنچ گیا۔ چمن آنکھوں پر چشمہ چڑھائے آرام کرسی پر دراز ایک موٹی سی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ ہماری آہٹ پر اس نے گردن اٹھائی اور پھر مجھے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"آؤ دوست۔ ٹھیک ہے ایاز۔ تم جا سکتے ہو۔" اس نے پروقار انداز میں کہا۔ صورت سے وہ بدمعاش معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ایک سنجیدہ اور پروقار سی شخصیت کا مالک جسے دیکھ کر ذہن میں کوئی برا تاثر نہیں ابھرتا تھا۔

"بیٹھو۔" اس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ چمن کی نگاہیں مجھے ٹٹول رہی تھیں۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اجنبی ہو اس شہر میں؟"

"ہاں۔"

"اور نوکری کرنے آئے ہو؟"

"ہاں۔" میں نے مختصراً کہا۔

"میں ایک برے پیشے سے منسلک ہوں دوست لیکن اس کے علاوہ میرے چند دلچسپ مشاغل اور ہیں۔ مثلاً چہرہ شناسی اور دست شناسی۔ محسوس نہ کرو تو میں تمہارے ہاتھ کی لکیریں دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا اور آگے کھسک آیا۔ میں نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اس کے آگے کر دیا اور وہ دیر تک میرے دونوں ہاتھوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر سیدھا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"لکیروں کی زبان بڑی سچی ہوتی ہے۔ تم ایاز کے بھائی نہیں ہو۔" چند ساعت کے بعد اس نے کہا۔ "کچھ گم ہو گیا ہے تمہارا۔ دشمنی ہے کسی سے۔ بھٹکے ہوئے ہو۔ کسی شدید ذہنی الجھن کے شکار۔" اور میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ کیا ہاتھ کی لکیریں ایسے اہم راز کھول دیتی ہیں یا پھر اس شخص کی ذات میں اور کوئی گہرائی ہے ..... ممکن ہے میں کسی غلط آدمی کے سامنے آ گیا ہوں۔ میرے دل میں پریشانیاں سر ابھارنے لگیں۔

"بہرحال میں اپنے فن سے جنون کی حد تک عشق کرتا ہوں۔ عام لوگوں کو یہاں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ ممکن ہے ایاز کو تمہارے یہاں لانے پر سرزنش کرتا لیکن تمہارے چہرے کی لکیروں نے مجھے تمہاری طرف متوجہ کر دیا۔ دیکھو دوست تم جو کچھ بھی ہو مجھے اس سے سروکار نہیں ہے۔ میں ایک برا آدمی ہوں لیکن بعض اوقات ہم برے لوگ غیر فطری طور پر اچھائیوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں تم اگر پریشان ہو تو میں تمہاری ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہوں۔ اگر ضرورت محسوس کرو تو آ جانا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور گردن جھکائے سوچتا رہا۔ کچھ وقت خاموشی سے گزر گیا تب میں نے اس سے اجازت چاہی۔

"نہیں۔ دوپہر کا کھانا میرے ساتھ ہی کھاؤ۔ اس کے بعد چلے جانا۔" میں نے معذرت کی تو وہ اصرار کرنے لگا۔ دوپہر کے کھانے تک مجھے رکنا پڑا۔ اس کے بعد میں اس سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔

رکشہ لے کر ایاز کے گھر کی طرف چل پڑا۔ دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔ میرا اب بھی یہی خیال تھا کہ وہ کافی مشتبہ شخصیت ہے اور اسے میرے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ معلوم ہے۔ ایاز کے مکان پر پہنچا تو تالا لگا ہوا تھا۔ ایاز کی دی ہوئی چابی کام آئی اور میں اندر داخل ہو گیا۔ ممکن ہے ایاز مجھے لینے ہی گیا ہو میں اس کا انتظار کرتا رہا..... اور سوچتا رہا۔ ان حالات میں تو یہاں رکنا مشکل ہی ہو جائے گا۔ خواہ مخواہ بے چارا ایاز بھی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا وہ شخص کافی خطرناک معلوم ہوتا ہے؟

ایاز رات کو تقریباً دس بجے واپس آیا اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ لباس بھی بے ترتیب تھا۔ عجیب حلیہ ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے ایاز۔ کوئی خاص بات ہو گئی؟"

"ہاں منصور بھیا۔ کل تمہارا' وہاں لے جانا غلط ہو گیا۔ کاش میں ایسا نہ کرتا۔" ایاز نے افسردہ لہجے میں کہا اور میں چونک پڑا۔

"ہوا کیا ایاز؟"

"اس حرامی نے تمہارا ہاتھ دیکھا تھا؟"

"ہاں یقین کرو بڑی شیطانی قوتوں کا مالک ہے۔"

"میں واپس وہاں گیا تو مجھ سے کہنے لگا کہ بابو کون ہے۔ تیرا بھائی تو نہیں ہو سکتا۔ میں نے کہا استاد میرا ماموں زاد بھائی ہے۔ تو بس بگڑ گیا اور اس کے بعد کمبخت نے اچھی خاصی پٹائی کر دی۔ تب میں نے تھوڑی سی حقیقت اگل دی منصور بھائی۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔" ایاز نے گردن جھکالی۔

"تم نے اسے کیا بتایا ایاز؟"

"یہی کہ میری تم سے ملاقات جیل میں ہوئی تھی۔ اور ان دنوں تم پولیس سے ...ے پھر رہے ہو۔ اس نے پوچھا کہ چکر کیا ہے تو میں نے بڑی مشکل سے اسے یقین دلایا ...تم نے مجھے بھی نہیں بتایا کہ پولیس تمہاری تلاش میں کیوں ہے؟" ایاز نے جواب دیا۔

"ہوں۔" میں نے گردن ہلائی۔ "ٹھیک ہے ایاز۔ اس حد تک تو کوئی بات ...یں--- تم فکر نہ کرو--- لیکن تمہارا کیا خیال ہے کیا چمن کو مجھ پر پہلے ہی کوئی شبہ ...یں ہو گیا تھا۔ میرا خیال ہے وہ پہلی ہی نگاہ میں کسی شک میں گرفتار ہو گیا تھا۔ ورنہ اسے ...سی بے کار---------- آدمی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"ممکن ہے بھیا بس وہ کمبخت عجیب و غریب فطرت کا مالک ہے بعض اوقات ...یں ہی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ اس لئے میں نے سوچا تھا کہ..................."

"بہرحال میں بھی موم کا بنا ہوا نہیں ہوں ایاز! دیکھ لوں گا' سب کو دیکھ لوں ...ا۔"

ایاز دیر تک شرمندگی کا اظہار کرتا رہا پھر اس نے رات کے کھانے کے بارے ...ں پوچھا..... اس سے معذرت کرتے ہوئے میں نے کہا کہ چمن نے اصرار کر کے مجھے اتنا ...کھلا دیا تھا کہ اس وقت کھانا گول کرنا پڑے گا۔ ویسے بھی طبیعت میں گرانی ہے اور پھر میں ...نے سونے کا فیصلہ کر لیا۔ ایاز کی نیند بہت کچی تھی۔ لیٹنے کے تھوڑی دیر بعد سو گیا لیکن میں ...ت کچھ سوچ رہا تھا اگر وہ بدبخت شخص بھی کسی طرح جبار سیٹھ کا آلہ کار نکلا تو پولیس ...ت جلد یہاں بھی پہنچ جائے گی اور مجھے پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی کچھ کر لینا چاہئے۔ ...چنانچہ میں خاموشی سے اٹھا اور ایاز کے مکان سے باہر نکل آیا۔ کافی دور تک میں پیدل چلتا رہا پھر ایک سڑک پر آ کر ایک ٹیکسی روکی۔

"سپر اسٹار چلنا ہے دوست۔ کرایہ دونوں طرف کا دوں گا۔" میں نے ڈرائیور ...ے کہا۔

"اس وقت جناب۔ چوکی سے آگے جانا ہے یا پیچھے ہی؟" ڈرائیور نے مجھے مشتبہ ...نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تھوڑا سا آگے۔ وہ جو سرخ کوٹھی ہے نا۔ میرے ماموں وہاں رہتے ہیں بس ...وہیں جاؤں گا۔ تم کرایہ ایڈوانس رکھ لو۔"

"چلو صاحب۔ حالانکہ رات کا وقت ہے مگر کوئی بات نہیں۔ یہ کالا ناگ کس ...لئے خریدا ہے؟" ڈرائیور نے پستول نکال کر مجھے دکھایا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ مجھے انتباہ کر ...رہا تھا کہ وہ مسلح ہے اور میں کوئی گڑبڑ کروں گا تو اسے پستول سے نمٹنا پڑے گا۔ سڑکیں ...سنسان تھیں اس لئے ڈرائیور نے رفتار ستر اسی سے نیچے نہ گرنے دی اور بہت جلد مجھے

میری مطلوبہ جگہ پہنچا دیا۔

"بہت بہت شکریہ۔ آگے سڑک کچی ہے میں یہ فاصلہ پیدل طے کر لوں گا۔ میں نے ٹیکسی رکواتے ہوئے کہا۔ ڈرائیور نے سلام کیا اور انتہائی تیز رفتاری سے واپس مڑ گیا۔ میں پروفیسر شیرازی کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ پروفیسر کی کوٹھی کے گیٹ کی تو میں نے صورت ہی نہیں دیکھی تھی اپنے مخصوص راستے سے میں اندر داخل ہو گیا۔

واقعی یہ جگہ میرے لئے بہترین پناہ گاہ تھی نہ جانے پروفیسر آیا یا نہیں۔ بہرحال صبح معلوم ہو جائے گا۔

دوسری صبح میں وقت پر تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ اتفاق سے سرخاب اس وقت سامنے ہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اچھل پڑی۔ ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر خوشی کے آثار ابھرے لیکن دوسرے لمحے پھر سرد مہری نے ڈیرے ڈال دیئے۔

"ہیلو سرخاب۔" میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہیلو۔ کہاں چلے گئے تھے آپ؟"

"پھر آپ۔ ویسے رخسار پر جھولنے والی اس لٹ کا شکریہ۔"

"کہاں چلے گئے تھے آپ؟" سرخاب نے پھر اسی انداز میں پوچھا۔ "آپ نے میری دوسری بات کا جواب نہیں دیا تھا۔"

"بس ایسے ہی سرخاب۔ میری وحشت مجھے لے گئی تھی۔"

"آیئے۔ ناشتے کے کمرے کی طرف چلیں۔ میں اسی طرف جا رہی تھی۔" وہ بدستور سرد لہجے میں بولی اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ ناشتے کی میز پر بیٹھ کر اس نے پہلے میرے لئے پھر اپنے لئے پلیٹ سیدھی کی اور اشارہ کر کے بولی۔

"پلیز.....!" میں نے شکریے کے ساتھ کچھ چیزیں قبول کر لیں۔

"پروفیسر واپس نہیں آئے۔" میں نے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔ فون آیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ دو تین دن اور لگ جائیں گے۔"

"اوہ۔ آپ نے میرے بارے میں بتا دیا ہو گا۔"

"جی ہاں۔"

"کچھ کہہ رہے تھے؟"

"نہیں خاموش ہو گئے۔ ویسے منصور صاحب اگر گستاخی نہ خیال فرمائیں تو ایک عرض کروں۔" سرخاب سنجیدگی سے بولی۔

"ضرور۔ فرمائیں۔"

"آپ ہمارے مہمان ہیں۔ ڈیڈی آپ کا احترام کرتے ہیں۔ انھوں نے مجھے بھی

ہدایت کی ہے کہ آپ کی دل شکنی نہ کی جائے لیکن عزت نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے منصور صاحب! آداب میزبانی ہوتے ہیں تو کچھ آداب مہمانی بھی ہوتے ہیں۔ آپ اتنی خاموشی سے چلے گئے۔ میں پریشان رہی اگر آپ بتا کر چلے جاتے تو بہتر تھا۔ اس کے علاوہ آپ منصور صاحب! میرے رخسار پر جھومنے والی لٹ سے بہت زیادہ دلچسپی کا اظہار فرما رہے ہیں اور بار بار اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ کیا آپ کی یہ دلچسپی میرے نسوانی وقار کو مجروح نہیں کرتی۔ میں یہ لٹ آپ کے لئے نہیں ڈالتی بلکہ اس انداز میں بال درست کرنا میری عادت ہے۔ کئی بار میرا دل چاہا کہ اس لٹ کو کاٹ دوں لیکن معاف کیجئے ایسا کرنے کے بعد میرے دل میں آپ کے لیے رنجش پیدا ہو جائے گی اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہوگا۔" مجھے اس وقت بھی سرخاب کی بات بری نہیں محسوس ہوئی تھی حالانکہ شاید اس کا خیال ہوگا کہ میرا ہاتھ کھاتے کھاتے رک جائے گا اور میں سکتے کے عالم میں رہ جاؤں گا۔ لیکن میں اطمینان سے کھاتا رہا۔

"آئندہ اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا سرخاب! حالانکہ جب میں نے پہلی بار آپ کو دیکھا تھا تو یہ لٹ میرے لیے بے حد دلکش بن گئی تھی۔ اس حسین لٹ سے کچھ یادیں وابستہ ہیں ایسی یادیں سرخاب جو اب ایک حسرت بن چکی ہیں۔"

"میں نے ساری زندگی۔ کسی ایسی بات کی پذیرائی نہیں کی۔ لیکن کیا میں جان سکتی ہوں کہ یہ لٹ آپ کی حسرت کیوں بن گئی؟" سرخاب کا چہرہ تمتما رہا تھا اس کی آنکھوں میں غصے کے نقوش نمایاں تھے۔

"جب وہ میرے سامنے تھی تو آپ یقین کریں سرخاب میں نے کبھی اس کی لٹ پر توجہ نہیں دی لیکن جب وہ میرے لیے خواب بن گئی تو مجھے اس کا ایک ایک نقش یاد آتا ہے۔ وہ میری بہن تھی سرخاب۔ میری فریدہ۔ میری اکلوتی بہن جس کی چاہت کو میں نے اس وقت محسوس نہیں کیا تھا جب وہ میرے سامنے تھی لیکن جب وہ اس دنیا کے ہجوم میں گم ہو گئی تو وہ مجھے بہت یاد آتی ہے۔ سرخاب میری بہن! خدا کی قسم تمہارے بالوں کی لٹ نے میرے دل میں فریدہ کی یاد تازہ کر دی تھی۔ پہلی ہی نگاہ میں' میں نے محسوس کیا تھا کہ تم میری بہن سے کسی حد تک مشابہ ہو۔ بالوں کی اس لٹ نے میرے دل میں تمہارے لئے بھائی کا پیار جگا دیا تھا۔ میں تم سے شرارت کرتا رہا..... سرخاب اب نہیں کروں گا۔"

سرخاب اب خود سکتے میں رہ گئی تھی۔ چائے کی پیالی اس کے ہاتھ میں لرز رہی تھی اور پھر اس نے آہستہ سے پیالی رکھ دی۔ ایک انوکھا تاثر اس کے چہرے سے نمایاں تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ اس کیفیت کا شکار رہی۔ میں بھی فطری طور پر اداس ہو گیا تھا۔

پھر سرخاب نے کیتلی اٹھائی اور میرا کپ دوبارہ بھر گیا تھا۔

"پیئیں۔" اس کا لہجہ عجیب تھا۔

"اب ضرورت نہیں محسوس ہو رہی۔"

"نہیں بس پیسیں اٹھا لیں۔" اس نے اسی لہجے میں کہا اور میں اسے دیکھنے لگا۔ سرخاب مسکرا رہی تھی۔

"ایمان سے میں شرمندہ ہوں۔" اس نے گردن جھکالی۔ "مگر میرا قصور بھی تو نہیں ہے۔"

"نہیں سرخاب۔ میں نے خود شرارت کی تھی۔"

"اللہ معاف کر دیں منصور بھائی۔ معاف کر دیں۔ سچ دل ہی دل میں' بڑی ذلیل ہو رہی ہوں۔ لڑکی ہونا بھی ایک لعنت ہے۔"

"نہیں سرخاب۔ بہنیں تو بھائیوں کا غرور ہوتی ہیں۔ ایسا مت کہو۔"

"خدا کرے آپ کی فریدہ مل جائے۔ خدا کرے ہماری فریدہ مل جائے۔ بس اب ہم اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔"

"نہیں کریں گے۔" میں نے بھی اپنا موڈ درست کر لیا۔

"اب یہ بتائیں کہ آپ کہاں گئے تھے اور کیا کرتے رہے۔"

"میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے سرخاب لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔"

"ہو گی۔ انشا اللہ تعالیٰ ضرور ہو گی۔" سرخاب نے خلوص سے کہا اور پھر بولی۔

"وہ شخص ملا' جس کے بارے میں' میں نے کہا تھا۔"

"طارق؟ نہیں وہ کمبخت نہیں ملا۔ تاہم میں تلاش جاری رکھوں گا اور اسے ضرور تلاش کر لوں گا۔"

"آپ نے شہر میں اپنی رہائش کہاں رکھی؟"

"ایک شناسا مل گیا تھا۔" میں نے سرخاب کو تفصیل بتائی۔

"اس وقت کسی شناسا پر بھروسہ نہ کریں۔ ڈیڈی کی واپسی میں ابھی دو تین دن باقی ہیں۔ آپ اس دوران بھرپور کوشش کر لیں۔ کسی ہوٹل میں قیام کریں اور تھوڑا سا اپنا حلیہ بھی بدل لیں۔"

"ہاں ایسا ہی کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"کب آئے تھے آپ؟"

"رات کو۔"

"مجھے اطلاع نہیں دی۔"

"اس عمارت میں داخلے کے لئے میرا راستہ دوسرا ہے اور ظاہر ہے اس راستے سے آنے کے بعد آپ کو اطلاع دینے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔"

"اوہ۔ اچھا یہ بات تھی۔ ٹھیک ہے۔ ایسے ہی سہی۔ خداوند کریم وہ وقت لائے

آپ آزادی سے ہر جگہ آئیں جائیں۔" سرخاب نے خلوص سے کہا اور پھر ہم ناشتے کمرے سے نکل آئے۔

"آج دوپہر کا کھانا میں آپ کے لئے خود تیار کروں گی۔ اپنی پسند کی کوئی چیز ہیں؟" اس نے کہا۔

"محبت سے جو پکاؤ گی کھا لوں گا سرخاب۔" میں نے جواب دیا اور وہ کچھ سوچتی چلی گئی۔ سرخاب کے لئے درحقیقت میرے ذہن میں ابتدا ہی سے ایک بہن کا پیار تھا وہ غلط فہمی کا شکار ہو کر اتنی سنجیدہ نہ ہو جاتی تو شاید اس انکشاف کی ضرورت نہ پیش آتی۔ بس اسے چھیڑنا اچھا لگتا تھا۔ اس پر یہ انکشاف کر کے مجھے کسی کمی کا احساس نہیں ہوا

دوپہر کے کھانے کے بعد میں نے پھر شہر جانے کا فیصلہ کر لیا اور سرخاب سے اس کا اظہار کیا تو وہ بولی۔

"میں اس سلسلے میں آپ کو کچھ مشورے دینا چاہتی ہوں۔"

"جی فرمایئے؟"

آپ یہاں سے ایک اچھی حیثیت کے انسان بن کر جایئے سب سے پہلے کسی ہوٹل میں ایک کمرہ حاصل کیجئے اور وہاں فروکش ہو کر اپنے کام کا آغاز کیجئے۔ آپ کو شہر سے کچھ خریداری کرنا ہو گی اور اس کے لئے آپ میرے ذاتی اکاؤنٹ کو استعمال کریں

"پیسے میرے پاس کافی ہیں سرخاب۔ یہ دیکھو۔ میں نے اپنے دوست سے کچھ رقم لے لی تھی۔"

"خیر۔ دوست' دوست ہوتے ہیں مجھے اعتراض نہیں ہے لیکن اس کے بعد جب ضرورت ہو آپ صرف مجھ سے کہیں گے اور ہاں ہماری منی ایجنلیا بے کار کھڑی ہے۔ وہ آپ کے تصرف میں رہے گی جیسا کہ مجھے علم ہے کہ آپ ڈرائیونگ کر لیتے ہیں۔"

"اوہ نہیں سرخاب کار کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہ ضرورت میں سمجھتی ہوں آپ نہیں۔" سرخاب نے جواب دیا اور میں قائل ہو گیا۔ تقریباً تین دن میں پہلی بار اس عمارت کے گیٹ سے باہر نکلا۔ سرخاب دروازے تک مجھے خدا حافظ کہنے کے لئے آئی تھی۔ دروازے پر کھڑے چوکیدار نے متحیرانہ انداز میں سلام کیا تھا۔ سوچ رہا ہو گا کہ یہ مہمان کہاں سے برآمد ہو گیا۔ میں شہر جانے والے راستے پر چل پڑا۔ ان آسانیوں کے لئے میرا رواں رواں سرخاب اور پروفیسر کا شکر گزار تھا۔ انسان کو مل سب کچھ جاتا ہے بس اس کی تلاش میں خامی ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مجھے پانچ سال پہلے مل جاتا۔ بار بار یہ خیال میرے ذہن میں آ جاتا۔ اور میں ٹھنڈی

سانس لے کر رہ جاتا تھا۔

شہر میں داخل ہو کر میں نے ہوٹل منی فورٹ پسند کیا۔ درمیانے درجے کی پرانی سی عمارت تھی۔ ہوٹل زیادہ مہنگا بھی نہیں تھا۔ کار پارکنگ کے لئے جگہ موجود تھی۔ میں نے اس کی دوسری منزل پر کمرہ حاصل کر لیا اور پھر اس کمرے کے عقب میں کھلنے والی کھڑکی کے نزدیک آرام کرسی پر بیٹھ کر آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے لگا۔ دفعتاً مجھے یاد آیا کہ طارق اور کہیں ملے یا نہ ملے اس ساحل پر ضرور مل سکتا ہے۔ جہاں اسمگلنگ ہوتی ہے۔ انتہائی دانشمندی سے اسے وہاں تلاش کیا جائے جس دن نظر آ جائے اس کا تعاقب کیا جائے اور پھر اسے مناسب پروگرام کے تحت پکڑا جائے۔ یہ اتنا عمدہ خیال تھا کہ میں خوشی سے اچھل پڑا اور پھر میں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ اسمگلنگ روزانہ نہیں ہوتی تھی۔ جب لانچ آتی تو وہ مال اتارنے پہنچ جاتے تھے اور مال اتارنے کی نگرانی طارق بذات خود کرتا تھا اس لئے ممکن ہے یہاں کئی روز گزارنے پڑیں...... ویسے لانچ کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ ہفتے میں ایک بار ضرور آتی ہے۔

اس شام جب جھٹپٹا ہوا میں باہر نکل آیا۔ سنہری فریم کے چشمے نے میری ہیئت کافی بدل دی تھی۔ اس کے علاوہ لباس بھی بہتر تھا اور پھر مونچھیں بھی کافی بڑھ گئی تھیں۔ شیو بنانے کے بعد وہ اور نمایاں ہو گئی تھیں۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر کسی قدر مطمئن ہو گیا۔ بازار سے جو چیزیں میں نے خریدیں ان میں کھانے پینے کی اشیاء اور ایک لمبا شکاری چاقو بھی تھا۔ پستول وغیرہ کا حصول میرے لئے مشکل تھا لیکن میں نے طے کر رکھا تھا کہ اگر کہیں سے پستول حاصل ہو گیا تو ضرور خرید لوں گا۔ مجھے اس کی سخت ضرورت تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء کا ذخیرہ اور پانی کا برتن وغیرہ میں نے گاڑی میں رکھا اور واپس ہوٹل چل پڑا۔ رات کے کھانے کے بعد میں اس ساحل کا رخ کرنا چاہتا تھا حالانکہ یہ خطرناک کام تھا۔ لیکن اس کے سوا چارہ کار بھی نہ تھا۔ میں نے کار ہوٹل کی نیم تاریک پارکنگ میں کھڑی کی اور نیچے اترنے کے لئے دروازہ کھول ہی رہا تھا کہ نزدیک کھڑی ہوئی ایک کار سے آواز ابھری۔

"میں بھی چلوں۔"

"نہیں یار یہیں بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" دوسری آواز نے کہا اور کوئی شخص کار سے اتر کر آگے بڑھ گیا لیکن پہلی آواز مجھے آشنا معلوم ہوئی تھی اور میں ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔ میری سانس تک بند ہو گئی تھی کیونکہ۔ کیونکہ میں اس آواز کو پہچان گیا تھا۔

"دادا سگریٹ پیو۔" ایک آواز ابھری۔

"چھوڑ یار------- مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔ اس بار اپن برے پھنس گئے ہیں۔ دوسرے کام تو ٹھیک تھے پر یہ منہ چھپائے چھپائے پھرنا اپنے لئے بہت مشکل ہے۔"

"تم ایسا کرو دادا۔ تھوڑے دن کے لئے یہ شہر چھوڑ دو۔"

"کہاں جائیں......... کونسی جگہ ہے ہمارے لئے؟"

"لیکن اور کرو گے بھی کیا فیروز دادا۔ سیٹھ کے چنگل میں جو ایک بار پھنس جائے اس کا نکلنا مشکل ہی ہوتا ہے۔"

اور میرے خیال کی تصدیق ہو گئی جس آواز پر میں چونکا تھا وہ فیروز ہی کی تھی لیکن اس کی آواز سن کر حیرتوں کے جو پہاڑ مجھ پر ٹوٹے تھے ان کا ثانی نہیں ہو سکتا۔ فیروز تو مر چکا تھا۔ میری گردن پر اس کے قتل کا الزام تھا لیکن وہ زندہ تھا اس کا مطلب ہے کہ وہ لاش کسی اور کی تھی اور اسے فیروز کی لاش بنایا گیا تھا۔ میرے پورے بدن میں بجلیاں بھر گئی تھیں اگر کسی طرح فیروز کو زندہ ثابت کر دیا جائے تو میری گردن سے قتل کا الزام دور ہو سکتا ہے۔ لیکن کس طرح؟

میں کار میں دبک گیا۔ اس سے اچھا موقع اور نہیں مل سکتا تھا۔ میں نے دروازہ آہستہ سے بند کر لیا-----۔ اور پھر کان اس کار میں ابھرنے والی آوازوں کی طرف لگا دیئے لیکن اب ادھر خاموشی تھی۔ میں سانس روکے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں کو دیکھتا رہا پھر تقریباً دس منٹ کے بعد وہ شخص واپس آ گیا جو ہوٹل کی عمارت میں گیا تھا۔

"وہ حرامی یہاں بھی نہیں ہے۔ گیا ہو گا کسی ماں کے پاس۔ چلو۔" آنے والے نے ناخوشگوار، لہجے میں کہا اور کار اسٹارٹ ہو گئی۔ سرخاب کی یہ عنایت آج میرے لئے زندگی کی سب سے کارآمد شے ثابت ہوئی تھی ورنہ میں اتنے اہم مہرے کا تعاقب نہیں کر سکتا تھا۔ کار کے رخ کا اندازہ کرنے کے بعد میں تھوڑا فاصلہ دے کر اس کے پیچھے چل پڑا۔ انتہائی ہوشیاری سے میں اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ مختلف سڑکیں طے کرتی ہوئی وہ کار ایک درمیانے درجے کے علاقے میں پہنچ گئی اور سڑک کے کنارے ایک چھوٹے سے بنگلے کے سامنے رک گئی۔ میں نے اپنی کار کی رفتار کم کر کے اسے سڑک سے اتار دیا تھا۔ تعاقب کرتے ہوئے میں نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ کبھی میں روشنیاں بجھا دیتا تا کہ تعاقب کا شبہ نہ ہو، اور کوئی بھرا پرا علاقہ ہوتا تو روشنیاں جلا لیتا تھا۔ بہرحال مجھے یقین تھا کہ انہیں تعاقب کا شبہ نہیں ہو سکا ہے۔

کار سے تین آدمی نیچے اترے۔ یوں بھی میرے اندازے کے مطابق وہ تین ہی تھے۔ اور پھر وہ بنگلے میں چلے گئے۔ میں اپنی کار ایک درخت کی آڑ میں کھڑی کر کے نیچے اتر آیا اور سڑک کے نیچے ہی نیچے چلتا ہوا بنگلے کی طرف بڑھنے لگا پھر اس کی بائیں سمت والی دیوار کے نیچے پہنچا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ بنگلے کے آہنی پھاٹک پر آواز پیدا ہوئی تھی۔ وہاں روشنی بھی ہوئی تھی۔ میں نے کنارے سے جھانک کر دیکھا۔ باہر نکلنے والے دو آدمی تھے۔ ایک ڈرائیور کی وردی میں تھا اور دوسرا پتلون قمیض پہنے ہوئے تھا۔

ان میں فیروز دادا موجود نہیں تھا۔

قدرت میری مدد کر رہی ہے۔ میں نے خوش ہو کر سوچا اور ان لوگوں کے کا انتظار کرنے لگا۔ میں تو ساری عمر یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ فیروز زندہ ہے اور مقیم ہے۔ اس وقت تو میری غیبی رہنمائی ہوئی تھی۔

کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی اور پھر میں واپس اپنی کار کی طرف چل اب تو میدان میرے ہاتھ تھا۔ میں نے کار اسٹارٹ کی اور اسے بنگلے سے تھوڑے فاصلا لا کھڑا کیا۔ اگنیشن سے چابی نکال کر احتیاط سے جیب میں رکھی اور بنگلے کے عقب میں گیا۔ یہاں بھی روشنی تھی میں نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی اور پھر ایک خیال تحت سامنے والے آہنی پھاٹک پر پہنچ گیا۔ پھاٹک کے برابر کال بیل بٹن لگا ہوا تھا۔ میں بٹن دبایا اور برق رفتاری سے اندرونی دروازے کی بائیں سمت والی دیوار کے ساتھ کھڑا گیا۔

ترکیب کار گر رہی۔ کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی باہر نکلا اور گیٹ کی طرف چل پڑا۔ میں نے صرف ایک نگاہ اسے دیکھا فیروز ہی تھا۔ دوسرے لمحے میں کمرے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ ڈرائنگ روم تھا جس میں تاریکی تھی لیکن اس دوسرے دروازے سے روشنی اندر آ رہی تھی اور کچھ آہٹیں بھی۔ کوئی اندر موجود تھا۔

فی الوقت میں نے ڈرائنگ روم میں چھپنے کے لئے جگہ تلاش کی اور ایک بڑ شوکیس کے عقب میں بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد فیروز واپس آ گیا۔ اس نے ڈرائنگ روم دروازہ اندر سے بند کر دیا اور پھر اس دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"کون تھا ڈیئر۔" ایک نسوانی آواز ابھری جو کسی قدر خمار آلود تھی۔

"باہر تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

"پھر بیل کس نے بجائی؟"

"پتہ نہیں۔ ویسے یہ بیل خراب ہو گئی ہے بارش میں ارتھ ہو جاتی ہے اس دن بھی جب بارش ہوئی تھی تو یہ مسلسل بجتی رہی تھی۔"

"اوہ۔ آؤ۔ اپنا گلاس خالی کرو تاکہ میں دوسرا پیگ بناؤں۔" نسوانی آواز میں کہا گیا اور میں نے صورت حال کا کسی قدر اندازہ لگا لیا۔ یوں لگتا ہے جیسے اس چھوٹے سے بنگلے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اگر ہوتا تو دروازہ کھولنے جاتا۔ لیکن اب کیا کیا جائے؟ ان دونوں کے بریک ڈاؤن ہونے کا انتظار؟ لیکن انتظار اب میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ رہ گئی وہ عورت۔ تو وہ بھی کوئی اچھی عورت تو نہیں ہو گی۔ میں نے کھلے ہوئے دروازے سے تھوڑا سا اندر جھانکا عورت مسہری پر دراز تھی فیروز اس کے نزدیک ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اور مسہری کے نزدیک میز پر شراب کے برتن رکھے ہوئے تھے۔

میں نے ماحول کا جائزہ لیا۔ اپنا شکاری چاقو کھولا اور پھر دروازے پر ایک زور دار لات مار کر اندر داخل ہو گیا۔ عورت کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا۔ فیروز بھی نروس ہو گیا تھا اور دونوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ دونوں کے چہرے سے خوف نمایاں تھا۔

"چچ۔ چچ۔ چاقو۔ چاقو۔" عورت نے ہکلاتے ہوئے کہا اور انگلی سے میری طرف اشارہ کیا۔

"کک۔ کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟" فیروز نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"میں تم دونوں کی گردنیں اتار کر لے جاؤں گا۔ سمجھے؟" میں نے عورت کو خوفزدہ کرنے کے لئے کہا۔ نشے میں تو تھی ہی ایک دلدوز چیخ مار کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ گردن پر رکھے اور ایک طرف لڑھک گئی۔ میرا کام آسان ہو گیا تھا۔

"کیا بکواس ہے۔" فیروز غصے سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے شراب کی بوتل گردن سے پکڑ لی تھی۔

"اب ٹھیک ہے فیروز دادا۔ مجھے پہچانو۔ میں کون ہوں؟" میں نے چشمہ اتار کر جیب میں رکھ لیا اور فیروز فوراً مجھے پہچان گیا۔

"مم۔ منصور۔ تم۔ یہاں کیسے آئے؟"

"میں نے سوچا دادا۔ تم نے جھوٹی موت کا کھیل رچایا ہے میں اس کھیل کو سچا ہی کر دوں۔"

"تم۔ تم مجھے قتل کرنے آئے ہو؟ تم مجھے قتل کر دو گے؟"

"دل تو یہی چاہتا ہے فیروز دادا لیکن مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"کیا تم مجھے چوہا سمجھتے ہو؟" فیروز ایک دم سنبھل گیا۔ اس نے بوتل دیوار پر مار کر توڑ دی اور اس کی گردن ہاتھ میں لئے ہوئے میز کے پیچھے سے نکل آیا۔

"میں تمہیں کسی چوہے کی طرح ہی دبوچ کے لے جاؤں گا فیروز دادا۔" میں نے چاقو جیب میں رکھ لیا۔

آج پہلے دشمن سے سامنا ہوا تھا بڑے قرض چکانے تھے۔ فیروز دادا بوتل ہاتھ میں لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر اس نے جھکائی دے کر مجھ پر چھلانگ لگائی لیکن میرے نزدیک اب یہ بچوں کا کھیل تھا۔ میں نے صرف اپنے بدن کو تھوڑا سا ترچھا کیا اور میری ایک ٹانگ گھوم کر فیروز دادا کے پیٹ پر پڑی۔ فیروز دادا اچھل کر میز کے پیچھے جا پڑا تھا۔

"اٹھو فیروز دادا بڑا قرض ہے تمہارے اوپر سب چکانا ہے۔ آؤ۔ جلدی کرو۔" میں نے اشارے سے اسے بلایا۔ دوسرے لمحے فیروز نے بڑے خونخوار انداز میں میرے اوپر

چھلانگ لگائی لیکن اصول ہی غلط تھا۔ میں نے پھر ایک لات اسی انداز میں رسید کی اور وہ دوبارہ وہیں جا پڑا۔ تب میں آگے بڑھا اور میز پر ٹھوکر ماری۔ جو دادا کے منہ پر جا کر لگی اور بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں نے جھک کر اس کی ٹانگ پکڑی اور اچھال کر کمرے کے وسط میں پھینک دیا۔ پھر پلٹ کر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس بار فیروز دادا نے سوئپ لگا کر میری ٹانگیں اپنی ٹانگوں میں پھنسانے کی کوشش کی لیکن میں نے اچھل کر اس کے ٹخنے کو اپنے جوتے کی نوک پر نشانہ بنایا اور فیروز دادا کی کراہ گونج اٹھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پنڈلی پکڑنے کی کوشش کی تو میری دوسری ٹھوکر نے اس کی کلائی بیکار کر دی۔

"تم اپنی چوٹوں کو سہلا بھی نہیں سکتے دادا۔ میری اجازت نہیں ہے۔" میں نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا اور فیروز کے منہ سے گالیاں نکل پڑیں۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"یہ اس بات کی علامت ہے کہ تم ہار مان چکے ہو۔۔۔۔۔۔" میں آگے بڑھا اور فیروز سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ لیکن میرے دل میں اس وقت رحم کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ میں نے ایک ٹھوکر اس کے سر کی پشت پر لگائی اور فیروز نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا پھر جھومنے لگا اور اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

میں نے دو تین ٹھوکریں مار کر اسے دیکھا اور جب یقین ہو گیا کہ وہ بے ہوش ہو گیا ہے تو اسے لے کر چل پڑا۔ بنگلے سے باہر لانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد میں ایاز کے مکان کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے وہی جگہ مناسب سمجھی تھی۔

ایاز نے آنکھیں ملتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔ کار کو دیکھ کر وہ چونک پڑا پھر مجھے پہچان کر خوشی سے اچھل پڑا۔ اس کے بولنے سے پہلے ہی میں نے کہا۔

"کار میں ایک شخص بے ہوش پڑا ہے ایاز۔ آؤ اسے اندر لانے میں میری مدد کرو۔"

"اوہ۔" ایاز نے آہستہ سے کہا اور پھر اس نے خاموشی سے میری ہدایات پر عمل کیا۔ وہ متعجب نگاہوں سے بے ہوش فیروز کو دیکھ رہا تھا۔

"میرے دشمنوں میں سے ایک۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میں سمجھ گیا۔"

"کار کا باہر کھڑے رہنا تمہارے لئے نقصان دہ تو ثابت نہیں ہو گا؟"

"نہیں کوئی بات نہیں۔ کوئی توجہ نہیں دے گا۔ لیکن کیا یہ بے ہوش ہے؟"

"ہاں اور اب اسے ہوش میں لانا ہو گا۔ میں اس سے کچھ معلومات حاصل کروں گا۔"

"پانی لاتا ہوں۔" ایاز نے کہا اور پھر وہ پانی لے آیا لیکن فیروز ہوش میں نہیں آیا تھا تب میں نے ایاز سے ماچس مانگی اور اس کی ایک تیلی جلا کر میں نے فیروز کی ناک سے لگائی تو وہ بری طرح اچھل پڑا۔ اسے ہوش آ گیا تھا۔ اس نے متوحش نگاہوں سے مجھے اور ایاز کو دیکھا اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا پھر کسی خیال کے تحت چونک کر چاروں طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ارے یہ تم مجھے کہاں لے آئے؟"

"قبرستان میں۔ باہر ایک عدد گڑھا موجود ہے جس میں تمہیں باآسانی دفن کیا جا سکتا ہے۔ میں سچ مچ قاتل بننا چاہتا ہوں فیروز۔"

"نہیں نہیں منصور۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔ میں، میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں تو خود مجبور ہو گیا ہوں۔ زندگی حرام ہو کر رہ گئی ہے اس حرامی کے چکر میں پڑ کر۔"

"کس حرامی کے چکر میں پڑ کر؟"

"سیٹھ جبار کے۔ میں تو مجبوراً اس کا آلۂ کار بنا ہوں۔"

"میری ماں اور بہن کہاں ہیں فیروز؟" میری آواز میں درندوں کی سی غراہٹیں تھیں۔

"خدا کی قسم۔ ان کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ بس ایک دن طارق نے کہا تھا کہ میں احمد کے مکان میں منتقل ہو جاؤں۔ وہ مکان مجھے خالی ملا تھا۔"

"اپنی موت کو نزدیک لا رہے ہو فیروز۔" میں نے چاقو نکال لیا۔ "مجھے اپنی ماں اور بہن کا پتہ درکار ہے۔" میں آگے بڑھا اور فیروز خوفزدہ انداز میں پیچھے سرکنے لگا۔ لیکن کہاں تک وہ دیوار سے جا لگا اور میں نے چاقو کی نوک سے اس کی پیشانی پر ایک گہری لکیر بنا دی۔ اس لکیر سے خون بہہ کر اس کی آنکھوں میں جانے لگا۔ فیروز کے حلق سے گھگھیائی ہوئی آوازیں نکلنے لگیں۔ تب میں نے چاقو کی دھار اس کی گردن پر پھیری۔

"ایک ہلکا سا دباؤ تمہیں زندگی کے بوجھ سے نجات دلا دے گا۔"

"تم مجھے مار لو منصور لیکن یقین کرو مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔" اس نے بمشکل کہا۔

"میرے گھر میں چرس کس نے رکھی تھی؟"

"میں نے۔ میں نے۔"

"کیوں؟"

"طارق کے کہنے پر۔ وہ تمہیں گرفتار کرانا چاہتا تھا۔"

"لاش کس کی تھی؟" میں نے دوبارہ پوچھا۔

"طارق لایا تھا۔ ہسپتال سے کسی لاوارث شخص کی لاش تھی جو کسی حادثے کا

شکار ہو گیا تھا۔"

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"مجھے یہاں لا کر رکھا گیا۔ میرا مطلب ہے اس مکان میں جہاں سے تم مجھے لا ہو۔"

"تم نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟"

"یقین کرو منصور۔ اس کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ مجھے معلوم ہوتا تو میں ضرو بتا دیتا۔"

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا فیروز۔ تمہیں ماں اور بہن کے بارے میں بتا ہو گا۔" میں اس پر بے تحاشا ٹوٹ پڑا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ ارے مجھے نہیں معلوم۔ ہائے مر گیا۔ ہائے میں مر گیا۔" فیروز ہاتھ جوڑنے لگا اور پھر دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔ ایاز ایک کونے میں کھڑا تھر تھر کانپ ر تھا۔

"معاف کرنا ایاز۔ مجھے تمہارے گھر میں یہ سب کچھ کرنا پڑا لیکن اس وقت ار شہر میں میرا تمہارے علاوہ اور کوئی دوست بھی نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں منصور بھیا لیکن یہ کون ہے؟"

"تم اندازہ لگا چکے ہو گے۔ بہرحال میں اسے لے جاؤں گا۔ اس کے ذریعے ا میرے سر سے قتل کا الزام ہٹے گا۔ یہ وہ ہے جس کے قتل کا الزام مجھ پر ہے۔"

"اوہ تو آپ اسی کی تلاش میں تھے؟"

"ہاں تم سناؤ۔ ٹھیک ہو؟"

"کہاں ٹھیک ہوں۔ وہ الو کا پٹھا چمن میری جان کو آ گیا ہے۔"

"اوہ۔ کیا کہتا ہے؟"

"بس یہی کہ مجھے تمہارے بارے میں جو کچھ معلوم ہے اسے بتاؤں اور تمہیر تلاش کر کے اس سے ملاؤں۔ نہ جانے کیوں؟"

"مل لوں گا اس سے بھی۔ مگر ابھی نہیں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تم اسے دوبارہ میری کار میں پہنچا دو ایاز۔ میں اسے لے جا رہا ہوں۔ چمن کو چکر دیتے رہو۔ موقع ہوا تو کسی دن مل لوں گا اس سے۔ اچھی مصیبت ہے۔"

"جب تک تم اس سے نہ ملو گے جان نہیں چھوٹے گی بھیا۔ خیال رکھنا۔" ایاز نے کہا اور پھر میں نے اس کی مدد سے فیروز کے ہاتھ پاؤں باندھے' منہ میں کپڑا ٹھونسا اور ہم دونوں نے مل کر اسے کار میں ڈال دیا۔ میں نے ایاز کا شکریہ ادا کر کے اسے خدا حافظ

کہا اور ایک بار پھر میں پروفیسر شیرازی کی کوٹھی کی جانب چل پڑا۔ اس پہلی کامیابی پر میں بہت خوش تھا۔

ہارن دینے پر گیٹ کھول دیا گیا اور چوکیدار نے مجھے سلام کیا کیونکہ وہ مجھے دیکھ چکا تھا۔ میں نے کار پورچ میں کھڑی کر دی اور نیچے اتر آیا۔ پھر میں نے دروازے کی طرف دیکھا تو چونک پڑا۔ پروفیسر شیرازی گاؤن پہنے خاموشی سے کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو پروفیسر۔" میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہیلو منصور۔" پروفیسر کے تپاک میں کوئی کمی نہیں تھی۔

"آپ تو دو تین دن کے بعد آنے والے تھے۔"

"طبیعت گھبرائی تو پروگرام کینسل کر کے آ گیا۔ تم کہاں سے آ رہے ہو۔"

"شہر سے پروفیسر۔" میں نے کسی قدر شرمندگی سے کہا۔

"سرخاب نے فون پر بتایا تھا کہ تم غیر حاضر ہو۔"

"ہاں پروفیسر۔ میری ذہنی الجھنیں تعطل برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔"

"آؤ اندر چلو۔ کار صبح کو گیراج میں بند کر دیں گے۔" پروفیسر نے کہا اور میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کار میں ایک بے ہوش شخص موجود ہے پروفیسر۔ میرے دشمنوں میں سے ایک۔ میں اسے بغیر اجازت یہاں لے آیا ہوں لیکن یہاں کے علاوہ میرا کوئی ٹھکانہ بھی تو نہیں ہے۔"

"ارے۔ کون ہے؟ بے ہوش کیوں ہے؟" پروفیسر نے مضطربانہ انداز میں کہا اور کار کی طرف لپکا۔ "نکالو۔ اسے نکالو۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا اور میں نے دروازہ کھول کر فیروز کو باہر نکال لیا۔ "اوہ۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا ہے۔ اسے نکالو۔" پروفیسر نے آگے بڑھ کر کپڑے کا گولا فیروز کے منہ سے نکال لیا میں نے فیروز کو کندھے پر ڈال لیا تھا۔ "اندر لے چلو۔ اندر لے چلو۔" پروفیسر نے اس انداز میں کہا جیسے اسے سخت اذیت ہو رہی ہو۔ میں فیروز کو لئے ہوئے ایک کمرے میں آ گیا۔ "اب اس کے ہاتھ پاؤں کھول دو یہاں سے کہاں جائے گا لیکن یہ بے ہوش کیوں ہے؟"

"ہوش کے عالم میں' میں اسے یہاں نہیں لا سکتا تھا پروفیسر۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ پروفیسر کا ہمدردانہ رویہ مجھے پسند نہیں آیا تھا۔

"مگر یہ کون ہے؟"

"وہ شخص جس کے قتل کے الزام میں پولیس میری تلاش میں ہے۔"

"کیا مطلب۔ یہ زندہ ہے؟"

"ہاں۔ یہ زندہ ہے اور وہ لاش ہسپتال سے حاصل کی گئی تھی جس کا چہرہ مسخ کر

کے اسے میرے مکان کے دروازے پر ڈالا گیا تھا۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اسی کے ذریعے۔ اس کے علاوہ پانچ سال قبل پروفیسر! وہ چرس بھی اسی نے میرے گھر میں رکھی تھی۔"

"اس نے ان تمام باتوں کا اعتراف کیا ہے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا اور پروفیسر افسوسناک انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"افسوس۔ انسان کس طرح انسان کے درپئے آزار ہو جاتا ہے۔ معصوم ذہنوں کو کتنے بھیانک راستوں پر ڈال دیتا ہے۔ ارے ہاں۔ کیا اسے تمہاری ماں اور بہن کا پتہ معلوم ہے؟"

"نہیں۔ اس بات کا اس نے اقرار نہیں کیا۔ اس کے لیے مجھے دوسرے شیطان پر ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔" میں نے جواب دیا۔ اور پروفیسر کے ایما پر فیروز کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ تھوڑی دیر بعد فیروز ہوش میں آگیا۔ لیکن اس کی حالت خراب تھی اب وہ بری طرح نروس تھا۔ اس میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ خود سے اٹھ کر بیٹھ سکتا حالانکہ اب وہ بندشوں میں نہیں تھا۔

نرم دل پروفیسر اس کے ساتھ بھی نرمی سے پیش آیا۔ اس نے کہا کہ وہ تمام تر صورت حال بتا دے۔ اس کے ساتھ اب کوئی برا سلوک نہیں ہو گا اور فیروز مشینی انداز میں بول پڑا۔ اس نے سب کچھ بتا دیا جس میں جبار سیٹھ اور طارق کا نام شامل تھا۔

پروفیسر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ فیروز کو اس کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔

"میں ٹیلی فون پر اپنے ایک شناسا سے بات کرتا ہوں کیا خیال ہے ہم اسے پولیس کے حوالے کر دیں؟"

"سوچ لیں پروفیسر صاحب۔ دوسری طرف مقابل سخت ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے اوپر بھروسہ رکھو بیٹے۔ میں انتہائی حد تک کوشش کروں گا۔" پروفیسر نے کہا اور میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ پروفیسر دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ سرخاب ان ساری کارروائیوں سے بے خبر اپنے کمرے میں سوتی رہی۔ اسے کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا۔

رات کو تقریباً ڈھائی بجے ایک پولیس جیپ پروفیسر کی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ پ نے باہر ہی اس کا استقبال کیا تھا۔ تین پولیس کانسٹیبلوں کے ساتھ ایک ایس پی تھا۔ جس نے پروفیسر شیرازی کو بڑے ادب سے سلام کیا تھا لیکن میرے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔ میں اس

ایس پی کو صاف پہچان لیا تھا۔ وہی انسپکٹر تھا جس سے میں نے شکایت کی تھی اور اسمگلروں کو پکڑوانے کی پیش کش کی تھی جس نے مجھے گرفتار کیا تھا۔ انسپکٹر نے شاید ابھی مجھ پر غور نہیں کیا تھا۔

"جناب مجھے ڈی آئی جی صاحب نے بھیجا ہے۔"

"ہاں۔ میں نے ان سے بات کی تھی آیئے۔ یہ منصور ہے۔" پروفیسر نے کہا اور تب ایس پی نے مجھے دیکھا۔

"ایس پی مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ پروفیسر صاحب! مجھے پہلی بار گرفتار کرنے کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔" ایس پی مجھے تعجب سے دیکھ رہا تھا پھر اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں۔ ہم ایک دوسرے کے پرانے شناسا ہیں۔" اس نے کہا اور ہم اندر ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ پروفیسر کی درخواست پر ایس پی ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"بات اگر آج بھی سیٹھ جبار کی ہے پروفیسر صاحب! تو براہ کرم ڈی آئی جی صاحب سے میرے لئے سفارش کر دیں کہ اس بار میرا تبادلہ اس شہر سے کہیں اور کر دیا جائے۔"

"میں سمجھا نہیں آفیسر۔" پروفیسر نے تعجب سے پوچھا۔

"منصور کو مجھ سے کچھ بھی شکایت ہو۔ میں اس کے سدباب کے لئے تیار نہیں ہوں۔ پولیس نے چرس برآمد کی تھی۔ اور انہیں گرفتار کر لیا تھا۔ یہ چرس کہاں سے آئی میں نہیں جانتا۔ جاننے کی کوشش کی تھی تو اس اسٹیشن سے میرا تبادلہ کر دیا گیا۔ منصور گواہ ہیں کہ میں ان کے خلاف کبھی عدالت میں پیش نہیں ہوا۔ اگر آج پھر کوئی ایسی ہی صورت حال ہے تو۔ آپ یقین کریں میرے تبادلے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو گا۔"

"اوہ۔ لیکن۔ لیکن کیا پولیس کچھ سرکردہ لوگوں کے ہاتھوں اتنی ہی مجبور ہے؟" پروفیسر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"بس ہماری مجبوریاں ہم تک ہی رہنے دیں۔" ایس پی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اس بار انہیں قتل کے جرم میں پھانسا گیا ہے اور وہ شخص یہاں موجود ہے جس کے قتل کی خبریں اخبارات میں چھپی ہیں۔ اس نے چرس رکھنے کا اقرار بھی کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ایک لاوارث لاش کو ہسپتال سے حاصل کر کے فیروز کی لاش ثابت کیا گیا ہے۔"

"وہ شخص یہاں موجود ہے جس کے قتل کا الزام ان پر ہے۔"

"ہاں۔ ہم اسے آپ کے حوالے کر سکتے ہیں وہ اقرار کر چکا ہے۔" پروفیسر نے جواب دیا اور ایس پی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر کافی دیر کے بعد گردن اٹھا کر بولا۔ "ڈی آئی

جی صاحب نے حکم دیا ہے میں آپ کی ہر ممکن مدد کروں۔ اور آپ کے پاس فوراً چلا جاؤں۔ اس بے گناہ نوجوان کی بے گناہی کا بخدا مجھے پہلے بھی یقین تھا اور آج بھی ہے۔ میں ذاتی طور پر صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ ہسپتال سے اس تاریخ کا ریکارڈ نکلوا کر یہ ثابت کر دوں کہ ایک لاوارث لاش کو حاصل کر کے اس بے گناہ کو قتل کے الزام میں پھانسا گیا ہے نیز جس شخص کو مقتول ثابت کیا گیا ہے وہ زندہ ہے ان پر سے قتل کا الزام ختم ہو جائے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے لیکن پروفیسر صاحب۔ اپنے بیان میں یہ جس وقت سیٹھ جبار کا نام لیں گے کیس اسی وقت بگڑ جائے گا۔ ان کے خلاف کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ آپ میری یہ بات نوٹ کر لیں۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہوں کہ اپنی نوکری داؤ پر لگا دوں اور میں اس کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ اب آپ اس شخص کو میرے حوالے کر دیں۔" ایس پی نے کہا اور پروفیسر نے شرمندگی سے گردن جھکا لی۔ اس کے چہرے پر غور و فکر کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ کمرے میں گہرا سکوت طاری ہو گیا دیر تک کوئی بھی نہیں بولا تھا۔ خاموشی کا یہ طلسم ٹوٹا اور ایس پی صاحب نے کہا۔ "آپ یقین کریں پروفیسر شیرازی صاحب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ میری بدقسمتی ہے کہ حقیقت حال سے واقف ہونے کے باوجود میں وہ سب کچھ نہیں کر سکتا جو کرنا چاہیئے جو کچھ میں کروں گا اس کے بارے میں بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا ردعمل کیا ہو گا۔ مجھے کسی عتاب کا شکار ہونا پڑے گا یا بات ٹل جائے گی لیکن اس وقت ایک موقع ہے۔ ڈی آئی جی صاحب کی ہدایت پر یہاں آیا ہوں اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ جو کچھ کہیں کر دیا جائے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ کام تو کر ہی دوں بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا' خود میری بھی دلی خواہش ہے کہ اس نوجوان کے کچھ کام آؤں جس کے لئے میں کچھ نہیں کر سکا۔"

"یقین نہیں آتا۔ بالکل یقین نہیں آتا۔ دل چاہتا ہے ایک دفعہ ڈی آئی جی سے اور بات کروں۔ پوچھوں کہ کیا وہ بھی اتنے ہی معذور ہیں۔"

"جیسا آپ مناسب تصور کریں لیکن میری پیش گوئی ہے کہ اس کے بعد حالات بگڑ جائیں گے آپ چاہیں تو رسک لے لیں۔" ایس پی نے سپاٹ لہجے میں کہا اور پروفیسر شیرازی ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلانے لگا۔

"نہیں ایس پی صاحب۔ آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔ میں آپ سے اختلاف نہیں کروں گا۔" بلاخر انہوں نے کہا۔

"بس زیادہ دیر مناسب نہ ہو گی۔ آپ خود کو ان تمام معاملات سے لاتعلق رکھیں گے۔ میں کہیں بھی آپ کا نام نہیں آنے دوں گا۔ ہاں اگر ڈی آئی جی صاحب آپ سے اس بارے میں پوچھیں تو جس طرح آپ مناسب سمجھیں بات برابر کر دیں۔" ایس پی نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد ایس پی صاحب نے تمام کارروائیاں نہایت خفیہ طور پر کی تھیں۔ فیروز کو انہوں نے لاک اپ میں ڈال دیا۔ وہاں اس سے بیانات لیے گئے اور پھر نہایت ذہانت سے ایک کہانی تیار کی گئی۔ فیروز کو بھی ہدایت کر دی گئی تھی کہ عدالت میں سیٹھ جبار کے بارے میں کچھ نہ کہے بلکہ اس کارروائی کو کسی نا معلوم شخص سے منسوب کر دے جو اسے وارننگ دینا چاہتا تھا۔ ہسپتال سے لاوارث لاشوں کا پورا ریکارڈ طلب کیا گیا اور ایک لاش کی گمشدگی کے بارے میں رپورٹ کی گئی۔ کہانی یوں تیار کی گئی تھی کہ کوئی شخص فیروز کو چند مجرمانہ کارروائیوں کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا اور اسے برابر دھمکیاں دے رہا تھا کہ اگر اس نے اس کی ہدایات پر عمل نہ کیا تو وہ اسے ہلاک کر دے گا۔ یہی شخص منصور نامی نوجوان کو بھی اسی طرح بلیک میل کر رہا تھا لیکن منصور بھی اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ چنانچہ منصور کو پھانسنے کے لئے ہسپتال سے ایک لاش چرائی گئی اور اسے منصور کے گھر کے دروازے پر ڈال دیا گیا۔ منصور سے پہلے یہ لاش فیروز نے دیکھی اور خوفزدہ ہو گیا اور یہی سمجھا تھا کہ منصور کو قتل کر دیا گیا ہے اور اب اس کی باری ہے چنانچہ وہ روپوش ہو گیا لیکن جب اسے پتہ چلا کہ منصور زندہ ہے اور خود اس کے قتل کا الزام منصور پر لگ گیا ہے تو انسانی ہمدردی کے تحت وہ پولیس اسٹیشن پیش ہو گیا اور ساری صورت حال بتا دی۔

یہ کہانی عدالت میں پیش کر دی گئی۔ میری ضمانت ہو گئی اور دوسری پیشی پر مجھے قتل کے الزام سے بری کر دیا گیا کیونکہ مقتول زندہ تھا اور عدالت میں پیش ہو گیا تھا اس نامعلوم شخص کی تلاش کی ہدایات بھی جاری کر دی گئی تھیں۔

عدالت سے بری ہو کر میں باہر نکلا تو سرخاب کی گاڑی احاطہ عدالت کی دیوار سی لگی کھڑی نظر آئی۔ وہ شاید میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں سے مسرت پھوٹ پڑی اس نے جلدی سے کار کا دورازہ کھول دیا تھا۔

"سب ٹھیک ہو گیا؟" اس نے مسرور لہجے میں پوچھا اور میرے ہونٹوں پر حزنیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کاش۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

سرخاب نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اس وقت جو کچھ ہوا ہے سرخاب اس میں دشمن کی برتری نمایاں ہے۔ آزادی اس شکل میں ملی ہے کہ مجرم کا نام نہ لیا جائے۔ ظالم کا ظلم آشکار نہ کیا جائے۔ یہ آزادی بھیک کی شکل میں ملی ہے۔ مجھے اس کی مبارکباد نہ دو۔"

سرخاب نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے کار ڈرائیو کرتی رہی۔ پھر مجھے بھی

اس خاموشی کا احساس ہوا اور میں جلدی سے بولا۔ "مگر تم مجھے لینے کیوں آ گئیں؟"

"ڈیڈی نے یہی کہا تھا۔ وہ شاید لمحے لمحے کے حالات سے واقف تھے۔ مجھ سے کہا کہ آج منصور رہا ہو جائیں گے تم پہنچ جانا انہیں لینے کے لئے۔"

"پروفیسر کہاں ہیں؟"

"کہیں گئے ہوئے ہیں کوٹھی میں موجود نہ تھے۔"

رات کے کھانے پر پروفیسر سے ملاقات ہو سکی۔ "اب کیا پروگرام ہے؟" پروفیسر نے کھانے کے دوران پوچھا۔

"گرفتاری کے خوف سے تو نجات مل گئی ہے لیکن رد عمل کا اندازہ نہیں۔ پتہ نہیں اُسے میری رہائی پسند آئے گی یا نہیں۔" میں نے تلخ مسکراہٹ سے کہا۔ پروفیسر کا ہاتھ ایک لمحے کے لئے کھانے پر رکا اس کے بعد وہ دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ چند ساعت خاموش رہے پھر بولے۔ "تحمل مزاجی بگڑے ہوئے کام بنا دیتی ہے۔ ایک الجھن دور ہو گئی ہے۔ اس کے بعد ہم دوسری الجھن پر توجہ دیں گے۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

"ایک کام کرو منصور۔ اخبار میں ایک اشتہار دے دو۔ فریدہ اور امی کی تلاش کے سلسلے میں۔ ہمیں کوئی بھی حصہ خالی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ ممکن ہے بات ہمارے خیال سے مختلف ہو۔ ممکن ہے واقعی وہ اس ماحول کو اپنے لئے ناسازگار پا کر وہاں سے نکل گئی ہوں اور کہیں اور رہنے لگی ہوں۔ کوئی حرج نہیں ہے اس میں۔"

میں نے مایوسی سے گردن ہلائی۔ میں اس امکان پر غور کر چکا ہوں پروفیسر۔ یہ ممکن نہیں ہے اگر وہ اپنی مرضی سے جاتیں تو کسی نہ کسی طور مجھے اپنی منتقلی کی اطلاع ضرور دیتیں۔ کم از کم محلے کے کسی معتبر شخص کو ہی اپنا پتہ بتا جاتیں۔ انہیں میری زندگی اور رہائی کا یقین تھا وہ اتنا تو ضرور کرتیں۔"

"بعض اوقات حالات انسان کو اس قدر بدحواس کر دیتے ہیں کہ وہ بہت اہم باتیں نظر انداز کر دیتا ہے۔ میں بھی زیادہ پرامید نہیں ہوں، لیکن یہ اشتہار دینے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ میری رائے ہے یہ اشتہار ضرور دیا جائے بلکہ کئی دن تک دیا جاتا رہے۔ خیر میں خود کر لوں گا۔ یہ سب کچھ۔" پروفیسر نے کہا۔ میں نے اس بات پر مزید کوئی جملہ نہیں کیا تھا۔

رات کو بستر پر لیٹ کر بھی میں بہت کچھ سوچتا رہا۔ میرے اوپر سے قتل کا الزام ہٹ چکا تھا۔ لیکن اس شکل میں کہ میں نے سیٹھ جبار کی نشاندہی نہیں کی تھی۔ اس سے زیادہ افسوسناک، بے بسی اور کیا ہو سکتی تھی۔ پروفیسر بے چارہ اپنی سی تگ و دو کر رہا تھا اور مجھے شدید احساس تھا کہ وہ میری وجہ سے بہت زیر بار ہے۔ میں نے خواہ مخواہ اسے بھی

مشکلات کا شکار کر دیا ہے۔

دوسری صبح ناشتہ کرتے ہوئے میں نے اخبار میں اشتہار دیکھا۔ پروفیسر علی الصباح کہیں چلے گئے تھے۔۔ سرخاب میرے ساتھ ناشتہ کر رہی تھی۔ "ارے یہ اشتہار رات ہی کو بک ہو گیا۔" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"کونسا اشتہار؟" سرخاب چونک کر بولی اور میں نے اخبار اس کے سامنے کر دیا۔ جس میں لکھا تھا۔

"امی اور فریدہ متوجہ ہوں .... میں واپس آگیا ہوں۔ آپ لوگ گھر میں نہیں ملیں۔ میں آپ کے لئے سخت پریشان ہوں جہاں کہیں بھی ہوں۔ اس فون نمبر پر رابطہ کریں۔" نیچے ایک فون نمبر دیا گیا تھا جو اس کوٹھی کا نہیں تھا۔ میں نے سرخاب سے اس بارے میں پوچھا لیکن اس نے بھی فون نمبر سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ بہرحال پروفیسر نے بھی کچھ سوچ سمجھ کر ہی یہ فون نمبر دیا ہو گا۔

کئی بار میں نے یہ اشتہار پڑھا۔ میرے دل میں ایک ہوک اٹھ رہی تھی۔ کاش یہ ناممکن، ممکن ہو جائے۔ کاش مجھے اچانک یہ اطلاع ملے کہ امی اور فریدہ مل گئی ہیں۔ میں نے اخبار کے دوسرے حصوں پر نگاہ دوڑائی اور میری نگاہ ایک اور چھوٹے سے اشتہار پر پڑی۔ یہ اشتہار "ضرورت ہے" کے 'اشتہارات میں تھا۔

جہانگیر لمیٹڈ نامی کسی فرم میں اسٹاف ڈرائیور کی ضرورت تھی۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ طارق نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کہیں اور ملازمت نہیں کر سکتا۔ ملازمت کروں گا تو صرف سیٹھ جبار کے ہاں۔ اگر اب میں کوئی نوکری کروں تو کیا سیٹھ جبار اب بھی مزاحمت کرے گا؟ تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے اور پھر یوں بھی پروفیسر کی کوٹھی میں مفت کی روٹیاں توڑتے رہنا کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے اس خیال کا اظہار سرخاب سے کیا تو وہ ناراض ہونے لگی۔

"نوکری کریں گے اور وہ بھی ڈرائیور کی۔"

"کیا حرج ہے سرخاب۔ کچھ تو ہونا ہی چاہیئے۔"

"بڑی مالی پریشانیاں آ پڑی ہیں نا۔ بچے بھوکے مر رہے ہیں۔" اس نے منہ بنا کر طنز کیا اور میں مسکرانے لگا۔

"یہ بات نہیں ہے سرخاب۔ بس میں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی ڈیڈی سے بات کر لیں۔" سرخاب منہ پھلا کر بولی۔ دوپہر کو پروفیسر آ گئے تو یہ مقدمہ ان کے سامنے پیش ہو گیا لیکن ان کا جواب غیر متوقع تھا۔

"کوئی حرج نہیں ہے اس میں۔" انہوں نے کہا اور سرخاب کا منہ تعجب سے پھیل گیا۔

"لیکن ڈیڈی۔" اس نے احتجاج کیا۔

"یہ منصور کے حق میں بہتر ہے۔" پروفیسر فیصلہ کن لہجے میں بولے۔ پھر انہوں ن مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کل ہی کوشش کر ڈالو۔" سرخاب خاموش ہو گئی تھی۔

رے دن میں درخواست لے کر انٹرویو کے لئے پہنچ گیا۔ اشتہار میں یہی لکھا تھا۔ اس تہار کے جواب میں صرف تین آدمی آئے تھے۔ فرم کے ٹرانسپورٹ آفیسر نے ہمارا انٹرویو اور میرا انتخاب کر لیا۔ ڈرائیونگ لائسنس کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا کہ وہ گم ہو یا ہے لیکن میں ڈپلی کیٹ نکلوا لوں گا۔ تب ٹرانسپورٹ آفیسر نے کہا کہ تین دن کے اندر لائسنس لے کر آ جاؤں اور اپنا چارج سنبھال لوں۔

یہاں سے فارغ ہو کر آوارہ گردی کرتا ہوا یونہی ایک بازار میں نکل آیا۔ یہاں ز ل گیا۔ مجھے دیکھ کر لپک کر میرے پاس پہنچ گیا۔ "منصور بھیا۔" اس کی آواز میں ت تھی۔

"ہاں ایاز۔ شام کو تمہارے پاس آنے والا تھا۔ سوچا تھا کہ ڈیوٹی ختم ہو جائے اری تو تمہارے پاس جاؤں گا۔ اس وقت تو ڈیوٹی پر ہو گے؟"

"ہوں تو ڈیوٹی پر۔ مگر ایک اور ڈیوٹی بھی لگ گئی ہے میری۔"

"کیا؟"

"استاد کا حکم ہے کہ جب بھی تم ملو' لے کر سیدھا اس کے پاس آؤں اور دوسرا چھوڑ دوں۔"

"اوہ۔ یہ استاد چمن آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔ ٹھیک ہے آج اس سے ل لیں گے۔" میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"میں تو بڑا بے چین تھا۔ اس رات سے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں تلاش ں۔ آؤ کہیں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں پھر استاد کے پاس چلیں گے۔" ایاز نے کہا اور میں ردن ہلا دی۔ تھوڑے فاصلے پر ہم ایک ریستوران میں جا بیٹھے۔

"کیا رہی منصور بھیا۔ مجھے کوئی اطلاع بھی نہیں دی۔ کتنا پریشان تھا' تم اندازہ گا سکتے۔"

"مجھے اندازہ تھا ایاز لیکن میں پولیس کی تحویل میں تھا۔"

"پولیس۔" ایاز آہستہ سے بولا۔

"ہاں۔ لیکن حالات ٹھیک ہو گئے۔ میرے اوپر سے قتل کا الزام ہٹ گیا۔ اس ولیس کا خطرہ ٹل گیا ہے۔"

"چلو یہ ایک خوشخبری سننے کو ملی۔ دوسری خوشخبری بھی خدا سنائے گا۔ اب کیا ے؟"

"نوکری کروں گا۔ بات ہو گئی ہے ایک فرم میں۔ اس کے ساتھ ہی ای از فریدہ کی بائش جاری رکھوں گا۔"

"اوہ۔ اچھا خیال ہے۔ رہو گے کہاں بھیا اب۔ میرے پاس ہی نا؟"

"بس کبھی تمہارے ... ہی دو سرا) جگہ۔ دعا کرو ایاز وہ زندگی) کرا جا سکے۔ تم میں تمہیں بھی کام نہیں کرنے دوں گا۔ شریف لوگوں کی طرح زندگی گزاریں گے لوگ۔" ایاز نے شدت جذبات سے میری کلائی دبائی۔ زبان سے وہ کچھ نہیں بول سکا تھا۔

پھر ہم استاد چمن کے اڈے پر پہنچ گئے۔ چمن اڈے پر موجود تھا۔ ایاز کو دیکھ اس کی تیوریاں چڑھ گئیں لیکن مجھے اس کے ساتھ دیکھ کر وہ نارمل ہو گیا تھا۔

"کہاں ہو دوست ہاتھ ہی نہیں لگتے۔ کنوؤں میں بانس ڈال دیئے لیکن۔" ا نے پر جوش انداز میں میرا استقبال کیا پھر ایاز سے بولا۔ "ٹھیک ہے بیٹے تم کام پر جاؤ اپنی محفل رہے گی۔"

"جی استاد۔" ایاز نے گردن جھکا دی۔

"رات کو گھر آؤں گا ایاز۔ کھانا تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گا۔" میں نے کہا ا ایاز چلا گیا۔ چمن استاد مجھے ساتھ لے کر اندرونی کمرے میں پہنچ گیا تھا۔

"ہاں منصور میاں سناؤ کیسے گزر رہی ہے؟"

"ٹھیک ہوں بس۔"

"منصور میاں۔ میں بھی سنکی آدمی ہوں۔ جو بات دماغ کو چڑھ جاتی ہے نکالے نہیں نکلتی۔ تمہیں دیکھ کر پہلی ہی نگاہ میں ایک خواہش ابھری تھی کہ تم میر ساتھی بن جاؤ۔ ایاز سے تمہارے بارے میں اکثر گفتگو رہتی ہے۔ تمہارے لئے اس بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں ہے منصور! کہاں بھاگے بھاگے پھر رہے ہو یہاں تمہیں مالی اس بھی ملے گا اور اس کے علاوہ اب چمن اتنا بے حقیقت بھی نہیں ہے... مل جل کر کچھ کر گے۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تمہارا خیال ہے کہ میں تراشی کروں؟" میں نے پوچھا۔ ادر چمن کے ہونٹ سکڑ گئے۔

"بد قسمتی سے تم نے چمن کے بارے میں کبھی معلومات حاصل کرنے کی کو ہی نہیں کی ورنہ شاید اتنی چھوٹی بات نہ کہتے۔"

"اگر ایاز نے تمہیں میرے بارے میں تھوڑی بہت تفصیلات بتائی ہیں چمن ا تو اس نے یہ بھی بتا دیا ہو گا کہ میری ساری زندگی صرف ایک ضد کا شکار ہوئی ہے۔ برائی کے راستوں سے بھاگ کر زندگی کے جہنم میں جا پڑا ہوں اور اس جہنم سے نکلنے جدوجہد میں مصروف ہوں اگر کامیاب ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ اس زمین پر سینکڑوں جہ

دوں گا۔ ہزاروں کو میرے ساتھ ہی آگ میں جلنا ہو گا۔ ابھی مجھے اس کے لئے مجبور مت کرو۔ ابھی میں آزمائش کی منزل میں ہوں۔ میں تمہاری اس پر خلوص پیشکش کی دل سے قدر کرتا ہوں لیکن ابھی نہیں۔ میرے لئے دعا کرو استاد چمن کہ میں اپنی منزل پا لوں۔ وہی بنوں جو بچپن میں بننا چاہتا تھا۔ جب تک ہمت رہے گی برائی سے بچنے کی جدوجہد کرتا رہوں گا اور جب ہمت ہار بیٹھا تو........"

چمن گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "اتنی تفصیل بھی نہیں بتائی تھی ایاز نے۔ تم اگر چاہو تو مجھے اپنی زندگی کے اس مشن کی کچھ تفصیلات بتا دو۔ ممکن ہے میں تمہارے کام ہی آ سکوں۔"

"مجھے کچھ اور وقت دو چمن استاد۔ کچھ اور وقت دو۔ میں خود ہی تمہارے پاس آؤں گا اور تمہیں اپنے بارے میں بتا دوں گا۔" میں نے کہا اور اس نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں اس سے زیادہ مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن میری پیشکش ہے کہ کسی بڑی الجھن میں پھنس جاؤ تو یہ دروازہ بند نہیں پاؤ گے۔"

"میں ان الفاظ کا خلوص' دل میں رکھوں گا استاد۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے چلا آیا۔ رات کو ایاز کے ساتھ رہا اور اسے چمن سے ہونے والی گفتگو بتا دی۔ ایاز سر کھجانے لگا تھا۔

"اب وہ پھر میری جان کھائے گا۔"

"جو کچھ تمہیں معلوم ہے دل چاہے تو اسے بتا دینا ایاز لیکن اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ میں کہیں چلا گیا ہوں۔ ابھی مجھے ایسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کہا اور ایاز نے گردن ہلا دی۔

لائسنس کی ڈپلی کیٹ حاصل کرنے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ کچھ پیسے خرچ کرنے پڑے تھے۔ بہرحال اس کے بعد میں نے جہانگیر لمیٹڈ میں نوکری کر لی۔ ایک نئی ویگن پر میری ٹرائی لی گئی اور پاس کر دیا گیا۔ فرم کی وردی دی گئی تھی۔ کام بس یہ تھا کہ اسٹاف کے کچھ مخصوص لوگوں کو صبح کو ان کے گھروں سے لینا ہوتا تھا اور شام کو چھوڑنا ہوتا تھا۔ ان میں مرد بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ فرم بیگم جہانگیر چلاتی تھیں۔ جوان العمر اور نہایت خوبصورت خاتون تھیں۔ لیکن چہرے پر ایسی سنجیدگی اور متانت تھی کہ نگاہ ٹھہرنا مشکل ہو۔ خاموش طبع معلوم ہوتی تھیں۔ بہرحال میرا ان سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔ میرا تعلق اسٹاف سے رہتا تھا۔ صبح کو سرخاب مجھے جلدی جگا دیتی تھی۔ ناشتے کے بعد میں دفتر پہنچ کر گاڑی لیتا اور چل پڑتا۔

شام کو جن لوگوں کو میں ان کے گھروں پر چھوڑتا ان میں ایک لڑکی بھی تھی۔ یہ سب سے آخر میں رہ جاتی تھی کیونکہ ایسے ہی روٹ پر رہتی تھی۔ بڑی معصوم اور پاکیزہ سی

شکل کی مالک تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں جھکی رہتی تھیں جیسے اچانک کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ ایک بار میری نگاہ اس سے ملی تھی۔ ویسے شاید میں اس پر توجہ نہ دیتا لیکن چونکہ وہ سر سے آخر میں رہ جاتی تھی اس لئے ایک آدھ بات ہو ہی جاتی تھی۔ شروع شروع میں اس کے انداز میں جھجک اور اضطراب ہوتا تھا لیکن پھر وہ پرسکون نظر آنے لگی۔ میں نے ضرورت سے زیادہ کوئی بات نہیں کی تھی اس سے۔ لیکن اس دن وہ خود ہی مجھ سے مخاطب ہو گئی۔

"آپ کا نام کیا ہے ڈرائیور صاحب؟" انداز ایسا تھا جیسے کسی کے ٹھوکا دینے سے بول پڑی ہو۔

"ڈرائیور صاحب ٹھیک نہیں ہے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"نام بھی تو کچھ ہوگا؟"

"منصور ہے میرا نام۔"

"میں راشدہ ہوں۔ آپ بہت شریف انسان ہیں منصور صاحب۔ عام لوگوں سے بہت مختلف۔ کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ بس خود میں کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں۔"

"آپ مجھے بہت غور سے دیکھتی ہیں؟"

"جی ہاں۔" وہ جھونک میں بولی اور پھر شرمندہ سی نظر آنے لگی۔ "میرا مطلب ہے دیکھتی ہی ہوں۔ آپ سامنے جو ہوتے ہیں۔" وہ بات برابر کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"آپ جہانگیر لیڈ میں کیا کرتی ہیں؟" میں نے پوچھا اور اس نے اپنی لانبی سفید انگلیاں میرے سامنے لہرائیں۔ اس کے اس خاموش جواب پر مجھے ہنسی آنے لگی تھی۔

"پیانو بجاتی ہیں؟" میں نے کہا۔

"ٹائپسٹ ہوں۔" اس نے کہا اور اس کا گھر آ گیا۔ "یہاں سے آپ کہاں جاتے ہیں؟" وہ نیچے اترتے ہوئے بولی۔

"پہلے گاڑی کھڑی کرنے جاتا ہوں۔ وہاں سے اپنے گھر۔" میں نے کہا اور وہ خاموشی سے واپس مڑ گئی۔ عجیب سا انداز تھا جس میں سادگی اور معصومیت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں وہاں سے چلا آیا لیکن دیر تک اس کی معصوم حرکتیں یاد آتی رہی تھیں۔

رات کو سرخاب سے بھی اس کا ذکر کر بیٹھا۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا بس یونہی تذکرہ آ گیا تھا۔ سرخاب چونکہ خود بھی صاف ستھرے ذہن کی مالک تھی اس لئے اس نے بھی کوئی توجہ نہیں دی۔

دوسرے دن راشدہ نے کچھ اور باتیں کیں۔ کہنے لگی۔ "میں نے امی کو آپ کے بارے میں بتا دیا ہے۔"

"کیا بتا دیا ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"یہی کہ آپ کا نام منصور ہے۔" وہ سادگی سے بولی اور میں ہنسی نہ روک سکا۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا کہا آپ کی امی نے اس بات پر؟"

"بس پوچھتی رہیں' آپ کے بارے میں۔ ارے ہاں آپ کے کتنے بہن بھائی ہیں؟" اسے جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

"دو بہنیں ہیں۔ ماں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"بھائی کوئی نہیں ہے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ابو بھی نہیں ہیں؟"

"ہاں وہ بھی نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں بتا دوں گی۔" اس نے کہا اور نیچے اتر گئی۔ میں حیرت سے اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا لیکن اب میں نے سرخاب سے بھی اس کی احمقانہ گفتگو کا تذکرہ نہیں کیا۔ زیادہ تذکرہ اسے مشکوک کر سکتا تھا۔ لیکن راشدہ کا کردار مجھے عجیب لگا۔ پھر ایک دن اس کے مجبور کرنے پر میں اس کے ساتھ اس کے گھر میں چلا گیا۔ چھوٹے سے مفلوک الحال گھر میں ایک شریف صورت خاتون سے ملاقات ہوئی اور زندگی کا ایک اور المیہ میرے سامنے آیا۔ راشدہ کے ابو مر چکے تھے اس نے میٹرک کیا تھا اور اب مجبوراً ملازمت کر رہی تھی۔ اس کی ماں کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ اس کی بیٹی کسی شریف نوجوان کے پلے بندھ جائے۔ وہ خود بیمار رہتی تھیں۔ اور یہ بیماری بھی راشدہ ہی تھی۔ خاتون نے مجھے بتایا کہ انہیں نہ تو دولت کی طمع ہے نہ ہی کسی زیادہ تعلیم یافتہ نوجوان کی۔ وہ تو بس کسی محنتی اور شریف نوجوان کی تلاش میں ہیں اس کے لئے شاید انہوں نے راشدہ کو بھی اجازت دے دی تھی۔

میرا دل خون ہو گیا۔ ان معصوم لوگوں کی نگاہ انتخاب بھی پڑی تو کس پر۔ میری زندگی تو ایک مشن کے علاوہ کچھ نہ تھی۔ میں ان غریبوں کے کس کام آ سکتا تھا۔

سرخاب کو تمام صورت حال بتاتے ہوئے میں نے اس سے درخواست کی کہ اس معصوم لڑکی کو کسی طور مطمئن کر دیا جائے تاکہ اس کے ذہن کو بھی اذیت نہ ہو۔ سرخاب میرے کرب کا اندازہ کر رہی تھی۔ دوسرے دن میں نے راشدہ سے کہا کہ کل وہ اپنی امی سے کہہ آئے کہ دیر سے آئے گی۔ میری بہن اس سے ملنا چاہتی ہے اور راشدہ مسرور ہو گئی۔ تیسرے دن وہ تیاریاں کر کے آئی تھی۔ میں تمام لوگوں کو اتارنے کے بعد اسے واپس لے گیا اور گاڑی کھڑی کر کے ٹیکسی سے پروفیسر کی کوٹھی پہنچ گیا۔

راشدہ' سرخاب سے ملی۔ کوٹھی دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔ ا
ہونق سی ہو گئی تھی۔ سرخاب میری بہن کی حیثیت سے ملی۔ میں نے بھی اندر جا کر لباس
تبدیل کر لیا۔ باقی معاملات میں نے سرخاب پر چھوڑ دیئے تھے۔ سرخاب نے نہ جانے راشد
سے کیا گفتگو کی۔ راشدہ کے چہرے کی مردنی صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ سرخاب خود اسے
کار میں چھوڑنے گئی۔ واپسی پر وہ بہت ملول تھی۔

"خدا کی قسم منصور بھیا فرشتوں کی طرح معصوم ہے۔ جتنا دکھ مجھے ہوا ہے میں
بتا نہیں سکتی۔ اس نے سادگی سے مجھے سب کچھ بتا دیا کہ اس کی امی نے اسے حکم دیا تھا کہ
اگر کوئی بہتر نوجوان اس کی نظر میں آ جائے اور اس پر توجہ دے تو اس کے بارے میں
انہیں بتایا جائے جانتے ہو کیا کہہ رہی تھی؟ کہنے لگی۔ منصور کا تو اب سوال ہی نہیں پیدا
ہوتا کیونکہ ہم لوگ تو بہت غریب ہیں۔ ہم تو ایسی کوٹھیوں میں رہنا بھی نہیں جانتے۔ میں
نے اسے سہیلی بنا لیا ہے اور اس سے وعدہ لے لیا ہے کہ اکثر ملتی رہے گی۔"

اس رات میرا کرب بھی بڑھ گیا تھا۔ راشدہ کے حالات سن کر مجھے امی اور فریدہ
یاد آ گئی تھیں نہ جانے وہ کس حال میں ہیں۔ میری فریدہ بھی تو شادی کے قابل تھی۔
دونوں بھی بے سہارا رہ گئی تھیں۔ نہ جانے امی فریدہ کے لئے کس قدر پریشان ہوں۔
جانے فریدہ کون سے دفتر میں اپنی زندگی کے سہارے تلاش کر رہی ہو۔

کرب اور اذیت میں رات گزر گئی۔

دوسرے دن ایک تبدیلی ہوئی۔ مجھے اسٹاف ڈرائیور کی ڈیوٹی سے ہٹا کر لیڈی
جہانگیر کی ڈیوٹی میں دے دیا گیا تھا۔ اس تبدیلی کی کوئی کاص وجہ نہیں تھی بس لیڈی جہانگیر
کا ڈرائیور بیمار ہو کر اسپتال میں داخل ہو گیا تھا۔ اسٹاف کو دوسری گاڑی مہیا کر دی گئی
تھی۔ میرے خیال میں یہ بہتر ہوا مجھے راشدہ کے کرب سے نجات مل گئی تھی۔ میں کسی
بھولی بھالی لڑکی کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

مسز جہانگیر کی ڈرائیوری اور زیادہ آرام دہ تھی۔ صبح کو انہیں دفتر لانا ہوتا تھا اور
شام کو چھوڑنے جانا ہوتا تھا اس کے بعد چھٹی مل جاتی تھی۔ ان کی زندگی کا بس یہی معمول
تھا۔ نہایت پروقار خاتون تھیں۔ بہت کم گفتگو کرتی تھیں۔ ایک آدھ بار ہی انہوں نے مجھ
سے بات کی تھی۔ میں ان کی شخصیت سے متاثر تھا۔

کافی دن گزر گئے۔ اس دن چھٹی تھی۔ صبح کے ناشتے پر پروفیسر اخبار دیکھ رہے
تھے۔ میری نگاہ اس اشتہار پر پڑی جو آج کے اخبار میں بھی موجود تھا۔ امی اور فریدہ کی
تلاش کا اشتہار۔

میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ مجھ سے ناشتہ نہ ہو سکا۔ سرخاب میرے برابر
بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا کہ کوئی خاص بات ہے اور وہ چونک کر سامنے دیکھنے

لگی۔ اشتہار پر اس کی نگاہ بھی پڑ گئی تھی۔ اس نے بے چین نگاہوں سے مجھے دیکھا اور
بولی۔ "ناشتہ کریں منصور بھائی۔" اس کے لہجے کو محسوس کر کے پروفیسر نے بھی اخبار چہرے
کے سامنے سے ہٹا لیا۔

"کیا بات ہے؟" وہ ہم دونوں کو دیکھ کر بولے۔

"منصور بھائی اس اشتہار کو دیکھ کر رنجیدہ ہو گئے ہیں شاید۔"

"اوہ۔اوہ۔ نہیں منصور۔ ناشتہ کرو۔ حوصلہ رکھو۔ تم نے خود کو جس طرح
سنبھالا ہے' اس پر مجھے فخر ہے۔ وقت ضرور لگ رہا ہے لیکن بالآخر ہمیں کامیابی نصیب ہو
گی۔"

"یہ اشتہار کب تک آتا رہے گا پروفیسر؟"

"کیا حرج ہے بھئی بس ایک امید ہے۔ ممکن ہے کوئی کام بن جائے۔ چھٹی
والے دن میں خاص طور سے یہ اشتہار لگواتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے یہ سلسلہ اب بند کر دیں۔ کیا فائدہ اس سے۔ امی اور فریدہ اگر
زندہ ہیں تو سیٹھ جبار کی قید میں ہوں گی۔ میں بد نصیب انسان ایک گوشے میں جھوٹی آس
لگائے بیٹھا ہوں۔ نوکری کر رہا ہوں' کھا پی رہا ہوں۔ نہ جانے انہیں کیا کیا جتن کر کے روٹی
ملتی ہو گی۔ پروفیسر میرے سینے میں آتش فشاں پک رہا ہے۔ ایک ایک لمحہ مجھ پر بھاری
ہے۔ خدا کی قسم مجھے اپنی یہ خاموشی ایک جرم محسوس ہوتی ہے' یوں لگتا ہے مجھے جیسے میں
جان بوجھ کر انہیں نظر انداز کئے ہوئے ہوں۔ میرا ایمان ہے پروفیسر کہ سیٹھ جبار ان کے
بارے میں جانتا ہے۔ لیکن لیکن میں شرافت کا لحاف اوڑھے بیٹھا ہوں۔ میں معاشرے کے
قوانین کا احترام کر کے ان دونوں سے نگاہیں چرائے ہوئے ہوں۔"

پروفیسر شیرازی سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ سرد اور ٹھوس لہجے
میں بولا۔ "تم شاید سوچ رہے ہو گے منصور کہ تمہیں اپنے سنہری الفاظ و افکار کے جال میں
جکڑ کر میں مطمئن ہو گیا ہوں۔ خاموش بیٹھا ہوں۔ یہ بات نہیں ہے۔ میرا ہر لمحہ اسی تردد
میں گزرتا ہے۔ بہرحال میں تم سے صرف تین دن کی مہلت طلب کرتا ہوں۔ صرف تین
دن کی مہلت۔ اس کے بعد میں آخری فیصلہ دے سکوں گا۔ پھر تم میری عائد کی ہوئی
پابندی سے آزاد ہو گے۔"

پروفیسر کے الفاظ کا آہن میں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا۔

وہ پھر بولے۔ "تین دن زیادہ نہیں ہوتے منصور۔ ناشتہ کرو۔" اور میں خاموشی
سے دوبارہ ناشتے میں مصروف ہو گیا۔

دوسرا دن حسب معمول گزرا۔ مسز جہانگیر کو دفتر میں چھوڑ کر میں کینٹین میں جا
بیٹھا۔ دن کے گیارہ بجے کے قریب ان کا چپراسی مجھے بلانے آیا اور میں اس کے ساتھ ان

کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ ایک خوش پوش شخص ان کے سامنے کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ اس لئے میں اس کی شکل نہ دیکھ سکا۔ تب مسز جہانگیر کی آواز ابھری۔

"منصور' طارق صاحب کی کار خراب ہو گئی ہے۔ میری گاڑی لے کر ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ اور جہاں یہ کہیں وہاں پہنچا دو۔"

طارق کا نام سن کر میں چونکا اور شاید میرا نام سن کر وہ بھی۔ اس نے فوراً پلٹ کر مجھے دیکھا اور میری رگوں میں پارہ دوڑنے لگا۔ طارق ہی تھا۔ وہی طارق جس کا نام سن کر میرا خون کھولنے لگتا تھا۔ ایک بار پھر وہ میرے سامنے آ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک مکارانہ چمک ابھری۔۔ اور پھر وہ لیڈی جہانگیر کی طرف رخ کر کے بولا۔

"کون ہے؟"

"ڈرائیور۔" مسز جہانگیر نے اس استفسار پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ طارق ایک لمحے خاموش رہا پھر اٹھ گیا۔

"اوکے لیڈی صاحب۔ پھر کسی وقت ملاقات ہو گی۔"

"اوکے۔" مسز جہانگیر نے سپاٹ لہجے میں کہا اور طارق باہر چل پڑا۔ میں بھی خاموشی سے باہر نکل آیا۔ اور پھر میں نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر پچھلا دروازہ کھول دیا۔ طارق پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اس کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے اپنی حالت پر قابو پا لیا۔ میرے ذہن میں ایک منصوبہ پرورش پا رہا تھا۔ میں نے عقب نما آئینے میں طارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں لے چلوں۔ طارق صاحب؟

"کسی عمدہ سے ریسٹوران میں چلو۔ وہاں تمہارے ساتھ ایک پیالی چائے پیوں گا۔ بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی ہے۔" طارق نے جواب دیا۔

"جو حکم۔" میں نے کہا اور کار کی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دیر بعد طارق نے ایک طرف اشارہ کیا۔ سامنے ایک خوبصورت ریستوران نظر آ رہا تھا۔ میں نے ریستوران کے نزدیک کار فٹ پاتھ سے لگا کر روک دی۔

"آؤ۔ شیشے وغیرہ چڑھا دو۔" طارق کار سے اتر گیا۔ لیکن میرے انداز میں کسی قدر ہچکچاہٹ تھی۔

"کیوں؟" طارق نے مجھے دیکھا۔

"طارق صاحب۔ میرا لباس اور میری شخصیت مجھے اس ریستوران میں داخل ہونے کی اجازت دیں گے؟" میں نے سوال کیا اور طارق مسکرانے لگا۔

"اس دنیا کے بارے میں ابھی تمہاری معلومات بہت محدود ہیں منصور۔ کسی صاحب حیثیت انسان کا ساتھی بن جانا ہی کافی ہے۔ لوگ تمہاری عزت کریں گے خود کو دنیا کے رنگوں میں شامل کرو۔ عام ناکام لوگوں کی طرح کامیاب انسانوں سے نفرت کرو گے تو گھٹن اور جلن کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ کوئی تمہاری طرف آنکھ بھی نہیں اٹھائے گا۔" وہ ریستوران کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چوکیدار نے جلدی سے دروازہ کھول کر کاروباری سلام کیا تھا جس کا جواب ضروری نہیں ہوتا۔

اندر چند میزیں آباد تھیں۔ طارق ایک میز کے گرد پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے اعلیٰ درجے کے سگریٹ کا پیکٹ اور ایک انتہائی حسین لائٹر نکال کر میز پر رکھ لیا۔ پھر پرسکون انداز میں کرسی کی پشت سے ٹک کر سگریٹ کا پیکٹ اٹھا لیا۔ اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر میری طرف بڑھائی اور میں نے شکریہ کے ساتھ گردن ہلا دی۔

"اوہ' پیتے نہیں ہو؟"

"نہیں طارق صاحب۔ شکریہ۔" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا اور طارق نے سگریٹ نکال کر سلگائی۔ ویٹر کے آنے پر اس نے چائے کے لئے کہہ دیا اور پھر دو تین گہرے گہرے کش لے کر سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے بولا۔

"کیسی گزر رہی ہے؟"

"زندہ ہوں۔"

"صرف زندہ رہنا اچھا نہیں ہے۔ زندگی کے ساتھ پورا پورا انصاف ضروری ہے۔"

"کیا انسان اپنی ذات کا منصف بن سکتا ہے؟" میں نے پوچھا اور طارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بن سکتا نہیں' ہوتا ہے۔ اپنی ذات سے خود انصاف کیا جاتا ہے۔ دوسروں سے توقع فضول ہے۔"

"لیکن تقدیر بعض لوگوں کو اس کا موقع کہاں دیتی ہے۔"

"تقدیر۔" طارق نے پھر سگریٹ کا کش لیا۔ "تقدیر کے وجود سے میں انکار نہیں کرتا منصور! لیکن یہ جانتا ہوں کہ تقدیر زندگی میں ایک موقع ضرور دیتی ہے۔ اب یہ انسان کی صلاحیت کی بات ہے' کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ بعض لوگ جان بوجھ کر ضد کر کے اس موقعے کو ٹھکراتے ہیں۔ تمہاری ہی بات کر رہا ہوں۔ دنیا کا مزاج شناس ہونا ضروری ہے۔ شرافت کا ڈھول صرف بجتا ہے اس کا حاصل کچھ نہیں۔"

"شاید۔" میں نے خود کو سنبھال لیا ورنہ ذہن میں تو بہت سی باتیں آئی تھی۔

"جہانگیر لیڈ میں کتنے عرصے سے کام کر رہے ہو؟"

"جیل سے رہا ہونے کے بعد پہلی ملازمت ہے۔"

"تعجب ہے۔" طارق نے راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کتنا عرصہ رہے جیل میں؟"

"پانچ سال۔"

"جیل کی زندگی میں تمہیں کوئی تربیت نہیں ملی؟"

"بہت کچھ سیکھا ہے میں نے وہاں مسٹر طارق۔"

"اور اس کے بعد بھی ڈرائیور کی نوکری کر رہے ہو؟" طارق نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں اپنی ذات کا منصف نہیں بن سکا۔"

"بالکل۔ یہی بات ہے لیکن اب کیا خیال ہے سوچ میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی؟"

"سوچنے کا موقع ہی کہاں ملا ہے طارق صاحب۔ آپ لوگ زیادہ پھرتی سے کام کرنے کے قائل ہیں۔ میں اتنی ہی پھرتی سے آپ کا مقابلہ نہیں کر پا رہا۔"

"اوہ۔" طارق ہنس پڑا۔ "ویسے تمہاری صلاحیتیں نکھری ہیں۔" اس نے کہا۔

ویٹر نے چائے لا کر رکھ دی اور میں نے خود ہی چائے بنا کر ایک پیالی اسے پیش کی اور دوسری اپنے سامنے رکھ لی۔

طارق نے گرم گرم چائے کے دو گھونٹ لئے تھے۔

"میں نے تمہاری اس کوشش سے خوش ہوں۔"

"کون سی کوشش کی بات کر رہے ہیں؟"

"تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن ایک سوال میرے ذہن میں پیدا ہو رہا ہے۔ تم نے پولیس کے سامنے اور پھر عدالت میں سیٹھ جبار کا حوالہ کیوں نہیں دیا؟"

"رہا ہونا چاہتا تھا۔" میں نے کہا اور طارق نے جلدی سے چائے کی پیالی رکھ دی۔ وہ مجھے تعریفی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا واقعی؟ کیا واقعی تمہاری سوچ میں یہ نکھار پیدا ہوا ہے۔" اس نے پر جوش انداز میں پوچھا۔

"تجربہ سوچ بدل دیتا ہے طارق صاحب۔" میں نے اداس' لہجے میں کہا۔

"اگر یہ بات تھی تو پھر سیٹھ جبار کے پاس کیوں نہیں آئے؟"

"موقع دیا گیا تھا مجھے؟" میں نے پوچھا۔

"ہوں۔" طارق کچھ سوچنے لگا۔ پھر خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ ذہن میں کچھ فیصلے کر رہا ہو۔

"طارق صاحب۔" میں نے اسے مخاطب کیا اور اس نے پیکٹ اٹھا کر اس سے دوسرا سگریٹ نکال لیا۔ پھر وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟"

"اوہ۔ میں نے اخبارات میں تمہارے اشتہارات دیکھے تھے۔ ابھی تک کوئی پتہ نہیں چل سکا؟" طارق نے پوچھا۔

"آپ لوگ نہیں چاہیں گے تو پتہ کس طرح چل سکے گا۔" میں نے کہا۔

"ذاتی طور پر اس بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن سیٹھ جبار چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا۔ بہرحال' ہم تمہاری اس بات سے خوش ہیں کہ تم نے عدالت میں سیٹھ جبار کا نام لینے کی احمقانہ کوشش نہیں کی۔"

"میں ان کا فوری پتہ چاہتا ہوں طارق صاحب۔"

"کوئی کام فوری نہیں ہوتا منصور۔ ہر کام کے لئے ایک مناسب وقت اور محنت درکار ہوتی ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا اور میرا خون کھول کر رہ گیا لیکن جلد بازی کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا۔ میں اس بات سے بخوبی واقف تھا۔ آج تک جو کچھ کرتا رہا تھا اس کے نتیجے میں مشکلات کا شکار ہی رہا تھا۔ وقت نے تجربہ دیا تھا اور اس تجربے سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت تھی چنانچہ میں نے گردن جھکالی۔

"آئندہ زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے منصور؟"

"کونسی زندگی کی بات کر رہے ہیں طارق صاحب۔ یہ جو موجود ہے۔ یہ زندگی جس میں ماں اور بہن کی جدائی کے غم ہیں۔ انہیں تلاش کر لوں تو زندگی کے بارے میں غور کروں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ بہرحال اگر تم چاہو اور کوئی ضرورت محسوس کرو تو مجھے اس نمبر پر رنگ کر لینا۔ میں تمہارے لئے اور بھی کچھ کروں گا۔" طارق نے اشارہ کر کے ویٹر کو بل لانے کے لئے کہا اور پھر بل ادا کر کے اٹھ گیا۔

اس کے بعد راستے میں طارق سے میری کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں نے اسے اس کی مطلوبہ جگہ چھوڑ دیا اور طارق مزید کوئی بات کیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ جیسے میرے وجود کو بھول ہی گیا ہو۔ میں اپنی جگہ رکا اسے دیکھتا رہا۔ میری آنکھوں میں آگ سلگ رہی تھی۔ لیکن پہلی بار میں نے مصلحت کا دامن پکڑا تھا۔ ورنہ۔ ورنہ آج طارق کی زندگی ممکن نہیں تھی۔

شام کو کوٹھی واپس پہنچ گیا۔ سرخاب حسب معمول منتظر ملی تھی۔ بڑی چاہت سے استقبال کرتی تھی میرا۔ بلاشبہ اس کی آنکھوں میں ایک بہن کی سی چاہت مل گئی تھی مجھے۔ اور میں ان لوگوں کے اسی سلوک سے اپنی فطرت کا زہر مار رہا تھا۔ ورنہ دل تو یہ

چاہتا تھا کہ قتل عام شروع کر دوں۔ تباہی پھیلا دوں۔ وہ کچھ کروں جو تصور نہ کیا جا سکے لیکن لیکن.....

"پروفیسر صاحب موجود نہیں ہیں؟"

"صبح سے گئے ہوئے ہیں۔" سرخاب نے جواب دیا پھر بولی۔" صبح کو ایک بات کہہ رہے تھے۔"

"کیا؟"

"کہہ رہے تھے کہ اگر منصور تیار ہو جائیں تو کچھ روز کسی پر فضا مقام پر گزارے جائیں یعنی وہ خود نہیں جائیں گے بس ہمارے لئے سوچ رہے تھے۔"

"تم نے کیا جواب دیا؟"

"بھئی۔ میں نے کہہ دیا کہ اس کا موقع نہیں ہے۔ منصور بھیا کا ذہن کسی تفریح کا متحمل نہیں ہو سکتا اور پھر ان کی نوکری۔ منصور بھیا اس نوکری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"دراصل ڈیڈی کے تمام راز آپ پر کھول دینے کو جی چاہتا ہے آپ سے تو کچھ چھپا ہی نہیں سکتی۔" سرخاب نے کہا۔ "آپ کو ابھی نوکری کی ضرورت تھوڑی ہے بھیا مگر ڈیڈی چاہتے ہیں کہ آپ اپنی ذات میں زندہ رہیں اور اس کے علاوہ آپ کا ذہن بٹا رہے۔ آپ زندگی کے سیدھے راستوں کو نہ بھول جائیں۔ وہ آپ کے لئے جس قدر فکر مند ہیں وہ میں ہی جانتی ہوں کیا آپ یقین کریں گے کہ وہ پوری رات نہ سو سکے۔"

"میں۔ میں جاننا چاہتا ہوں سرخاب کہ پروفیسر میرے لئے کس قدر پریشان ہیں۔ میری گردن شرم سے جھک جاتی ہے' جس وقت میں یہ سوچتا ہوں۔"

"نہیں بھیا۔ یہ غیریت کی بات ہے اگر ہم کسی تکلیف کا شکار ہو جائیں تو کیا آپ ہمارے لئے اتنے پریشان نہ ہوں گے۔" سرخاب نے کہا اور میں نے گردن جھکا لی۔

"میں چائے کا بندوبست کر لوں ..... ابھی آئی۔" سرخاب اٹھ کر چلی گئی پھر چائے پیتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔

"آج طارق سے ملاقات ہو گئی تھی سرخاب۔"

"اوہ۔ کہاں۔ کیسے؟"

"وہ میری فرم کی مالک مسز جہانگیر کا شناسا ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور سرخاب پریشان نظر آنے لگی۔

"پھر۔ کوئی خاص بات ہوئی؟"

"نہیں۔ بس اس سے بات چیت ہوئی ہے۔ میں اسے چھوڑنے گیا تھا۔ اس نے

ایک ریستوران میں مجھے چائے کی پیش کش کی اور میں نے مصلحتاً قبول کر لی۔ چائے کے دوران اس نے مجھ سے دوستانہ انداز میں گفتگو کی اور اس بات کو سراہا کہ میں نے عدالت میں سیٹھ جبار کا نام نہیں لیا۔"

"اوہ۔ پھر؟ اور کیا گفتگو ہوئی اس سے؟" سرخاب بدستور بے چین نظر آ رہی تھی۔

"میں نے امی اور فریدہ کے بارے میں اس سے پوچھا تھا۔ مجھے یقین ہے سرخاب کہ وہ ان کے بارے میں جانتا ہے۔"

"کیسے اندازہ لگایا۔ مجھے بتاؤ۔"

"بس اس کی گفتگو سے۔ اس نے کہا کہ میں اگر کوشش کروں تو انہیں پا سکتا ہوں۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کوشش کیا ہو گی؟"

"نہیں۔ لیکن یقیناً اس کا خیال ہے کہ میں سیٹھ جبار کو اپنی خدمات پیش کروں۔ اس طرح میری میرے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔"

"کیا اس نے یہ پیش کش کی ہے؟"

"نہیں۔ لیکن فون نمبر دے کر کہا ہے کہ اگر کوئی ضرورت محسوس کروں تو اس سے بات کر لوں۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتی ہو۔" سرخاب کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر تھوڑی دیر کے بعد بولی۔

"منصور بھیا۔ کیوں نہ تم واقعی مصلحت کا لبادہ اوڑھ لو۔ تم کسی برے مقصد کے لئے یہ کام نہیں کرو گے۔ امی اور فریدہ کی تلاش ہمارا نصب العین ہے۔ ہمیں ان کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے' کریں گے۔ ان لوگوں کے ذہنوں سے یہ خیال نکال دو کہ تم ان کے لئے کوئی برائی رکھتے ہو۔ طارق کا اعتماد حاصل کر لو اور کسی طرح اس سے ان دونوں کا پتہ معلوم کر لو۔"

"اتنے کچے نہیں ہیں' وہ لوگ۔ مجھے گردن گردن تک جرائم کی دلدل میں غرق کر دیں گے تب کہیں جا کر میرے اوپر اعتماد کریں گے سرخاب! اور اس کے بعد اگر امی اور فریدہ مل بھی گئیں تو میں ان کے مطلب کا نہ رہوں گا۔"

"خدا نہ کرے۔" سرخاب تڑپ کر بولی۔

"یہی سب کچھ ہو گا سرخاب! یقین کرو یہی سب کچھ ہو گا۔"

"تو پھر؟"

"نہیں سرخاب۔ اس کا آلہ کار بن کر جرائم کروں گا تو خود پر ہنسی آئے گی۔ سوچوں گا کہ زندگی کے پانچ سال مصیبتوں کا طویل عرصہ کس حساب میں درج کروں۔ اس

سے تو بہتر تھا کہ پہلے ہی ان کی بات مان لیتا۔ نہیں سرخاب! پروفیسر شیرازی نے کہا ہے کہ تین دن کے اندر اندر وہ مجھے کوئی جواب دیں گے اور سرخاب اگر پروفیسر نے مجھے اجازت دے دی تو۔ تو پھر یقین کرو۔ جرائم کی زندگی میں داخل ہو جاؤں گا لیکن میرا مقصد صرف ماں اور بہن کی تلاش ہو گا۔ میں اس زندگی کو عیش و عشرت کے حصول کے لئے نہیں اپناؤں گا۔ ہاں سرخاب! میں پروفیسر سے وعدہ کروں گا کہ جرائم کے ایک پیسے کا بھی منافع خود پر حرام سمجھوں گا۔" میں نے کہا اور سرخاب گردن ہلانے لگی۔

"ہاں بھیا۔ مجھے یقین ہے فطری طور پر اگر تم برائیوں کی طرف راغب ہوتے تو ابتدا ہی میں انہیں نہ ٹھکراتے۔" سرخاب نے کہا اور پھر ایک دم بولی۔ "شاید ڈیڈی آ گئے۔" ہم دونوں باہر نکل آئے۔ پروفیسر کار سے اتر رہا تھا اور پھر وہ تیزی سے اندر کی طرف چلا گیا۔ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ شاید وہ ہمیں نہیں دیکھ سکا تھا۔ سرخاب ٹھٹھک گئی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"وہ صرف میری وجہ سے پریشان ہیں؟" میں نے کہا۔

"چلیں ان کے پاس؟"

"ابھی نہیں۔" میں نے گہری گہری سانس لے کر کہا اور سرخاب رک گئی۔ ہم دونوں باہر نکل آئے۔ دیر تک لان پر ٹہلتے رہے۔ پھر سرخاب نے ماحول بدلنے کے لئے کہا۔

"راشدہ سے ملاقات ہوئی؟"

"نہیں۔ ویسے بڑی مسرت کی بات ہے کہ وہ لڑکی غلط فہمی سے نکل گئی۔ مجھے یقین ہے کہ اب وہ مجھ سے نہیں ملے گی۔"

"کیوں؟"

"اس کا نسوانی وقار مجروح ہوا ہے سرخاب! اس نے اپنی آن کی قربانی صرف اس لئے دی تھی کہ اس کی ماں کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ اس کے باوجود اسے کچھ نہیں مل سکا۔ اس نے غلط آدمی کا انتخاب کیا۔"

"افسوس یہ دنیا کتنے دکھوں کا گھر ہے۔ کیا یہاں کوئی انسان دکھوں سے خالی ہے منصور بھیا ہر ایک کے الگ مسائل ہیں اور بعض مسائل تو ایسے ہیں جن کا کوئی حل بھی نہیں ہوتا۔" سرخاب نے افسردگی سے کہا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن پروفیسر کو دیکھ کر مجھے صدمہ ہوا تھا۔ یہ نیک انسان جو سکون سے اپنے گھر کی چار دیواری میں بیٹھا ہو تھا میری وجہ سے ذہنی عذاب کا شکار ہو گیا تھا۔ کیا کروں' ان لوگوں کے افکار ایسے ہیں کہ انہیں چھوڑنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ بہت دیر تک میں اور سرخاب لان پر ٹہلتے رہے۔ سرخاب میری اس کیفیت سے واقف تھی۔ اس لئے وہ بھی بہت کم بول رہی تھی۔ پھر جب

رات ہو گئی تو ہم دونوں لان سے واپس پلٹ پڑے فضا میں خنکی ہو گئی تھی۔

کھانا تیار ہو چکا تھا۔ پروفیسر اپنے کمرے میں موجود تھا۔ میں اور سرخاب اسی طرف چل پڑے۔

"میں مصروف ہوں۔" اندر سے پروفیسر کی آواز آئی۔ اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔

"کھانا نہیں کھائیں گے ڈیڈی؟ لگ گیا ہے۔" سرخاب نے کہا۔

"تم کھاؤ۔ میرے بچو۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ میری درخواست ہے کہ تم مجھے میرے مشاغل میں مصروف رہنے دو۔"

"جیسی آپ کی مرضی ڈیڈی۔" سرخاب نے کہا اور ہم اس کے کمرے کے سامنے سے واپس آ گئے۔ کھانا بھی نہایت بے دلی سے اور مختصر کھایا گیا تھا۔ سرخاب بھی کسی قدر مضمحل ہو گئی تھی۔ میں نے اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔

"کیا بات ہے؟" سرخاب بھی پھیکے انداز میں مسکرائی۔

"میں خاموشی سے تمہارا گھر چھوڑ کر بھاگ جاتا سرخاب! خدا کی قسم ایسا ہی کرتا تاکہ میرے وجود کے منحوس سائے اس گھر سے رخصت ہو جاتے۔ مجھے احساس ہے کہ اس ننھی سی پرسکون جھیل میں۔ میری وجہ سے کتنا انتشار برپا ہو گیا ہے۔ لیکن سرخاب۔ میں تم لوگوں کے اس خلوص کی کوئی قیمت دینے کا اہل نہیں ہوں سوائے اس کے کہ خلوص و محبت کے اس عظیم الشان تاج محل کے سائے میں کھڑا رہوں اور جب یہ سائے سمٹ جائیں تو یہاں سے آگے بڑھ جاؤں۔ میں اس وقت کا منتظر ہوں جب پروفیسر مجھ سے معذرت کر لیں۔"

"اس خلوص کے سائے کبھی نہیں سمٹیں گے منصور! میں ڈیڈی کو جانتی ہوں لیکن تم وعدہ کرو کہ اس تاج محل کو مسمار نہیں کرو گے۔"

"میں اپنی ذات میں وہ ہمت نہیں پاتا سرخاب! کئی بار سوچا ہے لیکن اس سوچ میں مجھے پروفیسر کا وجود زخموں سے چور نظر آتا ہے۔ میں اپنے محسن کو کوئی زخم لگا کر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"تمہارا شکریہ منصور۔ ہاں اگر کبھی ہماری طرف سے اپنی ذات اور اپنے مسائل کے لئے کوئی اکتاہٹ پاؤ تو پھر تم آزاد ہو گے۔" سرخاب نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

دوسرے دن حسب معمول اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ صبح کو ناشتے پر بھی پروفیسر سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن پروفیسر کی الجھن سے میں بھی پریشان تھا۔ مسز جہانگیر آج اکھڑی اکھڑی سی تھیں۔ میں اس کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔ لیکن شام کو جب میں اسے اس کے مکان

پر چھوڑنے جا رہا تھا تو راستے میں اس نے مجھ سے گفتگو کی۔

"طارق کو پہلے سے جانتے ہو؟"

"جی۔" میں نے جواب دیا۔

"کب سے؟"

"تقریباً پانچ ساڑھے پانچ سال سے؟"

"ان لوگوں کے ساتھ کام کر چکے ہو؟"

"جی ہاں۔"

"کیا کام کرتے تھے؟"

"ڈرائیور تھا۔"

"پانچ سال کام کیا ہے ان کے ساتھ؟"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"زیادہ سے زیادہ دو تین ماہ۔"

"اس کے بعد؟"

"جیل چلا گیا تھا۔" میں نے تلخ لہجے میں جواب دیا اور مسز جہانگیر چونک پڑی۔ دیر تک خاموش رہی۔ پھر بولی۔

"ان کے لئے؟"

"جی نہیں۔ ان کی وجہ سے۔"

"اوہ۔" اس نے اتنا کہا اور خاموش ہو گئی اور اس کے بعد دیر تک اس نے گفتگو نہیں کی یہاں تک کہ کوٹھی آ گئی۔ کار سے اترتے ہوئے اس نے کہا۔ "گھر جانے کی جلدی ہوتی ہے؟"

"جی۔ جی نہیں تو۔ کوئی حکم ہو تو۔"

"یہ بریف کیس لے کر اندر آ جاؤ۔ تم سے باتیں کروں گی تھوڑی دیر۔" وہ سرد انداز میں بولی اور میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ اپنی خوابگاہ میں پہنچ گئی تھی۔ پھر اس نے ایک ملازم کو بلایا اور اس کے آنے کے بعد بولی۔

"کوئی فون آئے تو کہہ دینا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سو رہی ہوں۔ کوئی ملنے آئے تو اس سے بھی یہی کہہ دینا خواہ کوئی ہو اور کافی بھجوا دو۔"

"جی صرف آپ کے لئے؟"

"میں تمہیں تنہا نظر آ رہی ہوں؟" وہ سخت لہجے میں بولی اور ملازم گردن جھکا کر

"بیٹھو منصور! تمہاری بات نے مجھے حیرت کا شکار کر دیا ہے۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا اور اس کے اشارے پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"معاف کرنا۔ میں تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ اپنی کرسی آگے کھسکاؤ۔" مسز جہانگیر نے مسہری پر دراز ہو کر ایک چادر بدن پر ڈال لی اور میں اپنی کرسی اس کے نزدیک لے آیا۔

"آرام سے بیٹھو۔ اس وقت میں تمہاری باس نہیں ہوں بلکہ تم میرے مہمان ہو۔"

"شکریہ۔" میں نے مختصراً کہا۔

"پڑھے لکھے ہو منصور؟"

"نہ ہونے کے برابر۔"

"یعنی۔"

"انٹر کے بعد تعلیم چھوڑ دی تھی۔"

"کیوں؟"

"والد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔"

"وہ کیا کرتے تھے؟"

"ڈرائیور تھے سیٹھ عبد الجبار کے ہاں۔"

"اوہ۔ تو جبار سے تمہاری واقفیت یوں تھی۔"

"جی ہاں۔"

"تم ان لوگوں کے پاس کس طرح پہنچ گئے۔"

"والد کی اچانک موت کے بعد نوکری کی تلاش ہوئی۔ دنیا سے اتنا ناواقف تھا سوچا کہ نوکریاں صرف سیٹھ جبار کے ہاں ملتی ہیں' سو ہاں چلا گیا اور نوکری مل گئی۔ ڈرائیونگ سکھائی گئی تھی لیکن پھر پتہ چلا کہ یہ نوکری اسمگلروں اور جرائم پیشہ افراد کی ہے تو نوکری چھوڑ دی اور سیٹھ جبار کے عتاب کا شکار ہو گیا۔ چرس فروشی کے جھوٹے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اثر و رسوخ سے کام لے کر سیٹھ جبار نے پانچ سال کی سزا کرا دی۔ رہائی کے بعد معلوم ہوا ماں اور بہن غائب ہیں۔ دنیا میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ جبار سیٹھ کے ایک آدمی کو مار پیٹ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ماں اور بہن کہاں ہیں تو قتل کے الزام میں پھنسا دیا گیا لیکن اتفاق سے گلو خاصی ہو گئی۔ وہ شخص مل گیا جس کے قتل کا الزام تھا۔ ایک لاوارث لاش کو ہسپتال سے حاصل کر کے اس شخص کی لاش کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا۔ ایک کرم فرما کی مدد سے قتل کے کیس سے نجات مل گئی لیکن اس شرط پر کہ عدالت میں سیٹھ جبار کا نام نہ لوں۔ اس کے بعد آپ کے ہاں نوکری کر لی۔

اب صرف ایک خواہش ہے کہ ماں اور بہن مل جائیں۔ انہیں سیٹھ جبار وغیرہ نے ہی غائب کرایا ہے اور طارق جانتا ہے کہ وہ کہاں ہیں؟ لیکن۔" میں خاموش ہو گیا۔ میری آواز بھرا گئی تھی۔ میں نے مسز جہانگیر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مجھے متوجہ پا کر اس نے جلدی سے آنسو خشک کر لئے اور نگاہیں جھکائے ہوئے بولی۔

"بڑی پر درد ہے تمہاری کہانی۔"

"میرا درد حد سے گزر چکا ہے۔ اس لئے اب پر سکون ہوں۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"معاف کرنا۔ میں تمہارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی۔" وہ بولی.....

"جی۔ میں نہیں سمجھا؟" میں نے تعجب سے کہا۔

"طارق سے تمہاری کل کچھ گفتگو ہوئی تھی؟"

"جی ہاں۔ اس نے مجھے ایک ریستوران میں چائے کی پیش کش کی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ میری ماں اور بہن کا اسے علم ہے۔ اس لئے میں نے کوئی غلط رویہ نہ اختیار کیا۔ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ میں نے عدالت میں سیٹھ جبار کا نام نہیں لیا۔ بہرحال وہ اسے جذبہ خیر سگالی سمجھا اور ڈھکے چھپے الفاظ میں اس نے مجھے دوبارہ سیٹھ جبار سے رجوع کرنے کے لئے کہا۔"

"تم نے اپنی والدہ اور بہن کے بارے میں پوچھا تھا؟"

"جی ہاں۔ اس نے لاعلمی ظاہر کی لیکن کہا کہ سیٹھ جبار چاہے تو انہیں تلاش کرا سکتا ہے۔ مقصد صاف ظاہر تھا۔"

"پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟"

"ابھی تک کچھ نہیں۔" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"کیا فیصلہ کرو گے؟ معاف کرنا ذاتی سا سوال ہے لیکن میرے دل میں اسے جاننے کی خواہش ہے۔" مسز جہانگیر کی خوبصورت آنکھیں مجھ پر آ ٹکیں اور میں سوچ میں ڈوب گیا لیکن نجانے کیوں جھوٹ بولنے کو جی نہیں چاہا تھا۔

"نہیں..... میں ان لوگوں سے تعاون نہیں کر سکتا۔ میں جرائم کے راستوں پر نہیں آنا چاہتا جس جذبے کے تحت اتنی مشکلات مول لیں' اسے فنا کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ میرا وطن ہے میں اس کا دشمن نہیں بن سکتا۔ جرم کیوں کروں۔ اگر جرائم کے راستے پر چل کر ماں اور بہن تک پہنچا تو پھر ان کے کس کام کا رہوں گا۔ میں سیٹھ جبار سے تعاون نہیں کروں گا۔"

"خدا تمہیں استقامت عطا کرے۔" مسز جہانگیر خلوص سے بولی اور پھر تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر بولی۔

"طارق نے تمہاری سفارش کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ تم تھوڑے بہت پڑھے لکھے ہو تمہیں کوئی اچھی نوکری دے دی جائے تمہارا کیا خیال ہے؟"

"آپ خود فیصلہ کریں لیڈی صاحبہ۔" میں نے دوسری طرف رخ کر کے کہا اور لیڈی جہانگیر نہ سمجھنے والے انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ اسی وقت ایک ملازمہ کافی اور دوسرے چند لوازمات کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر لے آئی۔

"یہاں چھوڑ دو۔ میں بنا لوں گی۔" لیڈی جہانگیر نے کہا اور ملازمہ ٹرالی مسہری کے نزدیک لے آئی پھر باہر چلی گئی۔ مسز جہانگیر کافی بنانے لگی تھی۔ اس نے ٹرالی میرے سامنے سرکاتے ہوئے کہا۔

"پلیز کچھ لو۔"

"بہت بہت شکریہ میں....."

"منصور مجھے خوشی ہو گی۔" اس نے کہا اور میں نے پلیٹ سے ایک سیب اٹھا لیا۔ تب وہ بولی۔

"میری طرف سے اجازت ہے تم اپنے لئے جو سیٹ منتخب کرو میں تمہارا تقرر اس پر کر دوں گی۔ فوری طور پر میں نے تمہاری تنخواہ میں پانچ سو روپے کا اضافہ کر دیا ہے۔"

"یہ فیصلہ کیا ہے آپ نے؟" میں نے شکایتی انداز میں کہا اور وہ چونک پڑی۔

"بخدا میں نہیں سمجھی؟"

"کیا آپ مجھے طارق کا احسان مند دیکھنا پسند کریں گی؟"

"اوہ۔ تو اس کا مطلب ہے؟"

"اگر آپ محسوس نہ کریں تو میں آپ کی اس ملازمت پر لعنت بھیجتا ہوں کل میں حاضر نہ ہو سکوں گا۔ میرا استعفا قبول فرمایئے۔" میں نے جذباتی انداز میں کہا۔ سیب میں نے واپس رکھ دیا تھا۔

"خدا کی قسم۔ خدا کی قسم نہیں منصور! مجھے تمہاری ناراضگی قبول نہیں ہے للہ اپنا مقصد واضح کرو۔ یقین کرو منصور۔ میں بھی ایک مظلوم عورت ہوں۔ میں کسی طور تمہاری اہانت نہیں کر رہی۔"

"طارق کی وساطت سے تو میں جنت بھی قبول نہیں کروں گا لیڈی صاحبہ۔ میرے ہونٹ تو اس کے لہو کی پیاس سے خشک ہیں۔ میں اس کے لہو کی ایک ایک بوند چاٹ جانا چاہتا ہوں۔ کاش مجھے اس کا موقع مل جائے۔" میری آنکھوں میں خون لہرانے لگا۔ لیڈی جہانگیر مجھے بغور دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"سیب کھاؤ منصور۔ میرا دل بہت عرصے بعد خوش ہوا ہے۔ پلیز کھاؤ۔ مجھے

معاف کر دو۔ میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے نزدیک ایسے ہیرے بکھرے ہوئے ہیں۔ لو کافی پیو۔"

"آپ نے میری کہانی سننے کے بعد بھی مجھے پہ پیش کش کر دی لیڈی صاحبہ؟"

"ہاں' مجھ سے حماقت ہوئی ہے اور میں پورے خلوص سے' تم سے معافی چاہتی ہوں۔ اس بدبخت نے تمہاری سفارش کی تھی اور میں اس کے لئے مجبور تھی۔"

"مجبور؟" میں چونک پڑا۔

"ہاں منصور میں بھی اس شیطان کا شکار ہوں۔ وہ منحوس مجھے بلیک میل کر رہا ہے لاکھوں روپے اینٹھ چکا ہے مجھ سے۔"

"اوہ تو اس سے آپ کا؟"

"صرف یہی تعلق ہے۔ وہ میری زندگی پر حکمران ہے۔"

"کیوں بلیک میل کر رہا ہے۔ وہ آپ کو۔" میں نے پوچھا اور وہ مجھے دیکھنے لگی پھر بے اختیار مسکرا دی۔

"تم نے کتنی سادگی سے میری زندگی کے تاریک ترین پہلو کے بارے میں سوال کر لیا ہے لیکن میرے دل میں اس سادگی کا ایک مقام پیدا ہو گیا ہے منصور! بہت دنوں کے بعد مجھے ایک انسان دیکھنے کو ملا ہے۔ لیکن طارق نے مجھے میرے شوہر جہانگیر کا قاتل ثابت کیا ہے۔ سر جہانگیر بہت بڑے آدمی تھے وہ خود بھی اچھے انسان نہیں تھے۔ ان کی بے پناہ دولت جائز ذرائع کا نتیجہ نہیں تھی۔ سیٹھ جبار سے بھی ان کا گٹھ جوڑ تھا اور کسی چپقلش کے نتیجے میں انہیں قتل کر دیا گیا لیکن حالات ایسے پیدا کر دیئے گئے کہ میں ان کی قاتل قرار پاؤں۔ سیٹھ جبار کا صرف اتنا مقصد تھا کہ ان کی موت کے بعد میں اس کی طرف اشارہ نہ کر سکوں۔ ورنہ پھانسی کے پھندے تک جانا ہو گا لیکن طارق نے اس سے دوسرے فائدے بھی اٹھانے شروع کر دیئے اور آج میں اس کے چنگل میں بے بس ہوں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ کیا اس پورے ملک پر سیٹھ جبار کی حکومت ہے۔ کیا اسے دیکھنے والا اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں ہے؟" میں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ لیڈی جہانگیر کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو ٹپکنے لگے تھے۔ دیر تک وہ اسی کیفیت کا شکار رہی اور پھر بولی۔

"تو منصور۔ اب۔ اب تم کیا کرو گے؟"

"میری زندگی کا صرف ایک مشن ہے لیڈی صاحبہ۔ ماں اور بہن کی تلاش اور جب تک زندہ ہوں کوشش کرتا رہوں گا۔ آپ جو کچھ مجھے دے رہی ہیں' وہی کافی ہے۔ مزید ضرورت نہیں ہے۔"

"میرے لئے کوئی خدمت ہو تو بتاؤ منصور اور ہاں میرے ذہن میں ایک اور

خیال آیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم بدستور اپنا کام کرتے رہو۔ اس طرح میرے قریب رہ سکو گے۔ دفتر میں لگ گئے تو پھر ہمیں بات کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ میں تم سے ملتے رہنا چاہتی ہوں۔"

"میں کوئی دفتری کام کرنا بھی نہیں چاہتا۔ نہ ہی میں اس کا اہل ہوں لیکن طارق سے آپ کیا کہیں گی؟"

"جو تم کہو۔"

"تو آپ اس سے کہہ دیں کہ میں نے دفتری کام کرنا قبول نہیں کیا البتہ آپ نے میری تنخواہ بڑھا دی ہے۔"

"اوہ۔ لیکن۔ لیکن کیا تم یہ برداشت کر سکو گے؟"

"ہاں۔ لیڈی صاحبہ۔ اسی طرح جس طرح میں نے اس کا ڈرائیور بننا برداشت کیا تھا اور اس کے بعد اسے زندہ رہنے دیا تھا۔ میں اس سے اپنی ماں اور بہن کا پتہ معلوم کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے میں مصلحت سے کام لوں گا۔"

"خدا تمہاری مدد کرے لیکن منصور کسی بھی طور پر میری مدد درکار ہو تو میں حاضر ہوں۔" لیڈی جہانگیر نے کہا۔

"شکریہ لیڈی صاحبہ۔ کاش آپ مجھے پہلے مل جاتیں۔ میں بھی اس دنیا میں نیک انسانوں کی مانند زندگی گزارنے کا خواہاں تھا۔ مجھ سے میری شرافت چھین لی گئی ہے۔ لیڈی صاحبہ! میرا قصور نہیں ہے۔"

"پہلے میں صرف اپنے لئے دکھی تھی۔ اب تمہارے لئے بھی ہو گئی۔ زندوں سے بچھڑنے کا غم معمولی نہیں ہوتا۔"

"میری ذات ہی منحوس ہے جو مجھ سے ہمدردی کرتا ہے الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہرحال اب مجھے اجازت دیں۔"

"بہتر اور سنو منصور! تمہیں خدا کا واسطہ کوئی جذباتی فیصلہ مت کرنا۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ کم از کم تم اپنا دکھ مجھ سے کہہ سکو گے اور میرا سن سکو گے۔"

میں لیڈی جہانگیر کے ہاں سے واپس چل پڑا۔ طارق کے خلاف میرے دل میں نفرت کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔ لیکن ایک بے بسی اور اس بے بسی کی تلملاہٹ میرے رگ وپے میں اذیت کی لہریں دوڑا رہی تھی۔ میں ایک زخمی شیر کی مانند تھا جسے کٹہرے میں بند کر دیا گیا ہو۔

لیڈی جہانگیر کے معاملے کو میں نے خود تک محدود رکھا۔ سرخاب سے بھی اس کا

تذکرہ نہیں کیا تھا۔ سرخاب کسی قدر فکر مند تھی۔

"ڈیڈی کسی خاص ہی چکر میں معلوم ہوتے ہیں منصور بھیا۔" اس نے کہا۔

"خیریت؟ موجود نہیں ہیں؟"

"نہیں صبح کو نکل گئے تھے۔ سہ پہر کو تین بجے کے قریب واپس آئے اور دوسرا لباس پہن کر تھوڑی دیر تک اپنے کمرے میں بند رہنے کے بعد چلے گئے۔ میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہیں تو صرف مسکرا دیئے لیکن ان کی مسکراہٹ اجنبی اجنبی تھی۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "فکر مت کرو سرخاب۔ کل تک سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب؟" سرخاب اور پریشان ہو گئی۔

"نہیں کوئی غلط بات مت سوچو۔ میں پروفیسر کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔"

"کیوں کل کیا خاص بات ہے؟"

"کل پروفیسر مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کریں گے؟"

"کیا فیصلہ؟"

"میری ان سے بات ہوئی تھی۔ آج تک میں ان کے احکامات کی تعمیل کرتا رہا ہوں۔ میں نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جو ان کی مرضی کے خلاف ہو۔ وہ نیک انسان نیکیوں کے راستے پر چل کر بروں کو شکست دینے کے خواہاں ہیں لیکن میرے خیال میں یہ ممکن نہیں ہے۔"

"پھر؟" سرخاب کے لہجے میں تجسس اور بے چینی تھی۔

"پروفیسر نے مجھ سے تین دن کی مہلت مانگی تھی۔ وہ کل پوری ہو رہی ہے۔"

"میرا مطلب ہے اس کے بعد کیا ہو گا؟"

"برائی کا خاتمہ۔ برائی سے ختم کرنے کی مہم شروع کی جائے گی سرخاب! میں دوسری شکل میں خود کو پیش کروں گا اور یقین کرو سرخاب جو کچھ ہو گا۔ وہ ۔ وہ سب کی توقع کے خلاف ہو گا۔"

"منصور بھیا۔ خدا کی قسم میں تمہاری زندگی کی خواہاں ہوں۔ تم نے مجھے ایک بھائی کے پیار سے آشنا کیا ہے۔ تو بہن کے لئے زندہ رہنا۔ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جانا۔" سرخاب نے فرط جذبات سے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور میں نے اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

میرا دل بھر آیا تھا۔

"ایک اور سر ہے سرخاب! جو اس سینے سے لگنے کے لئے بے چین ہو گا۔ اگر وہ سر بھی اس سینے سے آ لگتا سرخاب تو تمہارا بھائی ایک مثالی انسان بن کر دکھا دیتا۔ میں

بروں کی برائیاں بھول جاتا۔ ان سب کو معاف کر دیتا۔ اپنی بہن کے لئے۔ لیکن سرخاب کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ میری فریدہ کے لئے۔ کوئی اور روشنی نہیں ہے میری ماں کی آنکھوں کے لئے۔ اس لئے۔ اس لئے سرخاب..."

"میں جانتی ہوں اور میں تمہیں نہیں روکوں گی۔ میں کبھی نہیں روکوں گی اور۔ اور میں خود بھی اپنا فرض انجام دوں گی۔ تم یہ مت سوچنا بھیا کہ میں صرف الفاظ خرچ کر کے خاموش ہو جاؤں گی۔"

"تیرے لب میرے لئے دعا کرتے رہیں گے سرخاب! تو میں ہر آفت سے محفوظ رہوں گا۔ خدا ان معصوم لبوں کی دعاؤں کو نظرانداز نہیں کرے گا۔" میں نے کہا اور دیر تک ہم جذبات میں ڈوبے رہے۔

پروفیسر اس رات واپس ہی نہیں آیا تھا۔ رات کو تین بجے تک ہم اس کا انتظار کرتے رہے۔ کوئی فون وغیرہ بھی نہیں ملا..... میں بھی پریشان ہو گیا۔ ایک بار پھر دل پریشانیوں کا شکار ہو گیا تھا۔ پروفیسر میری وجہ سے کسی مصیبت کا شکار تو نہیں ہو گیا۔

تین بجے میں نے زبردستی سرخاب کو سونے کے لئے بھیج دیا اور خود پروفیسر کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن رات کے کسی پہر مجھے بھی نیند آ گئی تھی۔ صبح پانچ بجے سرخاب نے جگایا۔

"بھیا کمرے میں جاؤ بستر پر لیٹو۔"

"ایں۔ کیا بج گیا ہے سرخاب؟"

"پانچ بجے ہیں۔"

"پروفیسر؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"گاڑی موجود ہے اور کمرہ اندر سے بند ہے۔ میرا خیال ہے سو رہے ہیں۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی اور پھر سرخاب کی آنکھوں کو دیکھ کر بولا۔ "میرا خیال ہے تم بالکل نہیں سو سکیں۔"

"نہیں۔ سو گئی تھی لیکن بس تھوڑی دیر۔ صبح کو جاگنے کی عادی ہوں خواہ کسی بھی وقت سونے کو ملے۔"

"میرا خیال ہے اب سونا بیکار ہے۔ چائے وغیرہ بنواؤ۔"

"دفتر جائیں گے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"چاہیں تو فون کر کے چھٹی لے لیں۔ طبیعت بوجھل رہے گی دن بھر۔"

"نہیں سرخاب! یقین کرو اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے میں چائے بنواتی ہوں۔" سرخاب نے کہا اور میں پروفیسر کے کمرے

کی طرف چل پڑا۔ میں نے کان لگا کر اندر کی آوازیں سنیں لیکن مخصوص دروازے کی وجہ سے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ وہاں سے ہٹ آیا۔ سرخاب چائے لے آئی تھی۔ چائے پینے کے بعد ہم باتیں کرتے رہے اور پھر میرے دفتر جانے کا وقت ہو گیا۔ ناشتے کے بعد میں کوٹھی سے نکل آیا۔

لیڈی جہانگیر مجھے دیکھ کر بڑے خلوص سے مسکرائی تھی پھر وہ کار میں آ بیٹھی اور میں کار اسٹارٹ کر کے دفتر چل پڑا۔ راستے میں غیر معمولی خاموشی رہی۔ اور دفتر پہنچ کر لیڈی جہانگیر خاموشی سے اتر کر چلی گئی۔ دن نہایت سکون سے گزر گیا تھا۔ شام کو لیڈی جہانگیر نے واپسی میں اخلاقاً پوچھا۔

"اور کوئی بات تو نہیں منصور؟"

"نہیں لیڈی صاحبہ۔ سب کچھ حسب معمول ہے۔"

"رہتے کہاں ہو؟ اپنے گھر میں۔ میرا مطلب ہے اس مکان میں جہاں اپنی ماں اور بہن کے ساتھ رہتے تھے؟"

"نہیں۔ وہ جگہ تلخ یادیں رکھتی ہے۔ میں وہاں نہیں رہتا۔"

"پھر کہاں رہتے ہو۔ کسی عزیز کے ہاں۔"

"ہاں میرے کرم فرما ہیں۔ اتنے مخلص اور مہربان کہ بیان سے باہر ہے۔ خدا انہیں ہر آفت سے محفوظ رکھے۔"

لیڈی جہانگیر خاموش ہو گئی۔ گھر پہنچ کر اس نے کہا۔

"اگر چائے پینا پسند کرو تو؟"

"نہیں لیڈی صاحبہ۔ مجھے میری حیثیت میں رہنے دیں اور پھر آپ بھی پریشان کن حالات کی شکار ہیں۔ آپ یقین کریں کہ میں بڑا سبز قدم ہوں' خدشہ ہے کہ آپ کے لئے بھی مصیبت نہ بن جاؤں۔"

"اس انداز میں نہ سوچو منصور! آنے والا وقت ہماری ان پریشانیوں کو ختم کر دے گا۔ مجھے یقین ہے۔"

"اجازت؟" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے کل تو چھٹی ہے اب پرسوں ملاقات ہو گی۔"

"جی۔" میں نے سلام کیا اور واپس پلٹ پڑا۔ گیٹ سے نکلتے ہوئے میں نے پلٹ کر دیکھا اور ذرا سی حیرت ہوئی۔ لیڈی جہانگیر اپنی جگہ کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔ میرے مڑتے ہی واپس پلٹ گئی۔ میں بھی گیٹ سے نکل آیا تھا۔

پروفیسر کی کوٹھی میں داخل ہوا تو ایک خوشگوار کیفیت کا احساس ہوا۔ پروفیسر اور سرخاب برآمدے میں کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے اور پروفیسر کسی بات پر ہنس رہا تھا۔ سرخاب

بھی مسکرا رہی تھی اور بہت شگفتہ نظر آ رہی تھی۔ میں دونوں کی طرف بڑھ گیا۔ میز پر چائے کے دوسرے لوازمات رکھے ہوئے تھے لیکن ابھی کوئی چیز استعمال نہیں کی گئی تھی۔

"آؤ بھئی۔ بڑی دیر سے چائے کے تصور میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن پھیکی چائے بے مزہ ہوتی ہے۔" پروفیسر نے کہا اور میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"پھیکی چائے؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ڈیڈی آپ کو شکر دان کہہ رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ شکر دان آ جائے تو پھر چائے شروع کریں۔"

"ہاں بھئی۔ منصور کے بغیر اب سب کچھ نامکمل لگنے لگا ہے۔ بس اب جلدی سے چائے آ جانی چاہیئے۔ چلو منصور ٹوٹ پڑو پلیٹوں پر۔" پروفیسر نے ڈرائی فروٹس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ سرخاب نے ہاتھ اٹھا کر ملازمہ سے چائے لانے کے لئے کہہ دیا تھا۔

"سرخاب کا خیال ہے کہ اگر وہ کھانے کے لئے بیٹھ گئیں تو پلیٹیں صاف ہو جائیں گی حالانکہ یہ خیال غلط ہے کیوں منصور؟"

"جی....." میں نے ہنس کر کہا۔ پروفیسر کو اس بچکانہ موڈ میں' میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"اور سناؤ تمہاری گاڑی کیسی چل رہی ہے؟ میرا مطلب ہے وہ کار جو تم چلا رہے ہو؟"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"جہانگیر لمیٹڈ وہی تو نہیں ہے جس کا بانی اختر جہانگیر تھا اور جس کی موت مشتبہ تھی۔" پروفیسر نے پوچھا۔

"میں نہیں کہہ سکتا۔ کبھی تفصیل معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"میرا خیال ہے' وہی ہے۔ بیگم جہانگیر چلا رہی ہیں نا اس فرم کو؟"

"جی ہاں۔"

"خیر چھوڑو۔ ویسے دل گردے کی عورت ہے۔ کسی کاروبار کا بوجھ سنبھالنا آسان کام نہیں ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے منصور؟"

"کس بارے میں جناب؟"

"کیا تم ذہنی طور پر کاروباری بن سکتے ہو؟ میرا مطلب ہے تمہارے اندر کسی کاروبار کو سنبھالنے کی صلاحیت ہے؟"

"آپ کو علم ہے کہ میری صلاحیتیں کہاں تک ہیں۔ ہاں میں ڈرائیونگ عمدہ کر سکتا ہوں۔"

"نہیں میں متفق نہیں ہوں۔ انسان کا ذہین ہونا شرط ہے۔ وہ ہر کام کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ بہرحال چھوڑو ان باتوں کو۔ ارے چائے نہیں آئی ابھی تک۔" پروفیسر نے کہا۔

میں بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پروفیسر بہلانے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ کچھ بھولنا چاہتا ہو یا اپنے چہرے سے کسی ایسے تاثر کا اظہار نہ ہونے دینا چاہتا ہو جس سے اس کی سبکی ہو۔ نہ جانے اس کا ذہن کیسے انتشار کا شکار تھا۔

چائے کے دوران وہ اسی قسم کی باتیں کرتا رہا۔ اس کی ذات سے سنجیدگی کا خول اتر گیا تھا اور اس وقت وہ ایک نئے انسان کے روپ میں تھا۔ میں حیرت زدہ تھا اور یہی کیفیت سرخاب کی تھی۔

وہ بھی چونک چونک کر پروفیسر کو دیکھنے لگتی تھی۔

"بھئی۔ میں نے ایک تجویز پیش کی تھی پچھلے دنوں۔" چائے پیتے ہوئے پروفیسر نے کہا۔

"کیا ڈیڈی؟"

"وہی سیر و تفریح۔"

"اوہ۔ آپ کو پھر وہ بات یاد آ گئی۔"

"بچے ہو تم لوگ۔ تمہاری بہتری کے لئے میں نہیں سوچوں گا تو پھر کیا دوسرے لوگ سوچیں گے؟"

"لیکن پروفیسر یہ کیسے ممکن ہے؟"

"کیوں ممکن کیوں نہیں ہے۔ کونسی بات ناممکن ہے مجھے بتاؤ۔ یعنی جو عقل میں آ جائے' ذہن میں آ جائے اس کے ناممکن ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"اور میری نوکری؟"

"نوکری۔" پروفیسر غرایا۔ "میں اس مذاق کو اب ختم کرنا چاہتا ہوں سمجھے۔ جاؤ اس بے وقوف عورت سے کہو کہ وہ تمہاری نوکری کرے۔ اس سے کہو کہ جہانگیر لینڈ ہمارے ہاتھ فروخت کر دے۔ کیا مانگتی ہے وہ اس کا؟" پروفیسر نے کہا اور میں سناٹے میں رہ گیا۔ کیا پروفیسر کا ذہن متاثر ہوا ہے؟

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر وہ خود ہی بولا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو بعد میں سوچیں گے۔ ایک پیالی چائے اور دینا سرخاب۔"

پروفیسر نے اپنی پیالی آگے کر دی اور سرخاب چائے انڈیلنے لگی۔

"بھئی تم لوگ بہت خاموش ہو۔ ہنسو۔ بولو۔ بات کرو۔ یہ عمر سے اتنے پیچھے کیوں سرک گئے ہو تم لوگ؟"

"آپ کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں ڈیڈی؟" سرخاب دبی آواز میں بولی۔

"ہاں عمر رفتہ یاد آ گئی ہے۔ بوڑھا ہونے کے بعد ضروری تو نہیں کہ انسان مردہ دل بھی ہو جائے۔ میری سوچ میں کچھ تبدیلی آ گئی ہے۔"

"اچانک ڈیڈی؟"

"ہاں۔ اچانک۔ دراصل میری زندگی کتابوں سے وابستہ ہے اور ایک غلط کتاب میرے ہاتھ لگ گئی ہے۔"

"غلط کتاب؟"

"ہاں لیکن میں اسے صحیح سمجھتا ہوں کیونکہ اس کے افکار میرے ذہن نے قبول کر لئے ہیں۔"

"کونسی کتاب ہے وہ؟" میں نے پوچھا۔

"دکھا دیں گے کسی وقت اور ہاں منصور! آج تو ہمارے اور تمہارے درمیان فائنل ہے۔" پروفیسر نے کہا اور میں نے گردن جھکالی۔ پروفیسر کی اس بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس کے بعد پروفیسر نے کوئی بات نہیں کی اور پھر چائے ختم ہو گئی۔

"منصور لباس وغیرہ تبدیل کر لو اور پھر میرے کمرے میں آؤ۔ آؤ سرخاب۔ میں تمہیں بھی اس گفتگو میں شریک رکھنا چاہتا ہوں۔"

"جی ڈیڈی۔" سرخاب نے جواب دیا اور پروفیسر وہاں سے اٹھ گیا۔

"میں تم دونوں کا انتظار کر رہا ہوں۔" وہ اپنے مخصوص کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ میں اور سرخاب وہیں کھڑے رہ گئے تھے۔

"آؤ منصور بھائی! ڈیڈی کا موڈ آج عجیب ہے۔"

"ہاں بہت عجیب؟"

"دوپہر کو آ گئے تھے۔ کھانا میرے ساتھ کھایا۔ بڑی عجیب سی باتیں کر رہے تھے جو بڑی جذباتی تھیں۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارے ہی بارے میں تھیں..... کہنے لگے کیا ضروری ہے کہ انسان اپنے ہی خون سے تشکیل ہو تو قابل محبت ہو۔ خون آدم تو ہر رگ میں سرایت کر رہا ہے۔ کیا الفاظ کے رشتے سے بڑا کوئی رشتہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کا اشارہ کسی خاص سمت ہے تو کہنے لگے میں منصور کی بات کر رہا ہوں۔ کیا وہ غیر لگتا ہے؟ پھر کہنے لگے۔ میرے سینے میں جھانکو تو میرے دل میں اس کے لئے وہ تڑپ ہے جو کسی باپ کے دل میں ہوتی ہے۔ میں اسے اپنی ذات سے جدا محسوس نہیں کرتا اور میں اس کے لئے وہ سب کچھ کر سکتا ہوں جو کوئی کسی کے لئے کر سکتا ہے۔ کوئی وہ جو خون کے رشتے سے اپنا ہو۔" سرخاب خاموش ہو

گئی۔ میں بھی خاموش ہو گیا' پھر میں نے کہا۔

"میں لباس تبدیل کر لوں سرخاب۔"

"ہاں ان کے پاس پہنچو۔" سرخاب نے کہا اور ایک طرف چلی گئی۔ میں ان الفاظ کی گونج اپنے ذہن میں محسوس کر رہا تھا اور نجانے یہ آواز مجھ سے کیا کہہ رہی تھی۔ کیا ان لوگوں کو غیر سمجھنا جائز ہے؟ کیا ان لوگوں کے بارے میں کسی غلط انداز سے سوچنا گناہ عظیم نہیں ہے اور میرے ذہن نے بھی بہت سے فیصلے کیے۔ میں پروفیسر کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سرخاب بھی وہاں موجود تھی۔ پروفیسر نے مسکرا کر میرا خیر مقدم کیا۔

"بیٹھو منصور۔" اور میں بیٹھ گیا۔ "ہاں بھئی اپنے طور پر تمہیں کچھ معلوم ہو سکا؟"

"ابھی تک نہیں۔"

"کوئی کوشش؟"

"خاص نہیں۔ ہاں طارق سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"اوہ۔ کب۔ کہاں؟" پروفیسر نے پوچھا اور میں نے پوری تفصیل بتا دی۔ میں بھی جذباتی ہو رہا تھا اور پروفیسر سے کچھ چھپانا ناجائز سمجھتا تھا۔ اس کے بعد میں نے مسز جہانگیر کی کہانی سنائی اور آخر تک سب سنانے کے بعد خاموش ہو گیا۔

"ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ حالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا ہے۔" پروفیسر نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

"بہرحال میں نے تین دن کی مہلت طلب کی تھی تم سے منصور! وہ ختم ہو گئی اور میں ناکامی کا اعتراف کر رہا ہوں۔ میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکا۔"

"مجھے یقین ہے پروفیسر۔ طارق اس سلسلے میں بہت کچھ جانتا ہے۔"

"ہاں امکان ہے۔ لیکن وہ کیا چاہتے ہیں آخر۔" پروفیسر بولا۔ میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تب پروفیسر نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ کمرے کے ایک حصے میں گیا اور اس نے ایک ٹیپ ریکارڈ کا بٹن آن کر دیا۔ میں اور سرخاب چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔ تب ایک آواز ابھری۔

"آہ۔ پروفیسر شیرازی۔ میرے دوست! بہت دن کے بعد آپ سے ملاقات ہو رہی ہے۔"

"گوشہ نشین آدمی ہوں۔ آپ لوگوں کے لئے قطعی غیر اہم۔" یہ پروفیسر کی آواز تھی۔

"تشریف لائے۔ آپ جیسے لوگ تو ہماری ملکی ثقافت کا سرمایہ ہیں۔ کبھی کبھی آپ کے مضامین نظروں سے گزر جاتے ہیں۔"

"یہ شوق جاری ہے۔" پروفیسر کی آواز ابھری۔

"ہاں۔ جسم ز روح دونوں کی بقا کے لئے انسان کو مصروف رہنا پڑتا ہے۔ بدن توانائی کے لئے پولیس کی نوکری کرنی پڑ رہی ہے اور روح کی بقا کے لئے آپ جیسے لوں کا سہارا ضروری ہے۔ جرائم اور سماجی مسائل کی ذمے داریوں سے جب روح کی مکن ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو پھر آپ کے روح پرور افکار تسلی بخش دیتے ہیں اور ائیے کیا ہو رہا ہے آج کل؟"

"درس و تدریس کی ڈگڈگی پھٹ گئی ہے ڈی آئی جی صاحب! اور ہم جیسے لفظوں کے مداری اب اپنے کھیل کی مضحکہ خیزی پر خود شرمندہ ہونے لگے ہیں۔ سوچ رہے ہیں کوئی اور کاروبار کریں۔" پروفیسر شیرازی کی آواز ابھری۔

"اوہ خیریت۔ کوئی الجھن ہے؟"

"لاتعداد الجھنیں ہیں۔ گھر کی چار دیواری خوابوں کی جنت بنی رہتی ہے۔ باہر نگاہ ڈالیں تو دنیا بڑی اجنبی لگتی ہے۔ یوں لگتا ہے۔ جیسے ہم ان لوگوں کے درمیان نہ ہوں جن کی باتیں کرتے ہیں۔ تب احساس ہوتا ہے کہ خوابوں کی جنت بہت پیچھے رہ گئی ہے اور دنیا ان الفاظ کے جال سے نکل کر بہت آگے بڑھ گئی ہے جن کے ذریعے ہم دلوں میں اور ذات میں پھول کھلانے کی باتیں کرتے ہیں۔"

"ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ حالات کا رخ ٹھیک نہیں ہے لیکن شیرازی صاحب اتنی بددلی مناسب نہیں ہے۔ آپ جیسے لوگ اگر ہمت ہار دیں گے تو پھر بینائی کہاں تلاش کی جائے گی۔"

"ہم تنہا ہیں ڈی آئی جی صاحب اور اب اعضا تھکن محسوس کرنے لگے ہیں۔ آپ لوگ ہماری مدد نہیں کرتے۔"

"مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو معاف کر دیں۔ میں تو آپ کے مداحوں میں سے ہوں۔" ڈی آئی جی نے کہا۔

"افکار و احساسات کا تعلق صرف ذہن و قلم سے نہیں ہے۔ بعض اوقات عمل کی منزل بھی آ جاتی ہے اور اس وقت اگر بے بسی اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے تو یوں لگتا ہے جیسے ساری زندگی ایک بے مصرف عمل میں گزاری ہے۔ میں آپ کی توجہ کچھ عرصہ پیچھے لے جانا چاہتا ہوں جب میں نے آپ سے ایک مسئلے کے حل کی درخواست کی تھی۔"

"مجھے یاد ہے لیکن میں نے ایک ایس پی کو۔۔۔"

"انہوں نے میرے ساتھ پورا تعاون کیا بات ایک نوجوان کی تھی جو کچھ ایسے لوگوں کی سازشوں کا شکار ہو گیا تھا جو اس سے بہت برتر تھے۔ ایک قتل کا الزام لگایا گیا تھا اس پر' مگر مقتول زندہ تھا اور اسے ایک خراش بھی نہیں آئی تھی لیکن اس کی گلو خلاصی

کے لئے ایک شرط عائد کی گئی کہ اگر وہ رہائی چاہتا ہے تو عدالت میں ان لوگوں کا نام لے جنہوں نے سازش کی تھی اور یہی کر کے وہ الزام سے بری ہو سکا۔"

"شرط کس نے عائد کی تھی؟" ڈی آئی جی نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"سماج نے۔ حالات نے۔ اسے بتا دیا گیا تھا کہ اگر اس نے سازش کرنے وا۔ کا نام لیا تو کیس اس کے خلاف ہو جائے گا۔ یہ ہدایات آپ کے محکمے کی تھیں۔"

"سازش کرنے والا کون تھا؟"

"اس کا نام سیٹھ عبد الجبار لیا جاتا ہے۔"

"اوہ سیٹھ عبد الجبار۔" ڈی آئی جے کے لہجے کی تبدیلی نمایاں تھی۔ وہ چند ساعت خاموش رہا پھر بولا۔

"کیا آپ کی سیٹھ صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی شیرازی صاحب؟"

"نہیں۔"

"وہ اس قسم کے آدمی نہیں ہیں اور وہ کون نوجوان ہے جس نے ان کا نام لیا ہے؟ ممکن ہے اسے غلط فہمی ہوئی ہو۔"

"ہاں ممکن ہے لیکن یہ اگر اس کی غلط فہمی نہ ہوئی تو؟ وہ سیٹھ صاحب کے بارے میں پوری معلومات رکھتا ہے اور شاید ثبوت بھی۔" شیرازی کے لہجے میں چبھن تھی۔

"آپ ان کے حالات سے ناواقف ہیں شیرازی صاحب ! سیٹھ عبد الجبار ان لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جو ملکی دولت کے ستون کہلاتے ہیں ان کا سرمایہ معیشت کے کارخانے چلاتا ہے۔ اگر یہ کارخانے بند ہو جائیں تو آپ نہیں جانتے ملک کیسے خسارے سے دو چار ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اپنی دولت ملک سے سمیٹ کر نکل جائیں تو لاکھوں افراد بے روز گار ہو جائیں اور لاکھوں روپے کا زرمبادلہ رک جائے گا۔ وہ حکومت کو بہت کچھ دیتے ہیں۔ آپ خود سوچیں ایسے لوگوں کے دشمنوں کی تعداد کتنی ہوتی ہے۔ ممکن ہے اس نوجوان کو ان کے کسی حریف نے اکسایا ہو اور آپ غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہوں۔"

"اوہ۔ ہاں یہ ممکن ہے۔" پروفیسر شیرازی کی آواز سنائی دی۔

"میں کسی تقریب میں ان سے آپ کی ملاقات کراؤں گا۔ آپ یقیناً ان سے مل کر خوش ہوں گے۔"

"ضرور۔ ضرور۔ میں اس کے لئے آپ کو زحمت دوں گا۔"

"امید ہے آپ کی غلط فہمی دور ہو گئی ہوگی۔ ویسے اس نوجوان کا آپ سے کیا تعلق ہے؟" ڈی آئی جی نے پوچھا۔

"کوئی خاص تعلق نہیں۔ بس ایسے ہی مجھ تک پہنچ گیا تھا۔"

"آپ فضول لوگوں کے لئے اپنا وقت ضائع نہ کیا کریں شیرازی صاحب۔ آپ

ملک کا عظیم سرمایہ ہیں۔ ہمیں اپنی معیشت کے ساتھ ثقافتی سرمائے کو بھی محفوظ رکھنا ہے جو لوگ آپ کے ذہن کو مکدر کرتے ہیں وہ سزا کے مستحق ہیں۔"

"بے شک۔ بے شک انہیں سزا ملے گی۔ ضرور ملے گی۔ لیکن کیوں نہ ہم اس نوجوان کو بھی راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔"

"آپ اسے میرے حوالے کر دیں۔ میں اسے اچھی طرح راہ راست پر لے آؤں گا۔"

"دراصل اس کی والدہ اور بہن گم ہو گئی ہیں اور اس کے خیال میں اس کا محرک بھی سیٹھ صاحب ہیں۔ کیوں نہ اس کی یہ خواہش پوری کر دی جائے یعنی اس کی والدہ اور بہن تلاش کر کے اس کے حوالے کر دی جائیں۔ میرا خیال ہے اس کا جنون ختم ہو جائے گا۔"

"یعنی یہ الزام بھی اس نے سیٹھ صاحب پر لگایا ہے۔ کمال ہے بھئی۔ میرا خیال ہے ایک بار آپ سیٹھ صاحب سے مل لیں شیرازی صاحب ! ان خیالات کی تردید ہو جائے گی۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ سیٹھ صاحب کسی ایسی حرکت میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ باقی رہی اس کی ماں اور بہن کی تلاش تو ٹھیک ہے میں متعلقہ تھانوں کو ہدایات جاری کر دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"اب تو آپ کا ذہن صاف ہو گیا ہو گا؟"

"بالکل۔ بالکل۔" شیرازی کی آواز ابھری اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ سرخاب کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

پروفیسر نے سکون کے ساتھ اٹھ کر ٹیپ بند کر دیا۔ میں خاموش بیٹھا تھا۔ "اس کے بعد میں نے کسی سے ملنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں سیٹھ عبد الجبار کے دشمن کی حیثیت سے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا۔ تو منصور میں تمہاری ماں اور بہن کی تلاش کی کوشش میں ناکام ہو گیا ہوں لیکن تم اس سلسلے میں فوری اقدام کیا کر سکتے ہو؟"

"اس کا فیصلہ کرنا ہو گا شیرازی صاحب !" میں نے کہا۔

"کب تک کرو گے؟"

"بہت جلد۔"

"کیا مجھے اس فیصلے سے آگاہ کرو گے؟"

"جی۔"

"بہتر یہی ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی۔"

"ابھی کوئی انتہائی اقدام نہیں کرنا منصور! میں تمہاری ذہنی کیفیت جانتا ہوں لیکن کیا تم ایک فرد کے بجائے ایک تحریک بننا پسند نہیں کرو گے۔ کیا سیٹھ جبار جیسے لوگوں کی توجہ صرف ایک تمہاری ذات پر مرکوز ہو گی۔ کیا دوسرے بے شمار منصور اس کی چیرہ دستیوں کی سولی پر نہ چڑھے ہوں گے۔ تم صرف اپنی ذات کا سکون چاہتے ہو اگر ایسا ہے تو پھر دوسرے منصور کیا کریں گے وہ کہاں جائیں گے؟"

"آپ کا کیا حکم ہے پروفیسر؟" میں نے سکون سے پوچھا۔

"میں ابھی مایوس نہیں ہوں۔ تم اپنے طور پر اپنی ماں اور بہن کی تلاش جاری رکھو میں اپنے طور پر کوششیں جاری رکھتا ہوں۔ اور دیکھیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"بہتر ہے۔" میں نے سکون سے کہا اور پروفیسر حیران ہو گیا۔

"کیا تم درست کہہ رہے ہو منصور؟"

"ہاں پروفیسر! میں اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔"

"نہیں بیٹے۔ ہم اتنے مجبور نہیں ہیں۔ میں بس برائیوں کا فروغ نہیں چاہتا ورنہ۔ ورنہ۔" پروفیسر جذباتی انداز میں خاموش ہو گیا۔

میرے ذہن میں ایک عجیب سا سکوت تھا۔ میں خود اپنی کیفیت سے آشنا نہیں تھا نہ جانے مجھے یہ سکون کیوں تھا۔ نہ جانے میں مضطرب کیوں نہیں ہوا تھا بس دل میں ایک ٹھہراؤ سا تھا۔

"لیکن ڈیڈی۔ آپ نے یہ گفتگو ٹیپ کس طرح کر لی؟"

"بس ایک مجرمانہ کیفیت تھی ذہن میں۔ جھنجلاہٹ تھی۔ میں ہوم سیکرٹری سے بھی ملنا چاہتا تھا لیکن پھر میں نے باقی پروگرام ملتوی کر دیئے۔ اب میں کچھ نئے پروگرام ترتیب دوں گا۔ بالکل نئے پروگرام۔"

"کیا ڈی آئی جی کو اس ریکارڈنگ کے بارے میں معلوم ہے؟"

"نہیں۔" پروفیسر عجیب انداز میں ہنسا۔ مجھے اس کی ہنسی عجیب محسوس ہوئی تھی۔ پھر وہ میری طرف رخ کر کے بولا۔

"منصور۔ تم جو کچھ بھی کرو اس میں کم از کم پندرہ دن کا وقفہ رکھو میری ہدایت ہے۔"

"بہتر ہے پروفیسر۔" میں نے جواب دیا۔

"چنانچہ آج کی میٹنگ ختم۔" پروفیسر بولا اور ہم اٹھ گئے۔ باقی وقت میں پر سکون رہا تھا۔ سرخاب کے ساتھ ہنستا بولتا رہا تھا۔ لیکن رات کو جب میں بستر پر لیٹا تو میرے ذہن میں بند جوالا مکھی پھٹ پڑا۔ 'یہ نیک انسان برائی کے خاتمے کا طالب ہے اور میں صرف تم بدست بہتری کی بھیک مانگنے والا ایک بے عمل انسان۔ ہاں بالکل بے عمل۔ میری ماں

اور بہن کی آنکھوں کی بینائی میرا انتظار کرتے کرتے جا چکی ہو گی۔ وہ بلاشبہ مجھ سے مایوس ہو چکی ہوں گی۔ قطعی مایوس۔ وہ سوچتی ہوں گی کہ منصور مر چکا ورنہ۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو۔۔۔ تو۔۔۔'

میری آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہنے لگے۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہوں گی نہ جانے زندگی ان پر کتنی سخت ہو گی۔ لیکن میں۔ میں کیا کروں' پروفیسر کے جذبات سے میں واقف تھا۔ وہ ہر حالت میں میری بہتری چاہتا تھا لیکن وہ خود بھی حالات کے ہاتھوں بے بس ہو چکا تھا اور بالاخر اس نے کہا تھا کہ میں اپنے طور پر کوشش جاری رکھوں۔

"کوشش۔" میری آنکھوں سے بہنے والے آنسو بند ہو گئے۔ ہاں اب مجھے کوشش کرنی ہی چاہئے۔

دوسرے دن صبح کو پروفیسر ناشتے پر موجود نہیں تھا۔

"میں جاگ گئی تھی وہ تیار ہو کر باہر نکلے اور مجھ سے کہا کہ شاید وہ رات کو بھی واپس نہ آئیں۔ میں فکر مند ہوں۔" سرخاب نے بتایا۔

"کچھ کہہ کر نہیں گئے کہاں جا رہے ہیں؟"

"نہیں۔"

"میرے لئے کوئی ہدایت نہیں ہے؟"

"نہیں۔ کچھ نہیں کہہ گئے۔ لیکن آپ ڈیوٹی پر جائیں گے بھیا؟"

"ہاں سرخاب۔"

"اب ختم کر دیں یہ چکر۔ مجھے کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے لیکن کیا اب یہ تکلیف ضروری ہے۔"

"تھوڑے دن کی اجازت اور دے دو سرخاب۔"

"کیوں نہیں بھیا۔ اگر تم ضروری سمجھتے ہو تو۔"

"ہاں چند روز۔" میں نے کہا اور سرخاب مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"کیا تم نے کوئی خاص بات سوچی ہے؟"

"نہیں سرخاب۔ کیا سوچوں گا۔" میں نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کے بعد سرخاب نے کچھ نہیں کہا۔ ناشتہ کرتے ہوئے البتہ اسے نے کہا۔

"راشدہ کو میرا پیغام دے دینا۔ کہنا میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ۔ بہتر ہے کہ تم اسے فون کر لو۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ کیوں تم اس سے بات کرنا نہیں چاہتے؟"

"کوئی حرج بھی نہیں ہے سرخاب! لیکن میں اسے مخاطب کرنے کی جرات نہیں کر پاتا۔ نہ جانے کیا سمجھے۔"

"ٹھیک ہے مجھے فون نمبر دے دو۔" سرخاب نے کہا اور میں نے اسے نمبر دیا۔ پھر میں وہاں سے چل دیا۔ لیکن اب صورت حال بدل گئی تھی۔ پروفیسر نے مجھے آزادی دے دی تھی اور میں اب اس آزادی سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ میں نے بہت غور و خوض کیا تھا اور یہی فیصلہ کیا تھا کہ اس دنیا میں جذباتی بن کر زندہ نہیں رہا جا سکتا۔ یہ لمحہ الگ نوعیت کا حامل ہے۔ بہتر یہ ہے کہ لمحوں سے تعاون کیا جائے اور اپنا مقصد نگاہ میں رکھا جائے۔

بیگم جہانگیر حسب معمول خلوص سے مسکرائی اور پھر راستے میں اس نے کہا۔

"طارق کو فون کر لینا۔"

"بہتر ہے۔" میں نے جواب دیا اور اس کے بعد دیر تک خاموشی رہی۔ بیگم جہانگیر کو دفتر چھوڑنے کے بعد میرے لئے کوئی کام نہیں رہ جاتا تھا۔ چنانچہ میں باہر نکل آیا۔ دن کو تقریباً گیارہ بجے میں نے طارق کے دیئے ہوئے نمبر پر ڈائل کیا اور ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"طارق صاحب تشریف رکھتے ہیں؟"

"جی باتھ روم میں تشریف رکھتے ہیں۔ کون صاحب ہیں؟"

"میرا خیال ہے انہیں باتھ روم سے نکل آنے دیں۔"

"مجھے قائم مقام بنا گئے ہیں۔ اس لئے آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہوں کہہ دیں۔"

"اب آپ سے کیا کہوں؟ شرم آتی ہے۔" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"ہائے اللہ یہ مرد شرماتے ہوئے کیسے لگتے ہوں گے؟"

"دیکھ لیں گی خود چند روز کے بعد۔ کیونکہ آپ لوگوں نے تو شرمانا ہی چھوڑ دیا ہے۔ آپ کی یہ ادا بھی مردوں نے قبول کر لی ہے۔"

"تو دیر کیوں کر رہے ہیں اتنی، جو کچھ کرنا ہے جلدی کریں۔ خیر باقی آئندہ۔ طارق باتھ روم سے نکل آئے ہیں۔" اور پھر چند ساعت کے بعد طارق کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو۔"

"میں منصور بول رہا ہوں طارق صاحب۔"

"منصور۔ میں پہچان نہیں سکا۔"

"بیگم جہانگیر کا ڈرائیور۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ منصور۔ کیا احمقانہ تعارف کرایا ہے۔ تمہاری اپنی ایک الگ حیثیت ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی قدر ضدی ہو اور حالات سے سمجھوتہ کرنا نہیں جانتے۔ خیر، کہو کیا بات ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ بس آپ کی نوازش کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔"

"کونسی نوازش؟"

"آپ کی سفارش پر میری تنخواہ ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔"

"اور عہدہ۔"

"آپ نے میرے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ طارق صاحب۔ تعلیم ضرور حاصل کی تھی لیکن وقت نے سب کچھ بھلا دیا۔ میں کسی لکھنے پڑھنے کے قابل ہی نہیں ہوں جو کر رہا ہوں وہی کر سکتا ہوں۔"

"میں نہیں مان سکتا منصور۔"

"کیا جناب؟"

"کہ تم جو کر رہے ہو وہی کر سکتے ہو۔ اپنی ضد چھوڑ دو تو نہ جانے کیا بن جاؤ۔ خیر فون پر زیادہ باتیں نہیں ہو سکتیں۔ تم ایسا کرو شام کو ڈیوٹی سے فارغ ہو کر مجھ سے مل لو۔"

"کہاں طارق صاحب؟"

"کہاں؟ وہیں بلیو ہیون میں جہاں ہم نے اس دن چائے پی تھی۔"

"بہتر ہے۔ حاضر ہو جاؤں گا۔" لیکن کس وقت؟"

"پانچ بجے۔"

"بہتر ہے۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ میں نے کہا اور پھر فون بند ہو گیا۔ میں نے ریسیور رکھ کر گہری سانس لی تھی۔ شام کو پانچ بجے۔ میرے ذہن میں گھنٹے بجنے لگے۔ بمشکل تمام پانچ بجے تھے۔ ٹھیک وقت پر میں بلیو ہیون کے سامنے پہنچ گیا اور جونہی میں یہاں رکا طارق کی سفید رنگ کی کار میرے نزدیک آ کر رک گئی اور وہ دروازہ لاک کر کے نیچے اتر آیا۔

"ہیلو منصور۔" اس نے کہا اور میں نے گردن جھکا دی۔ "آؤ۔" وہ بولا اور میں اس کے ساتھ ریستوران میں داخل ہو گیا۔ ایک میز پر بیٹھ کر وہ مسکراتی نگاہوں سے میرا جائزہ لیتا رہا۔

"اتنی عمدہ شخصیت کے مالک ہو کہ خود کو ایک مرتبہ جانچ لو تو حیران رہ جاؤ۔"

"نہیں طارق صاحب۔ خود کو جانچتا ہوں تو بہت چھوٹا محسوس کرتا ہوں۔ کوئی حیثیت نہیں ہے میری۔"

"بن سکتی ہے، نجانے کیا بن سکتی ہے۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ ہاں تو تنخواہ میں کتنا اضافہ ہوا؟"

"انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میری تعلیم کتنی ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اگر میں وہاں کوئی جگہ اپنے لائق سمجھوں تو میرا تقرر وہاں کر دیا جائے۔ میں نے انہیں حقیقت

بتا دی تو انہوں نے ازراہ کرم میری تنخواہ میں بہت بڑا اضافہ کر دیا اور کہا کہ یہ طار صاحب کی سفارش پر کیا گیا ہے۔"

"اوہ۔ کیسے ترقی نہ کرتی۔ جانتی ہے کہ جس پر طارق کی نگاہ ہوتی ہے اس تقدیر جاگ اٹھتی ہے لیکن دوست۔ تم نے ابتداء میں ہم سے بلاوجہ بگاڑ لی۔"

"ناتجربہ کاری کہہ لیں طارق صاحب! اس کے نتیجے میں سب کچھ کھو بیٹھا۔ میں نے جواب دیا۔

"احساس ہو گیا ہے؟" طارق نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"اب بھی نہ ہو گا۔ طارق صاحب!"

"کچھ نہیں بگڑا ہے۔ کچھ بھی نہیں بگڑا ہے۔ سمجھے' انسان وہ ہے جو بگڑے ہوئے وقت کو سنبھال لے۔ وہ بن جاؤ گے جو تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن اس کے لئے بہت کچھ کرنا پڑے گا۔"

"آپ کا تعاون درکار ہے طارق صاحب۔"

"میں تیار ہوں لیکن تمہیں سیٹھ صاحب کو خوش کرنا پڑے گا۔ چھوٹے موٹے کام میں بھی کرتا رہتا ہوں۔ ان کا سیٹھ صاحب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ میں تمہیں اپنے طور پر بھی استعمال کر سکتا ہوں لیکن چونکہ سیٹھ صاحب تم سے ناخوش ہیں اس لئے میں اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتا۔ یوں کرو تم ان سے معافی مانگ لو۔"

"میں حاضر ہوں۔"

"گڈ۔ تو پھر کل میں تمہیں ان کے پاس لے چلوں گا۔"

"بہتر ہے۔" میں نے شکر گزاری سے کہا لیکن دل اندر سے چیخ رہا تھا۔ جذبات امڈ رہے تھے۔ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن اس ہونے کو روکنا تھا۔ اسی میں ماں اور بہن کی بہتری تھی۔ ان کے مل جانے کی امید تھی اوراس کے بعد۔ اس کے بعد...

طارق بے حد خطرناک آدمی تھا۔ اس کی نگاہوں سے بچنا تھا۔ چنانچہ میں نے خود کو پر سکون کر لیا۔ تھوڑی دیر تک ہم ریستوران میں بیٹھے اور پھر طارق بل ادا کر کے اٹھ گیا۔ باہر آ کر اس نے مجھے رخصت کیا اور اپنی کار میں جا بیٹھا۔ کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی تھی۔ میں جلتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر واپس پلٹ پڑا۔

سب کچھ کروں گا۔ معافی بھی مانگوں گا لیکن اس کے بعد جو کچھ ہو گا۔ سیٹھ جبار تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ بلاشبہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ میں تم سے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کا انتقام لوں گا۔ ذرا امی اور فریدہ مل جائیں۔ فریدہ کی شادی کر کے امی کے لئے کوئی بہتر بندوبست کر دوں۔ اس کے بعد۔ اس کے بعد۔

کوٹھی پہنچا تو سرخاب کے ساتھ راشدہ بھی موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر سرخاب

مسکرائی لیکن راشدہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ بہرحال اس نے مجھے سلام کیا تھا۔ میرا موڈ ایک دم بدل گیا۔

"ہیلو راشدہ۔ کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہوں جی۔"

"امی کی طبیعت کیسی ہے؟"

"وہ بھی اب ٹھیک ہیں۔"

"ویسے آپ نے ایک بداخلاقی کی ہے۔ منصور بھیا۔" سرخاب نے کہا۔

"کیا؟"

"آپ امی کو دیکھنے نہیں گئے حالانکہ آپ کو جانا چاہئے تھا۔"

"راشدہ صاحبہ نے میری شکایت کی ہو گی؟"

"میں نے نہیں کی۔" راشدہ جلدی سے بولی۔

"بہرحال اب چھٹی والے دن آپ کی ڈیوٹی ہے کہ مجھے راشدہ کے گھر لے چلیں۔ ویسے راشدہ سے تو میں خوب لڑ چکی ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ لڑائی یک طرفہ رہی ہے۔"

اوہ تو تم نے اب مہمانوں سے جھگڑا کرنا شروع کر دیا۔"

"بھئی یہ جھگڑا اس لئے تھا کہ یہ آئیں کیوں نہیں؟ بہرحال اب انہوں نے وعدہ کر لیا ہے کہ ہفتے میں ایک بار ملاقات ضرور کر لیا کریں گی۔ کیوں راشدہ؟" سرخاب نے کہا اور راشدہ نے گردن ہلا دی۔

"اچھا آپ لوگ بیٹھئے۔ میں چائے کا بندوبست کرنے جا رہی ہوں۔ ہم نے آپ کے انتظار میں چائے نہیں پی۔ اور آپ دیر سے آئے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" میں نے کہا اور سرخاب وہاں سے چلی گئی۔

"کیسی ہیں راشدہ؟" میں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ نگاہیں جھکائے جھکائے بولی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کسی قدر گھبرائی ہوئی تھی۔

"دراصل امی کے سامنے جانے کی ہمت نہیں پڑی۔" میں نے کہا۔

"جی۔" اس نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"آپ میری موجودگی سے گھبرائی ہوئی ہیں راشدہ۔ میں اٹھ جاؤں یہاں سے؟" میں نے سوال کیا اور اس نے جلدی سے گھبرا کر نگاہیں اٹھائیں۔

"نہیں۔ نہیں تو۔ ایسی کیا بات ہے؟"

"کوئی بات نہیں ہے تو پھر باتیں کریں۔"

"میں۔ میں کیا باتیں کروں۔ ویسے آپ نے صرف میری وجہ سے اپنی جگہ بدل دی ہے نا۔ میرا مطلب ہے اب آپ؟"

"نہیں راشدہ۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بھلا اس کی کیا ضرورت تھی اور پھر غور کریں تو ہمارے درمیان کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی' جس پر مجھے یا آپ کو شرمندہ ہونا پڑے۔"

"بات تو ہوئی ہے۔ میں اپنی غلط فہمی پر شرمندہ ہوں۔"

"اس کے باوجود میں جانتا ہوں کہ آپ ہم لوگوں کو برا نہیں سمجھتیں۔ اگر آپ ہمیں اتنا برا سمجھتیں تو دوبارہ یہاں نہ آتیں۔"

"میں نے کبھی یہ بات نہیں سوچی کہ آپ لوگ برے ہیں میں تو خود شرمندہ تھی کہ۔ کہ۔"

"جن دیواروں کو آپ نے اپنے اور میرے درمیان تصور کر لیا ہے راشدہ۔ درحقیقت وہ دیواریں نہیں ہیں۔ میں نے آپ کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ لیکن بہرحال ..... راشدہ۔ کیا دوستی کے لئے حیثیتوں کا تعین ضروری ہے؟"

"بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں منصور صاحب! جو اپنے سے کم تر لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں۔"

"ہوتے تو ہیں؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔"

"تو آپ ہمیں ان میں سے سمجھ لیں اور اطمینان کر لیں کہ' ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی الجھن' کوئی پردہ نہیں ہے۔ دوستوں کی حیثیت سے ہم ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں اس میں کیا حرج ہے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ ذہن سے یہ سوچ' یہ ہچکچاہٹ نکال دیں اور دوستوں کی طرح اپنے مسائل کہیں' ہمارے مسائل سنیں' ایک دوسرے کی مدد کریں۔"

"میں جس قابل ہوں آپ جانتے ہیں منصور! ان حالات میں بھی اگر آپ مجھے کسی مدد کے قابل سمجھتے ہیں تو دل و جان سے حاضر ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی بلکہ مجھے بھی ایک مقام مل جائے گا اور میں بھی خود کو انسانوں میں شمار کرنے لگوں گی۔"

"تو پھر آیئے دوستی پکی کر لیں۔" میں نے ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا اور راشدہ جھینپنے انداز میں مسکرانے لگی۔ پھر اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا' اور جلدی سے چھوڑ دیا۔ اس کے ہاتھ کی کپکپاہٹ میں نے صاف محسوس کی تھی۔

"ایک بات بتائیں۔" راشدہ نے کہا۔

"جی۔"

"آپ وہاں نوکری کیوں کر رہے ہیں۔ تفریحی مشغلے دوسرے بھی تو ہو سکتے ہیں۔"

"کیوں آپ نہیں چاہتیں کہ میں وہاں نوکری کروں؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ میں تو صرف پوچھ رہی ہوں۔"

"نہیں راشدہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یونہی اس دنیا میں دل نہیں لگتا۔ اس ایسی حرکتیں کرتا رہتا ہوں۔ بہرحال بہت جلد وہاں سے ملازمت چھوڑ دوں گا۔" میں کہا۔

"نہیں۔ نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا آپ یقین کریں میں تو بس یونہی پوچھ تھی۔"

"ہاں۔ ہاں میں جانتا ہوں لیکن میں نے خود بھی فیصلہ کر لیا تھا۔ ویسے امی نے ے بارے میں نہیں پوچھا؟"

"پوچھا تھا' بلکہ اکثر پوچھتی رہتی ہیں۔"

"بتا دیا آپ نے"

"نہیں خود بھی ذلیل ہوتی اور انہیں بھی دکھ ہوتا۔"

"پھر کیا کہا ان سے؟"

"سچ بات بتا دی یعنی یہ کہ ڈیوٹی بدل گئی ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا اور میں مسکرانے لگا۔ سرخاب واپس آگئی تھی۔ ہم دونوں کو مسکراتے دیکھ کر خود بھی مسکرا دی ائے پی گئی اور اس کے بعد سرخاب نے مجھے ہدایت کی کہ راشدہ کو کسی مناسب جگہ آؤں اور میں راشدہ کو لے کر چل پڑا۔ اس وقت اس کے گھر جانا مناسب نہیں سمجھا ا لیے گھر سے تھوڑے فاصلے پر میں نے اسے چھوڑ دیا تھا اور خدا حافظ کہہ کر واپس پڑا۔

پروفیسر موجود نہیں تھا۔ میں نے سرخاب کو کوئی بات نہیں بتائی اور پھر دوسرا دن معمول تھا۔ ہاں شام کو پانچ بجے میں حسب پروگرام اس ریستوران کے سامنے پہنچ ہوا پانچ بجے کے قریب طارق کی کار نظر آئی اور پھر وہ میرے نزدیک آ کر رک گئی۔ کا مسکراتا چہرہ نظر آیا تھا۔

"آؤ۔" اس نے کہا اور میں گھوم کر اس کے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھا۔ طارق اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"تم نے اپنے آپ کو پوری طرح مضبوط کر لیا ہے؟" راستے میں اس نے پوچھا۔

"کس سلسلے میں طارق صاحب؟"

"سیٹھ صاحب کے سامنے کسی کمزوری کا اظہار تو نہیں کرو گے۔ یہ سوال اس لئے کر رہا ہوں کہ تم ایک جذباتی انسان ہو۔"

"نہیں طارق صاحب۔ کبھی تھا اب کچھ نہیں ہوں۔" میں نے پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"جذباتیت اچھی بات نہیں ہے۔ اس دنیا کو اس نگاہ سے دیکھو جس کی یہ طلب ہے اور جس سے خوش رہتی ہے۔ نیکی، دیانت اور حب الوطنی جیسے الفاظ ایک دوسرے کو بے وقوف بنانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کسی بھی شعبے میں دیکھ لو۔ ہر شخص ان الفاظ کا سہارا ضرور لے گا۔ لیکن اس کا عمل وہی ہوتا ہے جو عقل مندی کا عمل کہلاتا ہے۔ سیاسی لیڈر ڈائس پر کھڑے ہو کر دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں۔ ووٹ لیتے ہیں، عہدے حاصل کرتے ہیں اور پھر۔ جو ہوتا ہے تمہیں بھی معلوم ہے۔ کچھ لوگ۔ بے وقوف بننے والے ہوتے ہیں کچھ بننے والے اور جو جتنا جذباتی ہو گا اسے اتنا ہی بے وقوف بننا پڑے گا۔ یہ اس دنیا میں زندگی گزارنے کے گر ہیں جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ اب ان پر عمل کرنا تمہارا کام ہے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی طارق صاحب۔" میں نے کہا۔

"پوچھو۔"

"آپ تو ہمیشہ مجھ سے ناراض تھے۔ اچانک آپ میرے اوپر مہربان کس طرح گئے؟"

"بس موج قلندری سمجھو۔ لڑائی اس سے ہوتی ہے جو جوابی لڑائی سے دو ہو۔ تم سے کیا لڑائی؟"

"اوہ۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"لیکن تمہیں بہت کچھ بننا ہو گا جس طرح تم اس دنیا میں گزارا کر رہے ہو طرح نہ گزار سکو گے۔"

"میں کوشش کروں گا۔"

"میں تمہیں تربیت دوں گا بشرطیکہ تم نے سیٹھ صاحب کا اعتماد حاصل کر اس نے کہا اور میں خاموش رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے پوچھا۔ "..... کیا آپ سیٹھ سے میرا تذکرہ کیا تھا؟"

"نہیں منصور۔ تم ابھی تک سیٹھ عبد الجبار کو نہیں جان سکے۔ وہ جتنا بڑا ہے تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس ملک پر آدھی حکومت اس جیسے لوگوں کی ہے پھر اور معمولی لوگوں کو کیا حیثیت دے سکتا ہے؟ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ یہ تو تمہاری بختی ہے کہ تم اس کی پناہ میں آ جاؤ گے اور جو اس کی پناہ میں ہو۔ اس کی طرف

مجال ہے کہ آنکھ اٹھا سکے۔"

میرا دل سلگنے لگا۔ امی اور فریدہ مل جاتیں تو پھر میں اسے بتاتا کہ میں کس کی پناہ میں ہوں۔ میں خاموش ہو گیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد کار اس منحوس عمارت میں داخل ہو گئی۔ جہاں میری تقدیر کے لئے بدترین فیصلے ہوئے تھے۔ کار رک گئی اور میں نیچے اتر آیا۔ میری آنکھوں نے امجد بھائی کو تلاش کیا تھا لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئے۔ طارق کے ساتھ میں کوٹھی کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا اور پھر ایک ڈرائنگ ہال میں طارق نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور میں بیٹھ گیا۔

"میں سیٹھ صاحب کے بارے میں معلوم کر لوں تم یہاں رکو۔" وہ بولا اور پھر کسی اندرونی دروازے میں داخل ہو گیا۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ دم گھٹ رہا تھا۔ عجیب سا احساس تھا دل میں۔ اسی وقت بیرونی دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ اور میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک لڑکی تھی۔ ایک جدید ترین لباس میں ملبوس بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ اس نے ٹھٹک کر مجھے دیکھا اور میرے نزدیک آ گئی۔ میں کھڑا ہو گیا تھا۔

"جی۔ فرمائیے۔" اس نے کہا۔

"وہ میں۔ طارق صاحب کے ساتھ آیا تھا۔"

"اوہ۔ اچھا۔ لیکن میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔"

"جی۔ میں۔ میں۔"

"اونہہ۔ تم بھی میں میں کرنے والے ہو۔ مجھے ایسے لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے جو میرے سامنے بکروں کی طرح میں میں کریں۔" اس نے نخوت سے کہا اور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

ایک بار پھر دل خون ہو گیا تھا لیکن کتنی بے عزتی برداشت کروں..... پھر طارق کی ایک بات یاد آئی۔ اس دنیا میں جذباتی لوگ ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔ جذباتیت سے کوئی کام بھی کبھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں نے خود کو پرسکون کر لیا۔

چند منٹ بعد طارق واپس آ گیا۔ "آؤ منصور۔ اتفاق سے سیٹھ صاحب تنہا ہیں۔" اور میں اٹھ گیا۔ دل زور سے دھڑکا تھا لیکن میں نے خود کو سنبھالا اور طارق کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک حسین ترین نشست گاہ میں داخل ہو گیا۔ اعلیٰ درجے کے فرنیچر سے سجی ہوئی اس نشست گاہ کی ایک نشست پر سیٹھ جبار بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے چند کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ انگلیوں میں موٹا سگار دبا ہوا تھا۔ چہرے پر رعونت تھی۔

اس نے سگار کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ دی۔ اور پھر طارق کی طرف دیکھا۔

"ہوں۔ کیا بات ہے طارق؟ یہ کون ہے؟"

"اگر مصروفیت نہ ہو سیٹھ صاحب تو چند لمحات؟"

"ہاں کہو۔"

"میں اسے آپ کے پاس لایا ہوں۔"

"ہاں کوئی بات ہے؟" سیٹھ نے مجھے نہیں پہچانا تھا۔

"یہ منصور ہے۔ شاید آپ کو یاد ہو۔ ہمارے ہاں ڈرائیور رہ چکا ہے۔ وہ نوجوان جس نے ہمارے خلاف پولیس کو اکسانے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہ۔ اچھا اچھا۔ یہ منصور ہے۔ بڑا ہو گیا ہے اب کیسے ہو منصور؟"

"ٹھیک ہوں جناب۔"

"نہیں نہیں۔ ابھی ٹھیک نہیں ہو۔ بالکل ٹھیک نہیں ہو کیوں طارق؟"

"نہیں جناب۔ آپ کو یاد ہو گا اس نے عدالت میں آپ کا نام نہیں لیا تھا اور آپ کا خیال تھا کہ میں نے اسے اس سے باز رکھا ہو گا۔"

"میرا آج بھی یہی خیال ہے۔ کیوں منصور؟ کیا طارق نے تمہیں اس کے لئے نہیں کہا تھا؟"

"نہیں جناب۔ طارق صاحب سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔"

"پھر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

"پولیس نے مجھ سے یہی کہا تھا اور میں گلو خلاصی چاہتا تھا۔"

"اوہ۔ مگر ہماری خواہش تھی کہ تم وہاں ہمارے جرائم کا کچا چٹھا کھولتے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مخالف خود کو ہر طرح آزمائیں۔"

"یہ کوشش منصور نے شرمندگی کے جذبے کے تحت کی تھی اور آج بھی یہ آپ سے معافی مانگنے آیا ہے۔"

"ہمیں معافی مانگنے والوں کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہم سے معافی مانگے وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے ہم یہ سیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اسے اپنی بے بسی کا احساس ہو گیا ہے۔"

"یہ احساس ہمیں کیا دے گا؟"

"یہ آپ کے تمام احکامات کی تعمیل کے لئے تیار ہے۔"

"یہ بھی غلط ہے۔"

"میں اس سے معلومات کے بعد اس کی سفارش لے کر آیا ہوں۔" طارق نے کہا اور سیٹھ جبار غور سے مجھے دیکھنے لگا۔

"کیا تم اس میں کوئی خاص بات پاتے ہو طارق؟ کیا یہ ہمارے لئے مفید رہے

گا؟"

"میرا یہی خیال ہے جناب۔ جیل میں ضرور یہ کچھ نہ کچھ سیکھ کر آیا ہو گا۔"

"کیا سیکھا ہے تم نے وہاں۔ میرا خیال ہے ابھی کچھ نہیں۔ اگر یہ کچھ سیکھتا تو ہم سے انتقام لینے کی کوشش کرتا اور ہمیں ایسے لوگوں سے نفرت ہے جو اپنا انتقام بھی نہیں لے سکتے۔ نہیں طارق اگر اسے کچھ بنانا چاہتے ہو تو دوبارہ جیل بھیج دو۔ اس بار اسے کم از کم دس سال کے لئے بھیجو اور ایسا چارج لگاؤ کہ یہ کام کے لوگوں میں جائے تاکہ وہاں کچھ سیکھے۔ ابھی یہ مکمل نہیں ہے۔" سیٹھ صاحب نے سگار دوبارہ منہ سے لگا لیا۔

"میں اسے کام کے قابل بنا لوں گا جناب!" طارق بولا۔

"تب اس سے کوئی امتحان لو۔"

"جی۔ آپ تجویز کر دیں سیٹھ صاحب!"

"میں کیا تجویز کروں؟ تم خود سوچو۔ اچھا ٹھہرو۔ یوں کرو اس کے ہاتھوں پارک ریڈ کو قتل کرا دو۔ اگر اس نے یہ قتل ہوشیاری سے کر دیا تو میں اسے معاف کر دوں گا اور اس کے بعد تم اس کی تربیت کر سکتے ہو۔"

"بہتر ہے سیٹھ صاحب۔ میں اس سے یہ کام کرالوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میرے پاس آنا اور اگر یہ کام نہ کر سکے تو اسے دوبارہ جیل بھجوا دو۔ میں نے ناکمل لوگوں کی تربیت گاہ نہیں کھولی ہوئی۔"

"جی بہتر ہے۔ آؤ منصور۔"

میں سیٹھ صاحب سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

"سیٹھ صاحب! میں جن دنوں جیل میں تھا۔ اس دوران میری ماں اور بہن گھر سے غائب ہو گئیں۔ میں آپ کے سارے احکامات کی تعمیل کروں گا لیکن براہ کرم میری ماں اور بہن مجھے واپس دلوا دی جائیں۔"

"طارق! کیا بکواس کر رہا ہے؟" سیٹھ صاحب کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"پہلے سیٹھ کا اعتماد حاصل کر لو منصور! اس کے بعد یہ بھی ہو جائے گا۔ وہ جہاں بھی ہوں گی سیٹھ صاحب انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ ان کے ایک اشارے پر ہزاروں افراد ان کی تلاش پر مامور ہو جائیں گے۔ پولیس مستعد ہو جائے گی۔ کیا نہیں ہو سکتا۔۔۔ ٹھیک ہے سیٹھ صاحب یہ آپ کے امتحان پر پورا اترے گا۔"

"تو جاؤ۔ میرا وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔" عبد الجبار نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور طارق مجھے لئے ہوئے باہر نکل آیا۔ میں خاموش اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

"میں تمہاری پشت پر ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن تم ہر قیمت پر سیٹھ کا

اعتماد حاصل کر لو۔ پارک ریڈ ایک غیر ملکی ہے۔ میں تمہیں اس کے بارے میں معلومات فراہم کروں گا تم اسے قتل کر دو۔"

"ایک شرط پر طارق صاحب۔" میں نے بمشکل تمام خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"شرط؟"

"ہاں میں اسے قتل کر دوں گا لیکن اس سے پہلے میری ماں اور بہن مجھے مل جائیں۔"

"اوہ۔ یہ فضول شرط ہے۔ جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم اسے قتل کر دو گے تو وہ دونوں تمہیں مل جائیں گی۔"

"نہیں میں پہلے ان سے مل لینا چاہتا ہوں۔"

"اب یہ ضد کی بات ہے۔ میں تمہیں ایک دن کی مہلت دیتا ہوں۔ سوچ لو۔ فیصلہ کر لو۔ کل مجھے اطلاع دے دینا۔" طارق نے کہا اور گاڑی میں بیٹھ گیا' پھر اس نے کار اسٹارٹ کر دی اور اسے آگے بڑھاتا ہوا بولا۔" کل کا دن آخری دن ہے۔" اور اس کے بعد اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ میں خاموش کھڑا رہ گیا تھا۔

پھر میں آہستہ آہستہ باہر نکل آیا۔ کل کا دن آخری ہے۔ کل کا دن۔ کل کا دن۔ دماغ پر ہتھوڑے چلنے لگے تھے۔ طارق کے الفاظ سے ایک بار پھر یقین ہو گیا تھا کہ وہ میری ماں اور بہن کا پتہ جانتا ہے۔

کیا کروں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ بلاشبہ میں ایک ناکارہ انسان ہوں۔ اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ پروفیسر شیرازی بھی میری وجہ سے الجھ گیا ہے۔ روزانہ اس کے پاس جا کر دھرنا دینا اچھا نہیں ہے۔ جب ماں اور بہن موجود نہیں ہیں تو پھر دوسروں کے دل دکھانے سے کیا فائدہ؟ سارے رشتے بے کار ہیں۔ سب کچھ۔ سب کچھ بے کار ہے۔ میں واپس شیرازی کی کوٹھی کی طرف نہیں گیا۔ نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا اور طویل عرصے کے بعد ایک بار اپنے گھر کی جانب جا نکلا۔

اندھیرا ہو چکا تھا اس لئے کسی شناسا نے مجھے نہیں دیکھا۔ گلی کی شکل بدل گئی تھی۔ لیکن میرا گھر بے چراغ تھا۔ اس میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ دروازے میں تالا پڑا ہوا تھا۔ پتھر کی ایک ضرب سے تالا ٹوٹ گیا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ ویران مکان جہاں میرا بچپن سو رہا تھا۔

کھردری زمین پر لیٹ گیا۔ پورا بدن سلگ رہا تھا۔ یادیں ذہن میں کلبلا رہی تھیں۔ ایک ایک منظر یاد آ رہا تھا۔ کیا کوئی اتنا بے بس بھی ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی اتنا بے سکون بھی ہو سکتا ہے۔

ایک بار دل چاہا کہ خود کشی کر لوں۔ لیکن خود کشی اور اس کے بعد ماں اور بہن

ا تصور۔ ساری رات کروٹیں بدلتے گزر گئی۔ صبح کی روشنی دیکھ کر حیرانی ہوئی تھی۔ سلسلہ کے باعث دیر تک اسی طرح زمین پر لیٹا رہا۔ بدن بری طرح دکھ رہا تھا۔ بہرحال اٹھنا ہی تھا۔ دن کی روشنی میں مکان کے در و دیوار رو رہے تھے۔ میں انہیں دیکھتا رہا۔ ایک ایک منظر نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا۔

یہ سب کچھ برداشت نہیں ہو سکا تو باہر نکل آیا اور پھر جہاں تک ممکن ہو سکا لوگوں کی نگاہوں سے بچتا بچاتا گلی سے بھی باہر نکل آیا۔ دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا اور پھر ایک بس میں بیٹھ کر لیڈی جہانگیر کے مکان کی طرف چل پڑا۔ دروازے پر کھڑے چوکیدار نے بتایا کہ لیڈی صاحبہ چلی گئیں۔

"اوہ۔ کتنی دیر ہوئی؟"

"بہت دیر ہو گئی صاحب۔" چوکیدار نے جواب دیا۔ اور مجھے تھوڑا سا تعجب ہوا۔ مسز جہانگیر اتنی دیر پہلے تو نہیں جاتی تھی۔ آج اتنی جلدی کیسے چلی گئی۔ بہرحال وہیں سے بس میں بیٹھ کر دفتر پہنچ گیا۔ لیڈی صاحبہ کی کار یہاں موجود تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد لیڈی صاحبہ کے چپراسی نے مجھے آواز دی۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بس کچھ نہیں۔ لیڈی صاحبہ نے کہا ہے کہ میں تمہیں دیکھ آؤں۔ کہیں جا تو نہیں رہے؟"

"کہیں نہیں جا رہا۔ یہاں بیٹھا ہوں۔ لیڈی صاحبہ سے مل لوں؟"

"نہیں۔ کچھ لوگ ہیں ان کے پاس۔" چوکیدار نے جواب دیا اور میں اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ لیڈی جہانگیر کے دفتر سے ایک پولیس انسپکٹر اور دو اسسٹنٹ انسپکٹر باہر نکلے۔ چوکیدار نے میری طرف اشارہ کیا تھا اور انسپکٹر میری طرف بڑھ آیا۔ نہ جانے کیوں دل پر گھونسہ لگا تھا۔ انسپکٹر نے میرے کلائی پکڑ لی اور سب چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ اسسٹنٹ انسپکٹر نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا دی تھی۔

"اس کی وجہ جان سکتا ہوں۔ انسپکٹر صاحب۔" میں نے پوچھا۔

"جان جاؤ گے۔ سب کچھ جان جاؤ گے۔ چلو۔" انسپکٹر نے کہا اور اے ایس آئی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں خاموشی سے دفتر سے باہر نکل آیا تھا۔ ذہن اب بھی سپاٹ تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ ایک لمحے کے لئے ذہن پر جنون بھی سوار ہوا تھا۔ لیکن جذباتیت بھیانک ہوتی ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ میں خاموشی سے تھانے پہنچ گیا۔

"کیا مجھے یہ نہیں بتایا جائے گا انسپکٹر صاحب! مجھے کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟" میں نے راستے میں پوچھا۔

"بن کیوں رہے ہو دوست؟"

"بن نہیں رہا انسپکٹر صاحب! براہ کرم بتا دیں۔" میں نے لجاجت سے کہا۔

"کل شام کو بیگم جہانگیر کے ہینڈ بیگ سے تم نے پندرہ ہزار روپے نکال لئے تھے ابھی تو تمہیں یہ بھی بتانا ہے کہ وہ پندرہ ہزار روپے کہاں ہیں؟"

"کیا لیڈی جہانگیر نے رپورٹ درج کرائی ہے؟" میں نے سکون سے پوچھا۔

"ہاں۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔ اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے بعد میں نے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ بس ایک خیال میرے ذہن میں گونج رہا تھا۔ طارق بلیک میلر ہے اور لیڈی جہانگیر کو بلیک میل کر رہا ہے۔ اس کی کل کی بے رخی سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مجھ سے مطمئن نہیں ہوا ہے اور اس کارروائی کا محرک طارق کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ "طارق۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر سوچا۔ "ٹھیک ہے طارق" وہی ہو گا جو تم چاہتے ہو۔

مجھے لاک اپ میں بند کر دیا گیا یہاں چند اور لوگ بھی تھے۔ ان میں سے چند مجھے دیکھ کر مسکرائے لیکن میں تو ہوش و حواس میں ہی نہیں تھا۔ میں لاک اپ کے ایک کونے میں جا بیٹھا۔

چند لوگوں نے مجھ سے کچھ سوالات کیے لیکن ان کی آواز میرے کانوں میں نہیں آ رہی تھی۔ میرے ذہن میں تو بس ایک گونج تھی۔ صرف ایک گونج۔ طارق۔ طارق۔ دوپہر ہو گئی۔ میں اب کسی حد تک پر سکون ہو چکا تھا۔ تقریباً دو بجے کا وقت تھا جب انسپکٹر کسی کے ساتھ لاک اپ کے دروازے پر آیا۔ اس کے ساتھ ایک سپاہی بھی تھا۔ سپاہی نے تالا کھولا اور انسپکٹر نے کسی کو آواز دی۔ "یوسف۔ باہر نکل آؤ۔" اور ایک دبلا پتلا نوجوان لاک اپ کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

اور پھر اچانک میری نگاہ چمن پر اور چمن کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ وہ بری طرح چونک پڑا اور بے اختیار سلاخوں کے قریب آ گیا۔ "منصور۔" اس نے متحیرانہ انداز میں مجھے آواز دی۔ میں خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ "انسپکٹر صاحب۔ یہ۔ یہ۔ کس جرم میں قید ہوئے ہیں؟"

"جانتے ہو اسے؟"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔ انہیں باہر نکالو۔" چمن نے کہا۔

"پندرہ ہزار کا ہاتھ مارا ہے چمن۔ پورے پندرہ ہزار کا۔"

"کس ماں کے خصم نے رپورٹ کی ہے؟" چمن کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"لیڈی جہانگیر نے جہاں یہ ڈرائیور کی نوکری کرتا ہے۔"

"ہوں۔ اسے باہر نکال لاؤ انسپکٹر۔ میں کہہ رہا ہوں اسے باہر نکال لاؤ۔ میں دفتر

چل کر بات کرتا ہوں۔"

"کوئی بہت قریبی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ آ جا بھئی۔ استاد چمن کو کون ناراض کر سکتا ہے۔" انسپکٹر نے کہا اور مجھے باہر نکال لیا گیا بعد میں' میں "یوسفے" انسپکٹر اور چمن دفتر پہنچ گئے۔

"یوسفے کی ضمانت کے فارم پر دستخط لے لو انسپکٹر۔ ویسے یہ اصول کے خلاف ہے۔" چمن نے کہا۔

"یار میں موجود نہیں تھا۔ بہرحال تم سے کچھ مانگ تو نہیں رہا مگر اس کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔"

"رپورٹ تحریری ہے؟" چمن نے پوچھا۔

"نہیں مگر بہت بڑی عورت ہے۔ جہانگیر لمیٹڈ کی مینجنگ ڈائریکٹر اور یہ فرم بہت بڑی ہے۔"

"تحریری رپورٹ کیوں نہیں دی؟"

"بیمار تھی۔ کہنے لگی۔ پھر دے دوں گی۔ میں اے ایس آئی کو شام کو اس کے گھر بھیجوں گا۔"

"ہوں کوئی اور گڑ بڑ تو نہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"ضمانت دینا چاہتا ہوں۔"

"چمن استاد۔ یہ معاملہ دوسرا ہے۔ میرا خیال ہے اسے رہنے دو۔ بڑی مشکل پیش آئے گی۔" انسپکٹر نے کہا۔

"مشکل آسان بناؤ انسپکٹر۔ یہ دوبارہ اندر نہیں جائیں گے۔ چمن نے جیب سے چیک بک نکالی اور پھر کسی عبد الوحید کے نام سے پانچ ہزار روپے کا چیک کاٹ دیا پھر دوسرا چیک اس نے پندرہ ہزار کا لکھا تھا۔ دونوں چیک اس نے انسپکٹر کی طرف بڑھا دیئے اور انسپکٹر مسکرائے۔

"چلو یوں کام بن جائے گا۔ شاکر ایک فارم اور لا دو۔ اس پر دستخط کر کے نکل جاؤ چمن استاد۔ بڑے لوگوں کے کھیل بڑے ہی ہوتے ہیں اس وقت تو میں کام چلا لوں گا۔ کیونکہ تحریری رپورٹ نہیں آئی۔ میں ذاتی طور پر....."

"جو دل چاہے کرو انسپکٹر۔ یہ تمہارا کام ہے اب میں چلتا ہوں۔" چمن نے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "آؤ پارٹنر اور میں خاموشی سے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ایک کونے میں سرخ رنگ کی کار کھڑی تھی۔ چمن میرے ساتھ بیٹھ گیا "دو نمبر چلو۔" اس نے ڈرائیور سے کہا اور ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔ "یوسفے" کہیں اور چلا گیا تھا۔

ایک بار پھر میں اس عمارت میں داخل ہو گیا تھا جہاں ایک دفعہ چمن کے ساتھ پہلے بھی آیا تھا۔

لیکن اب یہاں چند افراد نظر آ رہے تھے جو ملازم قسم کے تھے۔ چمن نے ان میں سے ایک سے کھانا تیار کرنے کے لئے کہا اور میرے ساتھ کمرے میں آ گیا۔

"بیٹھو بادشاہ۔ کون سی شے ہے وہ اور تمہاری کیا دشمنی ہو گئی اس سے؟"

"تمہیں یقین ہے چمن کہ وہ رقم میں نے نہیں اڑائی ہو گی؟"

"یار۔ یہ سوال ہی کیوں پوچھ رہے ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے چمن بے وقوف ہے؟"

"شکریہ چمن۔ بہرحال جس نے رپورٹ درج کرائی ہے وہ بھی مجبور ہے اسے بلیک میل کر کے یہ کام کرایا گیا ہے۔"

"اور بلیک میلر کون ہے؟"

"وہی میرے پرانے دشمن۔" میں نے جواب دیا۔

"یار منصور۔ برا مت ماننا پیارے۔ دیکھو چمن تمہارا دوست ہے جو کچھ اپنے پاس ہے حاضر ہے۔ سب کچھ لٹا دوں گا تمہارے اوپر۔ لیکن اتنا نہیں ہے جان من کہ ہمیشہ تمہارے کام آتا رہے۔ آخر تم کب تک سوتے رہو گے؟"

"چمن میں جاگ گیا ہوں۔ تابوت میں آخری کیل لگ گئی ہے بس اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"سچ کہہ رہے ہو منصور؟"

"ہاں چمن۔"

"چمن تمہارے ساتھ ہے جس طرح چاہو گے حاضر ہوں۔ کبھی پیچھے نہ پاؤ گے۔ ہر خطرہ مول لے لوں گا تمہارے لئے۔ مگر منصور! شرافت کی زبان کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تم برے انسان مت بنو۔ لیکن برائی کو مٹانے پر تو کمربستہ ہو جاؤ کچھ کرنے کے لئے باہر تو نکلو۔"

"تم میری مدد کرو گے چمن؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ آزمالو۔"

"مجھے پستول چاہیئے۔"

"مل جائے گا۔ گاڑی کی بھی ضرورت ہو گی۔ وہ بھی مل جائے گی اور کہو؟"

"بس فی الحال یہی کافی ہے۔ یہاں اس عمارت میں فون ہے؟"

"ہاں موجود ہے۔" چمن نے جواب دیا۔

"میں تمہارا شکریہ نہیں ادا کروں گا چمن۔ کیونکہ یہ بیوقوف بنانے کا ایک گر ہو

ہے۔ تم میرے لئے جو کچھ کر رہے ہو۔ اگر زندگی رہی تو اس کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔"

"دیکھو پارٹنر۔ ان باتوں کو جانے دو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تم سے کوئی لالچ نہیں رکھتا۔ کوئی گہرا داؤ بھی نہیں..... بس تمہیں دیکھا اور دل نے تمہیں پسند کیا۔ ایک دوست کی حیثیت سے اور آدمی کو دل کی بات ماننے کا چانس ہو تو پھر وہ کیوں نہ مانے۔ بس خلوص ہی خلوص ہے تمہارے لئے اور خلوص کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔"

"ہاں چمن لیکن ایک بات سے تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دوں۔" میں نے تلخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ضرور کرو۔"

"میں نے بارہا اپنی نحوست کو آزمایا ہے۔ جہاں جاتا ہوں وہاں میری نحوست میرے ساتھ جاتی ہے اور جو میرے اوپر احسان کرتا ہے یا مجھ سے مخلص ہو جاتا ہے وہ بھی نحوست کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہتا۔"

"واقعی؟" چمن ہنس پڑا پھر بولا "لاؤ ذرا ہاتھ آگے کرو۔" اور میں نے بے اختیار ہاتھ سامنے کر دیا۔ چمن میرے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "بے فکر رہو۔ یہ نحوست تمہارے ساتھ یہاں نہیں آئی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"دیکھو منصور۔ میں بذات خود تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گا۔ جو کرنا چاہے کرتے رہنا لیکن کسی بھی خطرے کے وقت مجھے یاد رکھنا اور جہاں تک ممکن ہو مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرنا۔ میں بڑی بات تو نہیں کہتا۔ لیکن اپنی بھی یاد اللہ کافی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"باقی اب تم جانو اور تمہارا کام۔ تمہاری ضرورت کی ساری چیزیں یہاں پہنچ جائیں گی۔ باقی تم خود ہوشیار ہو۔" چمن نے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوپہر کا کھانا آ گیا اور کھانے کے بعد چمن نے ملازموں کو بلایا۔ دو عورتیں اور تین مرد تھے۔ اس نے انہیں ہدایت کی کہ اب میں یہاں رہوں گا۔ میرا پورا خیال رکھا جائے اور کوئی تکلیف نہ ہونے پائے مجھے۔

"میں ان کے سارے کام کر دیا کروں گی صاحب جی۔" عورتوں میں سے ایک نے کہا اور میں نے اس پر نگاہ ڈالی۔ سانولی سی اچھے نقوش کی مالک نوجوان لڑکی تھی۔ عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہ ہو گی۔

چمن نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔ "اب سارے کام بھی مت کر

دینا۔ گھاٹے میں رہے گی۔"

"لو گھاٹا کیسا ہو گا۔ جتنی محنت کرو اتنی ہی جان بنتی ہے۔"

"تیری مرضی۔ تو جانے اور تیرا صاحب۔" چمن نے جواب دیا اور میں سنجیدہ رہا۔ اس وقت میں اس طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ میرے ذہن میں شدید انتشار تھا۔

چمن تھوڑی دیر تک میرے ساتھ رہا۔ پھر میرا شانہ تھپتھپا کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں تقریباً آٹھ بجے تک یہاں پہنچوں گا دوست۔ رات کا کھانا تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گا۔" اس نے کہا اور پھر چلا گیا۔ میں ایک خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ایک بار پھر مجھے ایک بہتر ٹھکانہ مل گیا تھا۔ لیکن تقدیر کی کیسی ستم ظریفی تھی جب دو وقت کی روٹی بھی نہ تھی تو کوئی ہمدرد ایسا نہ ملا جو مجھے جائز اور حلال کی روٹی دیتا اور آج.........

بستر پر لیٹ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ذہن میں مسز جہانگیر کا ہیولا ابھر آیا۔ یہ عورت بے گناہ تھی اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ یقیناً اسے مجبور کر دیا گیا ہو گا۔ میرے دل میں اس کے لئے کوئی برائی نہیں پیدا ہو پا رہی تھی۔ اصل لوگ۔ اصل لوگ آج بھی میرے خلاف تھے۔ نہ جانے کیا کدورت تھی انہیں۔ سیٹھ جبار مجھے قاتل بنانا چاہتا تھا۔ شاید اس لئے کہ اس کے بعد میں ہمیشہ کے لئے اس کے جال میں پھنس جاؤں اور کبھی نہ نکل سکوں لیکن برائی ہی اپنانی تھی تو پھر سیٹھ جبار کے ساتھ کیا ضروری تھا۔ قدم قدم پر بدی کے بچاری موجود تھے۔

نہ جانے میں کب تک سوچتا رہا۔ ایک بار فون کرنے کے بارے میں سوچا۔ لیکن پھر یہ فیصلہ ترک کر دیا۔ اس مکان کے فون سے کوئی ایسی بات کرنی مناسب نہیں تھی کوئی پبلک کال بوتھ اس کے لئے مناسب ہوتا۔ پھر دل میں خیال آیا تھا کہ سرخاب سے جا ملوں۔ اسے تسلی دوں۔ وہ مجھے جس قدر چاہتی ہے اس کے تحت۔ اسے بے خبر نہیں رکھنا چاہئے۔

لیکن جبر کرنا تھا' دل پر جبر کرنا تھا۔ اس کے بغیر چارہ کار نہیں تھا۔ میں نے ساری کوششیں کر کے دیکھ لی تھیں۔ آنکھیں بند کر کے سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ دروازے پر آہٹ سنائی دی اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔

سامنے [illegible] وہی نوجوان ملازمہ کھڑی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے مجھے عجیب سے انداز سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ارے بات کیا ہو گی سب کے سب ایک سے ہو۔" اس نے بیزاری سے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟" مجھے اس کے بھولپن سے دلچسپی محسوس ہوئی۔

"کوئی کام ہی نہیں ہے اس گھر میں اور ہم ٹھہرے چوبیس گھنٹے محنت کرنے والے۔ دوسرے سارے خوش ہیں کہ ہاتھ ہلانا پڑے نہ پاؤں۔ بس اپنے لئے کھانا پکاؤ اور تنخواہ الگ لو۔ ہم سے یہ نہیں ہوتا صاحب۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔" میں نے پوچھا۔

"ارے کوئی کام بتاؤ نا ہمیں۔ ہم نے سوچا کہ تم آ گئے ہو اب کام دھندہ ضرور ہو گا۔ مگر تم بھی۔"

"کیا کام کرنا آتا ہے تمہیں؟" میں نے پوچھا۔

"سارے کام صاحب جی! جھاڑو ہم دیں' جوتے پر پالش ہم کر لیں' روٹی ہم پکا لیں' کپڑے ہم دھو لیں۔ ارے کون سا کام ہے جو ہم نہیں کر سکیں۔ پر کوئی کام تو ہو۔"

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"حسینہ۔ ماں کا نام جمیلہ اور باپ کا شیخ جی ہے۔"

"واہ۔ ماں باپ ہیں تمہارے؟"

"ہاں ہیں تو۔ مگر دور ہیں۔ چھ بہنیں ہیں ہم اور میں سب سے چھوٹی ہوں۔ کسی کی شادی نہیں ہوئی۔ شیخ جی چار چوٹ کی مار ماریں ہیں انہیں اور اچھا ہی کرے ہیں۔ کام کی نہ کاج کی۔ شادی کرنے کے لئے کوئی پوچھے نہیں ہے۔ کہاں سے کھلائیں؟ ہم نے تو یہی سوچا ہے کہ کہیں دھندا کریں۔ سو ہم یہاں آ گئے۔"

"بڑا اچھا کیا حسینہ تم نے۔ کیا تنخواہ ملتی ہے؟"

"دو سو روپے۔ پورے کے پورے ابا کے پاس چلے جاویں اور ہمیں کرنا [illegible] ہے ان کا۔ ابا کا کام چلے گا۔" اس نے کہا اور میرے دل میں درد کی لہر اٹھی۔ یہ معصوم [illegible] بھی مسائل کا شکار ہے کون ہے یہاں جو کسی نہ کسی دکھ میں مبتلا نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے حسینہ۔ کوئی کام ہو گا تو تمہیں بتاؤں گا۔"

"سو رہے تھے [illegible]" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"سر میں درد بھی نہیں ہوتا تمہارے۔"

"ایں۔ نہیں۔" میں نے اس انوکھے سوال پر کسی قدر گڑ بڑا کر کہا۔

"ہوتا ہو گا جھوٹ بولتے ہو۔ سر کیسا ہو رہا ہے۔ جیسے سوکھا ببول' تیل ڈال دیں [illegible]۔ اتنا اچھا دبائیں گے کہ نیند آ جائے گی۔"

"رہنے دو حسینہ۔ تمہیں زحمت ہو گی۔"

"تیل ڈالنے میں؟"

"ہاں اور کیا۔"

"بالکل نہیں ہو گی۔ ڈال دیں؟" وہ خوشی سے بولی۔ انداز ایسا تھا کہ جیسے اگر منع کر دوں تو اسے رنج ہو گا چنانچہ میں نے گردن ہلا دی۔

"جیسی تمہاری مرضی۔" وہ بندوق کی گولی کی طرح دروازے سے باہر نکل گئی۔ مجھے اس کی معصومیت پر ہنسی آنے لگی لیکن اس نے سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد تیل کی شیشی لئے اندر آ گئی۔ اطمینان سے میرے سرہانے آ بیٹھی اور پھر انتہائی بے تکلفی سے میرا سر اٹھا کر اپنے قریب رکھ لیا۔ ایک لمحے کے لئے مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔ اس کے سراپا کا لمس میرے لئے عجیب تھا۔ رخسار تپنے لگے تھے۔ اس کے سراپا کی ہلکی سی بو میرے حواس پر مسلط ہو رہی تھی۔ لیکن پھر دماغ میں ایک ٹھنڈک کا احساس ہوا..... اور اس کے مشاق ہاتھوں کی جنبش نے ہر مدافعت کا احساس ختم کر دیا۔

وہ جی جان سے بے پرواہ ہو کر میرے سر میں مالش کر رہی تھی اور اس کا نوخیز سراپا میرے سانسوں سے پگھل رہا تھا۔

نہ جانے ذہن میں کیسے کیسے خیالات ابھرنے لگے۔ اس سے قبل کسی اجنبی لڑکی کا قرب نہیں ملا تھا۔ گلا خشک ہو گیا یوں لگا جیسے بخار ہو گیا ہو۔ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

"اب ادھر کروٹ بدل لو۔" چند ساعت کے بعد اس کی آواز سنائی دی اور میں نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی۔ میری نگاہ اس کے چہرے پر پڑ میں ایک دم چونک پڑا۔

اس کا حال میرے جیسا نہیں تھا۔ وہی پر سکون چہرہ اتنا ہی معصوم۔ اس پر وہی ازلی مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔ میرے جذبات ایک دم ٹھنڈے پڑ گئے۔ اس کی آواز میرے کانوں میں گونجنے لگی۔

"چھ بہنیں ہیں ہم اور میں سب سے چھوٹی ہوں۔ کام کی نہ کاج کی۔ شادی کے لئے کوئی پوچھے نہیں ہے۔" میری ذرا سی لغزش اسے زخمی کر دے گی۔ ہمیشہ کے لئے باپ کا بوجھ کم ہونے کے بجائے اور بڑھ جائے گا پھر یہ سوچنا بھی چھوڑ دے گی کہ اس کی بھی شادی ہو گی اور یہ المیہ میری وجہ سے ہو گا۔ میری ذرا سی لغزش سے۔ نہیں میں تو خود ایک المیہ ہوں۔ میں تو خود زخمی ہوں کسی اور کو زخمی کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ میں بے اختیار اٹھ گیا وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

کچھ دیر تو وہ مجھے گھورتی رہی..... پھر اس نے ہلہ بول دیا اور مجھے نیچے گرا کر بڑبڑانے لگی۔ "اٹھ اٹھ کر بھاگ رہے ہیں اور پورے سر میں خشکی بھری ہوئی ہے۔" اس نے تیل ہتھیلی پر ڈالا اور میرے بالوں پر ملنے لگی مجھے ہنسی آ گئی۔ "اچھا نہیں لگ رہا؟" اس

نے پوچھا۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے لیکن اب بس کرو۔ سب ٹھیک ہو گیا ہے۔" میں نے کہا۔ لیکن حسینہ جب تک خود مطمئن نہ ہو گئی' اس نے مجھے نہیں چھوڑا اور اب صورت حال یہ تھی کہ میرے سر سے تیل بہہ بہہ کر پیشانی' رخساروں اور کانوں پر آ گیا تھا۔ میں نے گال پر آتے ہوئے تیل کو چھوا تو وہ جلدی سے اپنی میلی اوڑھنی سے تیل پونچھنے لگی..... حالانکہ اس سے ہلکی سی بدبو آ رہی تھی لیکن میں نے اعتراض نہ کیا اور اس نے بہتا ہوا تیل صاف کر دیا۔

"تمہارے سارے کپڑے خراب ہو گئے۔" میں نے کہا۔

"تو کیا ہوا؟ دھو لیں گے۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ' حسینہ۔ تم بہت اچھی ہو۔" میں نے کہا اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ "پہلے بھی کسی کے تیل ملا ہے' تم نے؟"

"ابا جی روز تیل ملوایا کرتے تھے۔ اب ان سسریوں کی شامت آتی ہو گی۔ مار الگ پڑتی ہو گی اور دھندہ بھی کرنا پڑتا ہو گا۔ جب ہم وہاں تھے تو سارا کام ہم کرتے تھے صاب جی! اور وہ مسٹنڈیاں اینڈتی رہتی تھیں۔ اب مزے آتے ہوں گے۔ بابا ہمیشہ دعائیں دیتے ہوئے کہتے تھے کہ خدا تیرا مقدر اچھا کرے۔ آج انھی کی دعائیں تو کام آ رہی ہیں۔" اس نے کہا۔

میں اسے دیکھتا رہا۔ "کیا واقعی اس کا مقدر اچھا ہے؟" میں نے سوچا۔

"تیل رکھ آؤں صاب جی! ابھی آتی ہوں تھوڑی دیر میں۔"

"سنو حسینہ..... چائے بنانی آتی ہے تمہیں؟"

"ہاں صاب جی۔"

"تو میرے لئے عمدہ سی چائے بنا کر لے آؤ۔ میں ذرا نہانے جا رہا ہوں۔" میرا جملہ سن کر وہ خوشی سے اچھلتی ہوئی باہر نکل گئی..... غسل خانے کے آئینے میں' میں نے اپنا جائزہ لیا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ حسینہ نے خوب ہی تیل ڈالا تھا۔ نہانے کے بعد میں نے وہی لباس پہن لیا اور باہر آ گیا۔

حسینہ ابھی تک نہیں آئی تھی لیکن چند ہی ساعت میں کمرے میں طوفان آ گیا۔ حسینہ بڑبڑاتی ہوئی اندر آ رہی تھی۔ "بس بس رہنے دے' کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو' جیسے مجھے کچھ آتا ہی نہیں۔ صاب جی..... صاب جی..." وہ چائے کی پیالی سنبھالے ہوئے اندر گھس آئی۔ پیالی سے چائے چھلک چھلک کر پلیٹ میں جمع ہو گئی تھی۔ حسینہ کے پیچھے پیچھے ایک ملازم اندر داخل ہوا۔ وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"پی کر تو دیکھیں صاب جی۔ تم نے مجھ سے ہی کہا تھا نا' چائے بنانے کے لئے۔

دیکھو' یہ کریمو' پریشان کر رہا ہے مجھے۔"

"میرا قصور نہیں ہے صاب جی! یہ کسی کو کام ہی نہیں کرنے دیتی۔ چائے بنانی آتی نہیں ہے۔ نہ جانے کیا کر کے لائی ہے۔" ملازم نے کہا۔

"ارے واہ..... چائے بنانی نہیں آتی۔ ذرا دیکھو تو صاب جی۔ یہ چائے نہیں تو اور کیا ہے..... تو ہٹ پیچھے۔"

"رہنے دو تم۔ میں دیکھ لوں گا۔" میں نے کہا اور ملازم رک گیا۔ "تم جاؤ۔" میں نے اس سے کہا اور وہ واپس چلا گیا۔

"ذرا پی کر دیکھو صاب جی۔ کیا خرابی ہے' اس چائے میں۔ پتہ نہیں کیا سمجھتا ہے' اپنے آپ کو۔ جیسے میں نے کبھی چائے نہیں بنائی۔" حسینہ بڑبڑانے لگی۔ میں نے چائے کا رنگ دیکھا اور ایک گہری سانس لی۔ دودھ ہی دودھ تھا اور اوپر پتی تیر رہی تھی۔ ایک گھونٹ لے کر دیکھا تو مزا آ گیا۔ نمک اور شکر کی آمیزش نے چائے کو کیا خوب بنا دیا تھا۔ "کیسی ہے؟" حسینہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ ایک گلاس پانی اور لے آؤ۔" میں نے کہا اور حسینہ نے پھر چھلانگ لگا دی۔ میں نے جلدی سے چائے باتھ روم کے بیسن میں انڈیل دی اور جب وہ آئی تو میں نے خالی پیالی ہونٹوں سے لگا لی تھی۔ "بہت عمدہ چائے تھی۔" میں نے پیالی رکھ کر ہونٹ خشک کئے۔

"اور پانی..." حسینہ نے کہا۔

"ارے ہاں لاؤ' پانی بھی دو۔"

"اب نہیں۔ چائے کے بعد پانی نہیں پینا چاہیئے۔ تمہیں تو کچھ معلوم ہی نہیں۔"

"اوہ..... ہاں ٹھیک ہے۔ اب تم آرام کرو حسینہ! مجھے کوئی ضرورت ہو گی تو تمہیں بتا دوں گا۔"

"اور کوئی کام نہیں ہے صاب جی۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"نہیں.... اگر کوئی کام ہوا تو تمہیں آواز دے لوں گا۔"

"مجھے ہی بلانا صاب جی۔ یہاں اور کوئی تمہاری مرضی کے مطابق کام نہیں کر سکے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جان چھڑانے کے لئے کہا اور وہ چلی گئی۔ اس تھوڑی سی تفریح سے موڈ کسی حد تک خوشگوار ہو گیا تھا۔ بہرحال' تھوڑی دیر بعد میں تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ پبلک کال بوتھ کی تلاش میں کافی دور تک جانا پڑا تھا اور پھر ایک جگہ بوتھ نظر آ گیا۔ ایک میڈیکل سٹور کے سامنے تھا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ چند ہی ساعت کے بعد سرخاب کی آواز سنائی دی تھی اور اس آواز میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔

"ہیلو..... کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"سرخاب..... میں منصور ہوں۔"

"اوہ منصور بھیا! آپ ..... آپ کہاں ہیں۔ آپ....." سرخاب کی آواز سسکیوں میں بدل گئی۔

"مجھے یقین ہے سرخاب! تم اس طرح رو کر میرے حوصلے پست نہیں کرو گی۔"

"مگر آپ کہاں ہیں؟"

"ایک محفوظ جگہ پر ہوں۔ میرے لئے فکر مند مت ہونا۔"

"جو کچھ میں نے سنا ہے' کیا وہ ٹھیک ہے؟"

"کیا سنا ہے تم نے؟"

"آپ گرفتار ہو گئے؟"

"ہاں اور رہا بھی ہو گیا۔"

"رہا ہو گئے مگر اب کہاں ہیں؟"

"بہت جلد تمہیں اس بارے میں بتاؤں گا..... پروفیسر کہاں ہیں؟"

"ابھی تک نہیں آئے۔"

"کوئی اطلاع؟"

"کوئی بھی نہیں..... میں بہت پریشان ہوں۔ رات کو ایک خاتون بھی آئی تھی۔"

"رات کو؟ کون تھیں؟"

"آپ کی فرم کی ڈائریکٹر مسز جہانگیر۔ آپ کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ بہت پریشان دکھائی دے رہی تھیں' بے چاری۔ کافی دیر تک بیٹھی آپ کا انتظار کرتی رہیں اور پھر یہ کہہ کر چلی گئیں کہ صبح' آپ کو دفتر نہ آنے دیا جائے۔ آپ کے لئے سخت خطرہ ہے۔ میرے لاکھ پوچھنے پر بھی انہوں نے اس خطرے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور جبھی سے میں پریشان ہوں۔ راشدہ بھی دن میں آئی تھی اور آپ کی گرفتاری کی خبر اسی نے دی۔ وہ آپ کے لئے بہت روئی ہے بھیا لیکن مجھے بتائیں میں کیا کروں؟ ڈیڈی بھی موجود نہیں۔ میں سخت پریشان ہوں۔"

"میں رہا ہو چکا ہوں سرخاب! کیا میرے اوپر ایک احسان کر سکتی ہو؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں' منصور بھیا؟"

"اب میرے لئے پریشان نہ ہو۔ دیکھو سرخاب! تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتیں کہ میں نے پروفیسر سے تعاون کیا ہے۔ میری روح کے زخموں سے بھی تم ناواقف نہیں۔ طارق جیسے لوگ کھلم کھلا اس بات کا اظہار کر رہے تھے کہ وہ میری ماں اور بہن کے مالک ہیں اور اگر میں ان کی غلامی قبول کر لوں تو مجھے جینے کا حق دیا جا سکتا

ہے۔ بہت سی باتیں ہیں سرخاب! جو تفصیل سے تمہیں بتانی ہیں۔ فون پر نہیں بتا سکتا یوں سمجھ لو کہ مجھ پر شرط عاید کی گئی کہ میں ایک شخص کو قتل کر دوں۔ ظاہر ہے سرخاب میں قاتل نہیں بننا چاہتا تھا اس لئے مجھے گرفتار کروایا گیا۔ کیا اب بھی میں صبر کروں؟"

"کس نے گرفتار کرایا ہے بھیا؟"

"میرے دیرینہ دشمنوں نے۔"

"لیکن میں نے سنا ہے بلکہ مجھے راشدہ نے بتایا ہے کہ آپ پر پندرہ ہزار رو... کی چوری کا الزام آپ کی فرم کی مالکہ نے لگایا ہے؟"

"ہاں۔ اس بے بس عورت کو تختہ مشق بنایا گیا ہے ورنہ وہ رات کو تم سے ... کیوں آتی؟"

"پر اب بھیا....."

"مجبوری ہے سرخاب! یقین کرو بالکل مجبور ہوں' طریقہ کار بدلے بغیر کام نہ بنے گا۔ پروفیسر سے معذرت کر لینا' کہنا میں سخت شرمندہ ہوں لیکن اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا اور اب سرخاب!" میری آواز میں غراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ چند لمحے میں کچھ بول سکا۔ سرخاب بھی خاموش رہی تھی۔" اب سرخاب' حالات بدلنے پڑیں گے۔ عملی میں آئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اب میرے لئے میدان عمل میں آنا امر مجبور ہے..... ورنہ میں پروفیسر کے افکار سے انحراف نہ کرتا۔"

جواب میں سرخاب کی سسکیاں گونجتی رہی تھیں۔

"روؤ مت سرخاب! میری بہن' مجھے تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے۔ ... برے راستے پر نہیں جا رہا ہوں بلکہ برائی کے سدباب کے لئے قدم اٹھا رہا ہوں۔ تم ... کرو' سرخاب! فریدہ کا کیا حال ہوا ہو گا۔ میری بوڑھی ماں کے آنسو روتے روتے خشک ہو چکے ہوں گے۔ ان کے لئے۔ میری ہمت بندھاؤ۔ تم میری زندگی میں بہت بڑا مقام رکھتی ہو۔"

"بھیا..... وعدہ کرو کہ اگر زمین تم پر تنگ ہو جائے تو تم اس گھر کو اپنی پناہ بناؤ گے۔"

"ہاں سرخاب! اگر ماں اور بہن کی تلاش میں جان دینا پڑی تو ..... تو سرخاب تمہاری آغوش میں آ کر مروں گا۔ وعدہ..... اب فون بند کر رہا ہوں۔ تم سے رابطہ رکھ گا..... خدا حافظ۔" میں نے اس کی بات سنے بغیر فون بند کر دیا۔ میں اس کی سسکی برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

میں اپنی رہائش گاہ پر واپس آ گیا تھا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے چمن پہنچ گیا۔ ایک عمدہ لباس پہنے ہوئے تھا اور بے حد اسمارٹ نظر آ رہا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا میرے ...

کر بیٹھ گیا۔

"اپنا کاروبار بھی خوب ہے اور ہاں وہ تمہارا بھائی کچھ بیمار ہو گیا ہے۔ دو تین دن ... کام پر نہیں آیا۔ آج اسے پوچھنے بھی گیا تھا۔

"کون' ایاز؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں....."

"اوہ..... کیا بیمار ہے؟"

"یہ تو معلوم نہ ہو سکا۔ میری تجویز ہے کہ اسے بھی اپنے ساتھ یہاں لے آؤ۔ ... دل بھی بہل جائے گا۔ میں اسے منع کر دوں گا کہ وہ دو چار ماہ کام پر نہ آئے۔"

"کیا کیا کرو گے چمن میرے لئے۔ میں تمہارے ان احسانات کا بدلہ کس طرح ... گا؟ کیا اس کے یہاں آنے سے تمہارا نقصان نہیں ہو گا۔"

"آج کے بعد اس قسم کی بات نہ کرنا' منصور! ہاں سمجھ لو' میں بھی سیٹھ جبار کا ... زوال چاہتا ہوں۔ یہ تمہارا ہی نہیں' میرا بھی مشن ہے اور اس کار خیر کے لئے میں اپنی آخری پونجی بھی داؤ پر لگانے کے لئے تیار ہوں۔"

"چمن....." میں حیران رہ گیا۔

"اس سے زیادہ تمہیں اور کچھ نہیں بتا سکوں گا منصور..... مجھے امید ہے کہ تم مجھ سے تعاون کرو گے۔" چمن نے کہا اور اپنی جیب سے ایک پستول اور کارتوسوں کے کچھ بنڈل نکال کر میز پر ڈال دیئے۔ میں اس شخص کو بغور دیکھ رہا تھا۔ چمن میری نگاہوں میں بے حد پراسرار ہو گیا تھا۔

"باہر کار کھڑی ہے۔ اسپورٹس کار ہے۔ بالکل فرسٹ کلاس کنڈیشن میں۔ اگر کبھی اس کی نگاہوں میں آ جائے تو بلا تامل ضائع کر دینا۔ دوسری فراہم کر دی جائے گی۔ یہ اس کی چابی ہے۔"

"شکریہ چمن۔"

"بس اب کھانے کے لئے کہہ دو تاکہ کھانا کھا کر میں جاؤں اور ہاں یہ کچھ رقم بھی رکھ لو۔ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ جب پارٹنر شپ میں کام ٹھہرا تو پھر یہ باتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔"

"میں اب اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ ٹھیک ہے' مجھے اس کی بھی ضرورت ہے۔ میں نے نوٹ لے کر جیب میں رکھ لئے۔ "اور ہاں اگر تم اجازت دو تو میں آج ہی ایاز کو یہاں لے آؤں۔"

"ضرور لے آؤ۔ میری طرف سے پوری اجازت ہے۔" چمن نے جواب دیا۔

میں نے حسینہ کو بلا کر کھانا لگانے کے لئے کہا اور چمن اس کے جانے کے بعد ہنس پڑا۔

"اس نے تمہارے سارے کام کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"مظلوم لڑکی ہے چمن۔ حالات کی ستائی ہوئی۔ کیا تم اس کے بارے میں نہیں جانتے؟"

"کوئی خاص بات ہے کیا۔ بس ایک ملازم اسے یہاں لے آیا تھا۔ ظاہر ہے' مجھے اس کے بارے میں جاننے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔" اور میں نے مختصراً حسینہ کے بارے میں اسے تفصیل بتا دی چمن نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ "یہ دنیا ہی سالی دکھوں کا گھر ہے۔ کوئی دل صاف نہیں ہے۔ ہر چہرہ ایک دکھ چھپائے ہوئے ہے کس کس کو دیکھو گے۔ بعض اوقات تو دل چاہتا ہے منصور کہ اس پوری دنیا کو بدل دیا جائے۔ کوئی سرمایہ دار ہے تو ہمیں اس کی دولت مندی سے کوئی پرخاش نہیں ہے لیکن دولت کے ڈھیر پر بیٹھ کر دوسرے کو حقارت سے دیکھنا اور ان کی زندگی تلخ کر دینا کہاں کا انصاف ہے۔ ان لوگوں کے خلاف تو جہاد کیا جائے۔ بڑا نیک کام ہو گا۔"

"کھانا لگ گیا ہے صاب جی۔" حسینہ نے آکر اطلاع دی اور ہم کھانے کے لئے اٹھ گئے۔

کھانا کھانے کے بعد چمن اٹھ گیا۔

"اچھا بھئی' اب ہمیں اجازت..... اور ہاں میں زیادہ یہاں نہیں آیا کروں گا' البتہ روزانہ ساڑھے نو بجے فون پر ہی بات ضرور ہونی چاہئے تاکہ ایک دوسرے کی خیریت معلوم ہوتی رہے..... اوکے' خدا حافظ۔" چمن چلا گیا۔

میں خاموشی سے اسے جاتے' دیکھتا رہا..... اور پھر میں اس کی گفتگو کے بارے میں سوچنے لگا۔ کاش مجھے ان میں سے ایک بھی انسان اس وقت مل جاتا' جب میں سیٹھ جبار کے چنگل میں نہیں پھنسا تھا۔

"اندر آکر میں نے لباس تبدیل کیا۔ آئینے میں خود کو دیکھا۔ حلیے میں تھوڑی سی تبدیلی ہو جائے تو اچھا ہے۔ کل دن میں اس کے لئے بندوبست کروں گا۔ پستول میں نے احتیاط سے رکھ لیا اور اس کے بعد کار کی چابی لے کر باہر نکل آیا۔ باہر سیاہ رنگ کی اسپورٹس کار کھڑی تھی اور اس کے بارے میں چمن نے کہا تھا کہ اگر کسی کی نگاہوں میں آ جائے تو اسے ضائع کر دیا جائے۔

میں نے کار اسٹارٹ کی اور باہر نکل آیا۔ پونے دس بجے تھے۔ سڑکیں پر رونق تھیں۔ تھوڑی دیر میں ادھر ادھر چکر لگاتا رہا پھر تقریباً ساڑھے دس بجے میں نے مسز جہانگیر کی کوٹھی کا رخ کیا..... مسز جہانگیر کی کوٹھی شہر کے ایک پرسکون علاقے میں تھی۔ پورا علاقہ سنسان پڑا تھا۔ کار میں نے عمارت سے کافی دور روک دی اور پھر اسے لاک کر کے پیدل کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

اس وقت گیٹ سے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میں نے اطمینان سے چار دیواری پھلانگی اور اندر داخل ہو گیا۔ عمارت کے بہت سے حصے روشن تھے۔ چونکہ یہ عمارت میرے لئے اجنبی نہیں تھی اس لئے میں اطمینان سے مسز جہانگیر کی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ عین اسی وقت ایک ملازمہ اندر سے نکلی اور میں پھرتی سے ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ ملازمہ ایک طرف چلی گئی تو میں اندر داخل ہو گیا۔ وہ مسہری پر نیم دراز تھی' ایک خوب صورت ریشمی چادر اس کے بدن پر تھی۔ نزدیک ہی دودھ کا گلاس رکھا ہوا تھا۔ وہ چھت پر نگاہیں جمائے کچھ سوچ رہی تھی۔

میں چند قدم آگے بڑھا اور مسز جہانگیر چونک پڑی۔ اس نے گردن گھمائی اور ایک لمحے کے لئے دہشت زدہ ہو گئی۔ اس کی پھیلی ہوئی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ چند لمحوں بعد وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور اب اس کا چہرہ پرسکون نظر آنے لگا تھا۔

"آؤ منصور..... انتقام لینے آئے ہو گے۔" اس نے کمزور سی آواز میں کہا۔

میں خاموشی سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

"ملازمہ دودھ دے کر جا چکی ہے۔ اس کے ساتھ میں خواب آور گولیاں کھا کر سویا کرتی ہوں۔ اس کے بعد کوئی ملازم ادھر نہیں آتا' جو کچھ کرنا چاہو سکون سے کرو۔ کوئی بھی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"تفصیل بتائیں گی لیڈی صاحبہ!" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"کیسی تفصیل..... جھوٹا الزام تھا۔ بس شیطان نے بہکا دیا تھا۔ ان باتوں میں نے سے کیا فائدہ۔ کس ارادے سے آئے ہو؟"

"کہا نا..... تفصیل معلوم کرنے۔"

"بے کار ہے۔ اپنا کام کرو۔ رحم دلی سے کام لیا تو کل صبح پھر پولیس کو فون کروں گی کہ تم میرے کمرے میں قاتلانہ حملے کی نیت سے آئے تھے۔ تمہاری ضمانت ضبط ہو جائے گی' سمجھے..... اور پھر شاید دوبارہ تمہاری ضمانت نہ ہو سکے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"پروفیسر شیرازی کی کوٹھی پر کیوں گئی تھیں آپ؟"

"ڈراما مکمل کرنے کے لئے..... تاکہ تم میرے اوپر شبہ نہ کر سکو۔ گرفتار تو نہیں ہونا ہی تھا۔" مسز جہانگیر نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا لیکن اس کی آنکھوں کی تلخی اس کے دلی جذبات کی چغلی کھا رہی تھی۔

"بیٹھنے کی اجازت نہیں دیں گی' لیڈی صاحبہ!" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"چور راستوں سے آنے والے کسی بات کی اجازت کے محتاج نہیں ہوتے۔"

"سامنے کا راستہ مخدوش تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو میرے یہاں آنے کی اطلاع ہو۔" میں نے کہا۔

"کیوں....؟"

"آپ تو جانتی ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تب آپ شاید بھول رہی ہیں۔ آپ نے مجھے طارق کے بارے میں بتایا تھا اور لیڈی صاحبہ جس وقت میں گرفتار ہوا تھا۔ میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ آپ کی کر مجبوری نے آپ کو اس اقدام پر مجبور کیا ہے۔ ایک لمحے کے لئے بھی میرے دل میں آ کے لئے کوئی برا خیال نہیں آیا اور بعد کے حالات نے میرے اس خیال کو یقین میں تبد کر دیا۔ ایک مجبور شخص دوسرے کی مجبوری بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے لیڈی صاحبہ! آپ کیوں بھول گئیں۔"

"بعد کے حالات کون سے؟" لیڈی جہانگیر کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔

"آپ نے اس وقت پولیس کو تحریری بیان نہیں دیا تھا۔ کیا صرف اس وجہ سے نہیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے میری ضمانت ہو جائے اور پولیس کے لئے ضمانت گنجائش رہے؟" میں نے سوال کیا۔

لیڈی جہانگیر کے ضبط کا بندھ ٹوٹ گیا۔

وہ سسکیاں لینے لگی۔ "تم اس انداز میں کیوں سوچ رہے ہو۔ کیوں مجھے فرشتہ سمجھ رہے ہو۔ میں نے تم پر پندرہ ہزار روپے کی چوری کا الزام لگایا ہے۔ جھوٹا اور بنیاد الزام' خود کو بچانے کے لئے۔ یہاں ہر شخص یہی کرتا ہے۔ بڑے بڑے دعوے کر ہے۔ لیکن اپنے مفاد کے لئے دوسروں کو ذبح کر دیتا ہے۔ دیکھ لو' میں نے کس آسانی سے تمہیں دنیا کی نگاہوں میں ذلیل کرا دیا۔ نہ خود فرشتہ بنو' نہ دوسروں کو فرشتہ سمجھو۔ مجھ سے انتقام لو منصور! مجھ سے انتقام لو۔ مار ڈالو مجھے.... میری صورت بگاڑ دو۔ جو دل چاہے کرو فرشتہ بن کر تم اس دنیا سے کچھ نہیں حاصل کر سکو گے۔ مجھ سے انتقام لو۔ مجھ سے انتقام لو۔" اس پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور جب وہ خوب روئی تو میں آہستہ آہستہ اس کے قریب ہو گیا۔ "میں انتقام ضرور لوں گا مسز جہانگیر لیکن تم سے نہیں.... تم تو محض آلہ کار ہو۔ مجرم تو کوئی اور ہے۔"

"نہیں مجرم میں ہوں آہ..... مجرم میں ہوں۔"

"خدا کی قسم..... نہ میں اس وقت آپ کو مجرم سمجھا اور نہ اب سمجھتا ہوں۔ م

آپ کے پاس ایک دوسرے مقصد کے تحت آیا ہوں۔ براہ کرم خود کو سنبھالیے۔ میں آپ ل عزت کرتا ہوں۔" میں نے بے اختیار آگے بڑھ کر مسز جہانگیر کا سر اپنے شانے سے لگا یا اور مسز جہانگیر نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر اتنی زور سے مجھے بھینچ لیا کہ جس کی اس ے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

"منصور..... منصور! میں بے گناہ ہوں۔ میں مجبور تھی۔ مجھے مجبور کر دیا گیا تھا۔ ین کرو' انتہائی بے بسی کے عالم میں' میں نے یہ قدم اٹھایا تھا منصور!" وہ میرا شانہ بھگوتی رہی۔

میں اسے تسلیاں دے رہا تھا اور جب اس کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو وہ آہستہ سے علیحدہ ہو گئی۔ مجھے دیکھتی رہی پھر درد بھرے لہجے میں بولی۔ "تم اتنے نیک طینت کیوں ہو منصور! کیوں نہیں اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے۔ تم تو مضبوط ہو' نوجوان ہو۔"

"میری فطرت برائیاں نہیں قبول کرتی لیڈی صاحبہ! آپ یقین کریں۔ زندگی مجھ پر اجیرن کر دی گئی ہے اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں..... کہ میں ان لوگوں کے خلاف میدان عمل میں اتر آؤں اور اس کٹھن راستے میں مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔"

"منصور..... کیا تم اب بھی مجھ پر بھروسہ کرو گے۔" وہ بولی۔

"کیوں نہیں..... ابھی آپ کے اندر کی انسانیت مری نہیں ہے۔"

"میرے پاس کافی دولت' جائداد اور بہت بڑا کاروبار ہے۔ اسے داؤ پر لگا دو۔ سب کچھ لٹا دو مگر ان لوگوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دو۔ خدا کی قسم جو کچھ کہہ رہی ہوں' پورے ہوش و حواس میں ہی کہہ رہی ہوں۔"

"لازماً مجھے مالی امداد کی ضرورت بھی پڑے گی۔ میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ صرف سیٹھ جبار ہی نہیں' اس جیسے دوسرے لوگوں کے خلاف بھی مہم شروع کروں گا۔ میں ایک تحریک شروع کروں گا۔ ایسے لوگوں کے خلاف..... لیکن اب میں ایک ذاتی بات پوچھنا چاہتا ہوں مجھے امید ہے' آپ مجھ سے کچھ چھپائیں گی نہیں۔ طارق کے پاس آپ کی ایسی کون سی کمزوری تھی جس نے آپ کو اس حد تک مجبور کر دیا تھا؟"

"ایک تحریر۔ تصویروں کا ایک پیکٹ اور ایک کیسٹ' جس پر میری آواز ٹیپ کر لی گئی ہے۔"

"آپ کو اس کی رہائش گاہ معلوم ہے؟"

"وہ بے حد چالاک آدمی ہے۔ کسی ایک جگہ نہیں رہتا۔ کئی ٹھکانے ہیں' اس کے۔ میں تمہیں دو پتے دے سکتی ہوں۔"

"میں ایک فون نمبر دہراتا ہوں۔ آپ بتایئے' یہ کہاں کا ہے؟" میں نے کہا اور

وہ فون نمبر دہرا دیا جو مجھے طارق نے بتایا تھا۔

"ہاں... یہ ایک فلیٹ کا نمبر ہے۔ کوئین اسکوائر کا فلیٹ نمبر اٹھارہ۔ اکثر وہ وہاں بھی رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اسٹریٹ پیلس کے علاقے میں بنگلہ نمبر نو بھی اس کی ملکیت میں ہے۔ بس مجھے یہ دو پتے معلوم ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر میں ان دو پتوں پر اسے نہ پا سکا تو پھر میں آپ کو ایک اور تکلیف دوں گا۔"

"تم بلا تکلف ہر بات مجھ سے کہہ سکتے ہو۔ میں دل و جان سے تمہاری مدد کروں گی۔"

"آپ اسے اپنے پاس بلا کر مجھے اطلاع دیں..... بس اتنا سا کام ہے' آپ کے ذمے۔"

"کہاں' تم کہاں ہو گے؟"

"میں غالباً کل تک اپنے ٹھکانے سے مطلع کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔"

"مجھے اجازت دیں۔"

"بیٹھو منصور اگر جلدی نہ ہو تو چائے پی کر جاؤ۔ میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔"

"یقین کریں' بالکل طلب نہیں ہے۔"

"پروفیسر شیرازی سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"صرف شرافت کا رشتہ ہے۔ میں نے انتہائی نامساعد حالات میں ان کے ہاں پناہ لی تھی اور وہ میرے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ بڑی مدد ملی ہے' مجھے اس گھر سے لیکن ان حالات میں' میں نے وہ جگہ بھی چھوڑ دی ہے۔ آپ سرخاب کے پاس گئی تھیں؟"

"ہاں....." مسز جہانگیر نے گردن جھکا لی۔ "طارق نے مجھ سے کہا کہ تمہیں گرفتار کرا دوں۔ میں اس سے تو کچھ نہ کہہ سکی لیکن اس خیال سے گئی تھی کہ تم دوبارہ میرے پاس نہ آؤ اور پولیس کے ہاتھ نہ لگ سکو لیکن تم نہ مل سکے۔"

"طارق سے ایک چوک ہوگئی۔ انسپکٹر کو سیٹھ جبار کا حوالہ نہ مل سکا ورنہ وہ میری ضمانت منظور نہ کرتا۔ بہرحال اب مجھے آپ کے تعاون اور دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ خدا حافظ۔"

میں جس راستے سے گیا تھا اسی راستے سے واپس آ گیا۔ اب میرا دوسرا کام ایاز سے ملاقات تھا۔ ایاز قابل بھروسہ اور جاں نثار نوجوان تھا۔ میں اس سے بھی کام لے سکتا تھا۔ ویسے انسپکٹر کی چالاکی مجھے پسند آئی تھی..... اس نے ایک خطرہ مول لے کر دوسرا بڑا

خطرہ ٹالا تھا اور بلا شبہ چمن سے اپنے تعلقات نبھائے تھے۔

ایاز کے مکان سے تھوڑے فاصلے پر کار روک کر میں اس کے مکان پر پہنچ گیا۔ کافی دیر تک دستک دینے کے بعد ایاز نے دروازہ کھولا... وہ ایک چادر لپیٹے ہوئے تھا اور اس وقت بھی اسے بخار تھا لیکن مجھے پہچان کر کھل اٹھا۔

"ارے منصور بھیا۔ آؤ۔ خیریت..... اس وقت؟"

"چمن نے مجھے بتایا تھا کہ تم بیمار ہو۔"

"ارے ہاں.... سالا ملیریا ہو گیا تھا۔ آؤ اندر آ جاؤ۔" ایاز نے پیچھے ہٹ کر کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔

"اب تم کیسے ہو؟"

"بس بخار ہے اور انسان تنہا ہو تو بیماری شیر ہو جاتی ہے۔ تم کچھ دیر بیٹھو گے تو میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں ایاز۔" میں نے کہا۔

"چلو تیار ہوں۔ کوئی کام ہے؟"

"ہاں' بس اپنے کپڑے وغیرہ جمع کر لو' جو چیزیں لے جانا چاہتے ہو' وہ ساتھ لے لو۔"

"اوہ..... کہیں باہر جانے کا پروگرام ہے۔"

"نہیں..... لیکن تم میری رہائش گاہ پر اب میرے ساتھ ہی رہو گے۔ میں نے سب کچھ شروع کر دیا ہے ایاز! جو تم اور دوسرے بہت سے لوگ چاہتے تھے۔"

"یعنی.....؟"

"اپنے دشمنوں کے خلاف اعلان جنگ اور اب ہم دونوں میں سے ایک کا وجود رہے گا۔ صرف ایک کا۔" میں نے کہا اور ایاز خوشی سے اچھل پڑا۔

"یہ بات ہے تو ایاز بھی تمہارے ساتھ ہی جان دے گا بھیا۔ ایسی تیسی ان باؤں کی..... ایاز کو نہیں جانتے ابھی۔ بس ابھی تیار ہوتا ہوں۔ بس کسی وقت استاد کو بتا دینا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تمہاری بات نہیں ٹالے گا۔" ایاز نے چادر اتار کر پھینک دی اور جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹنے لگا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

ایاز کو لے کر میں تقریباً بارہ بجے اپنی رہائش گاہ پر واپس پہنچا۔ ایاز نے اس وقت کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھا تھا۔ یقیناً اسے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں نے بھی فوری طور پر اسے کچھ بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ چونکہ رات زیادہ ہو چکی تھی اور ایاز بیمار بھی تھا اس لئے پہلے میں نے اس کے آرام کا بندوبست کیا۔ اپنے ہی بیڈروم میں میں نے اس کا بستر بھی لگایا تھا۔ ملازم سو چکے تھے۔ اس لئے اس وقت انہیں تکلیف

دینا مناسب نہیں سمجھا۔ ایاز کو میں نے آرام سے لٹا دیا۔

"کوئی دوا وغیرہ پی تم نے؟"

"استاد چمن نے فقیرو کو بھیجا تھا اور فقیرو مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔ ایک انجکشن تو ڈاکٹر نے ضرور لگایا تھا لیکن منصور بھیا! دوا پینے کی اپنے کو کبھی عادت نہیں رہی اور پھر کچھ دن آرام کرنے کو بھی جی چاہ رہا تھا۔ بس یہ بیماری ہی ایسی دوست ہے جو کچھ روز آرام کرنے کا موقع دے دیتی ہے' ورنہ اپنی ڈیوٹی تو سال کے تین سو پینسٹھ روز کی ہے' کوئی چھٹی نہیں ہوتی۔"

"یوں بھی تو تمہاری چھٹی ہی رہتی ہے' کون سا ہل چلانا پڑتا ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہائے کن خوش نصیبوں کی بات کر رہے ہو بھیا۔ جو دن بھر ہل چلاتے ہیں رات بھر سکون سے سوتے ہیں۔ ان سے زیادہ خوش نصیب انسان تو روئے زمین پر کوئی اور نہیں ہے۔ کتنا سکون ہے۔ ان کی زندگی میں..... اور یہاں دن رات لوگوں کی بددعائیں لیتے ہیں۔ سکون کہاں سے ملے؟ لوگ نہ جانے کتنی محنت سے روپیہ کماتے ہیں۔ نجانے ان کی کون کون سی ضرورتیں ہوتی ہیں' جنہیں ہم پامال کر دیتے ہیں۔ یقین کرو بھیا' رات کو ضمیر کی چبھنیں برداشت سے باہر ہو جاتی ہیں۔ اکثر ساری رات جاگتے گزر جاتی ہے۔ بس یہی بیماری کے چند روز ہوتے ہیں جو سکون سے گزر جاتے ہیں۔ انہیں بھی دوا پی کر غارت کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟"

"جیب تراشی کیوں کرتے ہو ایاز؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"میں خود نہیں بتا سکتا بھیا کہ میں جیب تراشی کیوں کرتا ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا اور اگر کرنا بھی چاہوں تو..... شاید نہ کر سکوں۔ استاد چمن کہاں چھوڑے گا۔ اس کے بعد ساری زندگی جیل ہی میں گزرے گی۔" ایاز نے جواب دیا۔

"تم نے کبھی چمن سے اس کا تذکرہ نہیں کیا؟"

"اب زندگی اتنی بری بھی نہیں لگتی مجھے۔" ایاز نے مسکراتے ہوئے کہا اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بہرحال' ایاز..... میں چاہتا ہوں کہ اب تم یہاں کچھ روز میرے ساتھ گزارو۔ میں اپنی مہم کا آغاز کر چکا ہوں اور اس وقت تم تنہا راز دار ہو۔ جس سے میں دل کی ہر بات کر سکتا ہوں لیکن کیا تم دل سے میرے لئے کام کرنا پسند کرو گے ایاز؟"

"یہ بھی پوچھنے کی بات ہے بھیا۔ کیا تمہاری نظر میں ایاز قابل اعتبار نہیں ہے۔؟"

"بات اعتبار کی نہیں۔ اگر اعتبار نہ ہوتا تو میں تمہیں اپنے پہلے ساتھی کی حیثیت سے کیوں منتخب کرتا لیکن تمہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ میں جو کھیل شروع کر رہا ہوں۔ اس میں ہر قدم موت کی جانب ہو گا۔ تمہارے ہاتھوں کوئی قتل بھی ہو سکتا ہے۔ میں یہ ساری باتیں تمہیں اس لئے پہلے سے بتا رہا ہوں کہ تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کر سکو۔ اگر تم انکار کر دو گے تو مجھے کوئی صدمہ نہ ہو گا۔ یہ سب کچھ مجھے بھی پسند نہیں ہے' ایاز! لیکن دل کی آگ بجھائے نہیں بجھتی۔ میں اپنی ماں اور بہن کو نہیں بھول سکتا۔ بولو ایاز! خدا کو گواہ کر کے مجھے سچی بات بتاؤ۔"

"اگر تم سچی بات ہی سننا چاہتے ہو تو سنو کہ تمہاری بہن میری بہن ہے۔ تمہاری ماں میری امی ہیں۔ میں تمہارے مشن میں برابر کا شریک ہوں۔ میں بھی ان لوگوں سے انتقام لینا چاہتا ہوں' جنہوں نے منصور اور ایاز کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے بھیا کہ میں نے دنیا میں ماں اور بہن نہیں دیکھیں۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ نجانے کیوں زندگی گزارتا ہوں۔ نجانے کس کے لئے زندہ ہوں۔ اب میرے سامنے زندگی کا کوئی مقصد تو ہو گا۔ اگر انسان کی زندگی میں کوئی مقصد ہو تو خود اس کی اپنی نگاہوں میں اس کی وقعت بڑھ جاتی ہے۔ یہ احساس مجھے آج ہوا ہے۔ میں اب استاد چمن سے بھی لڑ جاؤں گا۔ کسی کی نہیں مانوں گا۔" ایاز کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

میں اس کے جذبات سے خود بھی متاثر ہوا تھا۔ "تقدیر کی بات ہے' ایاز۔ ایک وقت ایسا تھا' جب میری پھٹی ہوئی آنکھیں' سہما ہوا دل چاروں طرف کسی ہمدرد' کسی سہارا دینے والے کی تلاش میں تھا اور ایک بھی انسان نہیں مل سکا تھا۔ اس زمین پر۔ ہر شخص اجنبی تھا۔ اگر اس وقت مجھے ایک شیرازی' ایک ایاز' ایک چمن یا ایک لیڈی جہانگیر مل جاتی تو..... تو میں اس زمین پر سر اٹھا کر چلنے والوں میں سے ایک ہوتا۔ میں اپنے وطن کی زمین کے سینے پر گناہ کا بوجھ نہ ہوتا۔ لیکن تقدیر یاور نہ تھی' کوئی نہیں ملا اور جو ملا اس نے شرافت ہی چھین لی۔ وہ ارادے چھین لئے جو سینے میں مچل رہے تھے۔ ماں اور بہن چھین لیں۔ داغ ہی داغ بھر دیئے پورے وجود میں..... اور اب ہر داغ سلگ رہا ہے۔ ہر زخم لہو دے رہا ہے۔ اگر آج بھی میری ماں اور بہن مجھے واپس کر دی جائیں تو میں اپنے ماضی کی طرف لوٹ جاؤں گا۔ مجھے برا آدمی بننے کا شوق نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں' لوگ مجھے ایک اچھے انسان کی حیثیت سے جانیں لیکن اب یہ سوچ صرف ہونٹوں پر ایک کرب ناک ہنسی بن جاتی ہے۔ میں اور مجھ سے متعلق ہر شخص مایوس ہو چکا ہے۔ کوئی دعوے سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھے میری کھوئی ہوئی جنت لوٹا دے گا۔ تقدیر مجھے برا دیکھنا چاہتی ہے ایاز تو میں کیا کروں۔ میں ان دونوں کے بغیر قبر میں بھی نہیں جا سکتا۔ شاید میں قبر میں بھی سکون نہ پا سکوں گا۔ ایک بار پھر سوچ لو ایاز! میں تمہاری زندگی میں....."

"منصور بھیا! جو کچھ میں نے کہا' کیا تمہیں اس میں خلوص اور ارادے کی پختگی نظر نہیں آئی۔ یہ فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے اور جب تک رگوں میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے...... میں انشاء اللہ ثابت قدم رہوں گا۔"

"تو عظیم ہے ایاز! میرا قابل اعتماد دوست۔ میرا دست راست۔" میں نے ایاز کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی آنکھیں پونچھ دیں۔ ایاز مسکرانے لگا تھا۔ "میں نے چمن سے بھی تیرے لئے بات کر لی ہے۔ اس نے خوشی سے تجھے میرے ساتھ کام کرنے کی اجازت دے دی ہے۔" میں نے اسے بتایا۔

"اوہ...... یہ تو اور بھی اچھا ہوا۔ اس سے بگاڑنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔"

"بگاڑنے کی بات کر رہے ہو ایاز! چمن نے میری بہت مدد کی ہے۔ یہ عمارت بھی اسی نے دی ہے' مجھے۔"

ایاز کے چہرے پر حیرت کے نقوش نظر آنے لگے پھر اس نے کہا۔ "کچھ بھی کہو منصور بھیا۔ تمہاری شخصیت میں ایک انوکھی کشش ہے۔ میں خود بھی اس کشش کا شکار ہوا ہوں۔ اور نہ جانے کتنے اور ہوں گے۔"

ایاز سے کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی پھر میں نے اسے سونے کی ہدایت کی اور اس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ میں البتہ دیر تک جاگتا رہا تھا۔ صبح کو ہم دونوں بہت دیر سے اٹھے۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اتفاق سے میری نگاہ اس طرف اٹھ گئی۔ میں نے حسینہ کا چہرہ دیکھا...... مجھے جاگتا دیکھ کر وہ اندر آ گئی۔ وہ بے اختیار ہنس رہی تھی' منہ میں کپڑا ٹھونس رہی تھی لیکن ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"کیا ہو گیا تجھے؟" میں نے پوچھا اور حسینہ ہنس ہنس کر دہری ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ "ضرور تو پاگل ہو گئی ہے' حسینہ....."

"جو دیکھے گا' پاگل ہو جائے گا۔" حسینہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "رات کو تم اکیلے سوئے تھے۔"

"تو پھر؟"

"رمضو کی بیوی کے ہاں لڑکا ہوا تھا مگر وہ اتنا سا تھا۔ بالکل اتنا سا...... اور تمہارا لڑکا راتوں رات جوان ہو گیا۔" وہ پھر ہنس پڑی۔ لیکن میں نے اس ہنسی میں اس کا ساتھ نہیں دیا۔

"بری بات ہے حسینہ! تم لڑکی ہو۔ ایسی بے ہودہ باتیں تمہیں نہیں کرنی چاہئیں۔ لوگ تمہیں اچھی لڑکی نہیں سمجھیں گے' جب کہ تم اچھی لڑکی ہو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

حسینہ کی ہنسی رک گئی۔ اس نے جھینپی جھینپی نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھا اور لی۔ "کیا بہت بری بات کہی ہے میں نے؟"

"ہاں......"

"ٹھیک ہے' اب ایسی بات نہیں کروں گی۔ اگر میرے منہ سے کوئی بری بات ل جائے تو مجھے ٹوک دیا کرو۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ یہ میرا دوست ایاز ہے' اب ہمارے ساتھ ہی رہا کرے گا...... ر ایاز! یہ حسینہ ہے۔ بہت ہی اچھی لڑکی ہے' بس ذرا ہنسوڑ ہے..... ہاں حسینہ! ناشتے کا کیا ا؟"

"تیار ہے۔ میں کئی بار آ چکی ہوں۔ لگواؤں؟"

"ہاں بھئی...... بڑی بھوک لگی ہے۔ جلدی کرو۔" میں نے کہا۔

"تم دونوں جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر پہنچو۔ ناشتہ تیار ملے گا۔" حسینہ نے کہا ر جلدی سے باہر چلی گئی۔ میں نے ایاز کو مختصراً اس کے بارے میں بتایا اور پھر ہم ناشتے میز پر پہنچ گئے۔

ہم دونوں ناشتہ کرنے لگے۔ ایاز کچھ سوچنے لگا تھا پھر وہ بولا۔ "اب کیا پروگرام ہے' منصور بھیا!"

"طارق...... میرا سب سے پہلا شکار وہی ہو گا۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے اسے میری ماں اور بہن کے بارے میں ضرور معلوم ہے۔ میں آج اسے مجبور کروں گا وہ ان کے بارے میں بتائے۔"

"کیا تم اسے آسانی سے تلاش کر سکتے ہو؟"

"ہاں' مجھے اس کے دو ٹھکانے معلوم ہیں۔"

"مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"بس میرے معاون رہو گے لیکن میرا خیال ہے' مجھ سے کچھ فاصلے پر رہو تو بہتر ۔ تمہیں کسی کی نگاہ میں نہیں آنا چاہئے۔ دور رہ کر تم ان لوگوں کی نگرانی کرو' جو میری میں ہوں ان کے سامنے آئے بغیر میرے لئے کام کرو۔"

"ویری گڈ...... میں تیار ہوں۔ تم دیکھنا' کیا ہنر دکھاتا ہوں......" ایاز نے ل ہو کر کہا۔

شام کو تقریباً سات بجے ہم دونوں اس عمارت سے نکل آئے۔ چمن نے میرے لئے جو سہولتیں فراہم کی تھیں' ان کے لئے میں تہ دل سے اس کا شکر گزار تھا۔ جو لباس میں نے پہن رکھا تھا اور جس طرح کی کار میں سواری کر رہا تھا' اس کی وجہ سے کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا کہ میں وہی معمولی سا انسان ہوں جو چند روز قبل ایک فرم میں ڈرائیوری کرتا تھا۔ چمن نے میرا حلیہ ہی بدل دیا تھا۔

سڑکیں روشن ہو گئی تھیں' دکانیں جگمگا رہی تھیں۔ چاروں طرف زندگی رواں دواں تھی۔ موٹریں' بسیں' ٹانگے اور رکشے ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ ان سڑکوں پر کسی بھی طور چلتے ہوئے میری آنکھوں کی پیاس بڑھنے لگتی تھی۔ یہ منتظر آنکھیں کسی معجزے کی طالب تھیں۔ کاش کسی رکشے میں یا بس کی کسی کھڑکی میں مجھے میری ماں کی صورت نظر آ جائے۔ میں اس کا تعاقب کروں اور پھر ماں کو پا لوں۔ وہ مجھے بتائے کہ فریدہ مجھ سے ملنے کے لئے بے چین ہے۔ وہ دن رات دعائیں کرتی ہے کہ اس کا بھائی اسے مل جائے اور آج..... آج خدا نے اس کی دعا پوری کر دی ہے۔

..... لیکن پھر وہ نقوش مٹ جاتے۔ رکشے میں کوئی اور ہی صورت نظر آتی۔ بس میں کوئی نہ ہوتا اور میرے وجود میں تھکن اتر آتی۔ اک شدید تھکن..... آج بھی یہی کیفیت تھی۔ سڑکیں طے ہو رہی تھیں۔ ذہن خیالات میں الجھا ہوا تھا اور آنکھیں ہر گزرتی ہوئی صورت کو تک رہی تھیں۔ کار گویا خود چل رہی تھی۔ موڑ کاٹتے وقت بریک لگاتے ہوئے صرف اعضا کی مستعدی کار فرما تھی' دیر تک میرا ذہن غیر حاضر رہا..... پھر ایاز کی آواز نے طلسم توڑا۔

"بہت خاموش ہو۔ منصور بھیا!"

"ہاں ایاز..... وقت گزاری کر رہا ہوں۔ ذرا رات ہو جانے دو۔ کیا خیال ہے' کسی ہوٹل میں بیٹھا جائے؟"

"اپنے اور میرے تعلق کو دنیا کی نگاہوں سے چھپانا چاہتے ہو تو ایسی جگہوں میرے ساتھ زیادہ نظر نہ آؤ' جہاں عام لوگ ہمیں دیکھ سکتے ہیں۔" ایاز نے کہا اور میں ہونٹ بھینچ کر گردن ہلا دی۔

"یہ درست ہے ایاز۔"

"ایک اور بات بھی ہے بھیا۔ ہم دونوں جب بھی باہر نکلیں کیوں نہ اپنا حلیہ تھوڑا سا بدل لیا کریں۔"

"میک اپ؟" میں نے پوچھا۔

"خیر باقاعدہ میک اپ تو نہ مجھے آتا ہے اور نہ ہی تمہیں آتا ہو گا لیکن چند ایسی موٹی موٹی چیزیں جو آسانی سے حلیے میں تھوڑی سی تبدیلی کر دیں۔ جیسے عینک اور مونچھیں وغیرہ..... آج کل تو یہ سامان عام مل جاتا ہے۔ جب اس لائن میں نکل آئے ہیں تو یہ بہروپیا پن بھی کرنا ہی پڑے گا۔"

"آؤ..... یہ سامان خریدیں۔" میں نے کہا اور کار ایک بازار کی طرف موڑ دی۔ بے شمار دکانوں پر گھوم پھر کر ہم نے بہت سی چیزیں خریدیں۔ تھوڑی سی رقم میں نے ایاز کی جیب میں بھی ڈال دی۔ تاکہ وہ بھی اپنی پسند کی کوئی چیز خریدنا چاہے تو خرید لے۔"

ایاز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ سارے بازار اپنے بینک ہیں منصور بھیا۔ ایسے بینک' جن کے لئے چیک کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔"

"ہیں نہیں' تھے کہو ایاز! اب تم ان بینکوں سے رقم نہیں وصول کرو گے۔"

"بالکل نہیں کروں گا۔ میں تو صرف بات کر رہا تھا۔" ایاز نے کان پکڑتے ہوئے کہا اور پھر ہم دونوں واپس چل پڑے۔ وقت اب بھی زیادہ نہیں ہوا تھا۔ دیر تک ہم سڑکوں پر بلا مقصد گھومتے رہے۔ ایاز بہت خوش تھا اور پھر رات کو تقریباً دس بجے میں نے ایاز سے کہا کہ اب کام کرنے کا وقت ہو گیا ہے۔ چنانچہ پہلے میں کوئین اسکوائر کا رخ کروں گا۔

کوئین اسکوائر فلیٹوں کی بستی میں تھا۔ سڑک کے دونوں سمت مختلف کمپنیوں کے فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ انہی میں سے ایک کوئین اسکوائر بھی تھا۔ ایک دوسرے پروجیکٹ کے پاس کار کھڑی کر کے ہم دونوں نیچے اتر گئے۔ دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ یہاں کئی اسنیک بار تھے اور اچھی خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ ہم ٹہلتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ کوئین اسکوائر ہمارے سامنے تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم اس کے عقب میں تھے۔

"احاطے کی دیوار کے پاس چوکیدار ضرور ہو گا۔ میں اندر چلتا ہوں۔ میرے چند منٹ کے بعد تم فلیٹ نمبر اٹھارہ میں آؤ گے۔"

میں اندر کی طرف چل پڑا اور سیڑھیاں طے کرتا ہوا اوپری منزل پر پہنچ گیا۔ فلیٹ نمبر اٹھارہ پہلی منزل پر ہی تھا۔ اٹھارہ نمبر کے سامنے رک کر میں نے بیل بجائی اور اندر آواز گونجنے لگی لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ کئی بار گھنٹی بجائی لیکن کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ گیلری کے دوسرے سرے پر ایاز نظر آ رہا تھا۔ اسی وقت فلیٹ کے سامنے والے دروازے

سے ایک درمیانی عمر کی عورت باہر آئی اور مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"یہ فلیٹ تو کئی دن سے بند ہے۔ یہاں جو صاحب رہتے تھے' اپنا سامان لے کر چلے گئے ہیں۔" عورت نے کہا۔

"اچھا....." میں نے مایوسی سے گردن ہلائی اور واپس چل دیا۔ سیڑھیوں پر ایاز مل گیا تھا۔ نیچے اترتے ہوئے اس نے صورت حال پوچھی اور میں نے بڑھیا کی اطلاع دہرا دی۔ ایاز خاموشی سے سیڑھیاں طے کرتا رہا۔

"پھر اب؟"

"ایک جگہ اور ہے ایاز! اگر وہ وہاں بھی نہ ملا تو..... تو پھر ہمیں مزید انتظار کرنا پڑے گا۔ ویسے اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو طارق نے یہ فلیٹ میری وجہ سے چھوڑا ہے۔"

"لیکن کیوں؟"

"اس نے مجھے اپنا فون نمبر بتایا تھا اور یہ فون اسی فلیٹ میں ہے۔ فون سے کسی جگہ کا پتہ باآسانی چلایا جا سکتا ہے۔ اسے خیال ہو گا کہ میں کہیں یہاں نہ پہنچ جاؤں۔ اب غالباً وہ اسٹریٹ پیلس میں ہو گا۔"

تھوڑی دیر بعد کار اسٹریٹ پیلس میں داخل ہو گئی۔ بنگلہ نمبر نو نظر آ گیا تھا اور اسے دیکھ کر ایاز نے گہری سانس لی تھی۔

"شہنشاہوں کی سی زندگی گزار رہا ہے۔ کیا خوب صورت عمارت ہے۔" میں نے ایک جگہ کار روک دی۔ "تمہیں ڈرائیونگ آتی ہے ایاز؟"

"نہیں....."

"سکھا دوں گا۔ ضروری ہے۔"

"ذرا سی دیر میں سیکھ جاؤں گا۔ اسکوٹر تو چلا لیتا ہوں۔"

"بس ٹھیک ہے۔ تم یہیں رکو۔ میں اندر جاتا ہوں۔"

"اکیلے.....؟"

"ہاں اکیلا..... ویسے اگر تم چاہو تو کار یہاں چھوڑ کر اس بنگلے کی عقبی چار دیواری سے اندر آ جاؤ۔ کوئی گڑ بڑ ہو تو سنبھال لینا..... ویسے اس کا امکان نہیں ہے۔" میں نے کہا اور ایاز نے گردن ہلا دی۔

میں بنگلے کی طرف چل پڑا۔ اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے دروازے پر دیکھا۔ چوکیدار موجود نہیں تھا۔ ایک لمحے تک میں سوچتا رہا اور اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ کیوں نہ اس وقت حکمت عملی سے کام لیا جائے یعنی میں باقاعدہ طارق سے ملاقات کروں اور اپنی بے بسی کا رونا روتے ہوئے اس سے کہوں کہ

میں سیٹھ جبار کے لئے کام کرنے پر رضا مند ہوں اور اس کے بعد حالات کا جائزہ لے کر کام کروں۔ اس طرح خطرات کم ہو جائیں گے۔ اندر ممکن ہے' زیادہ افراد ہوں اور اگر ایسا ہوا تو عقلمندی سے کام لے کر باہر آیا جا سکتا ہے۔ صرف اتنی سی بات رہ جاتی تھی کہ طارق مجھ سے سوال کرے گا' اس بنگلے کے پتے کے بارے میں' تو کوئی بھی نام لے دوں گا' کہہ دوں گا۔ میں نے سیٹھ جبار کے ہاں فون کر کے معلوم کیا تھا۔

اس پروگرام سے مطمئن ہو کر میں نے کال بیل کا بٹن تلاش کیا اور اس پر انگلی رکھ دی۔ دو تین بار بیل بجانے کے بعد مجھے برآمدے میں ایک دروازہ کھلتا نظر آیا۔ ایک لڑکی سیاہ رنگ کی میکسی پہنے ہوئے باہر نکلی۔ خاصی دل کش لڑکی تھی۔ وہ اچک اچک کر پھاٹک کے دوسری سمت جھانکنے لگی اور میں ذیلی کھڑکی کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ لڑکی رک گئی تھی۔ میں ٹھٹکا تو اس نے مجھے نزدیک آنے کا اشارہ کیا۔ اس کی آنکھیں بے حد خوب صورت اور ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

"جی..... فرمایئے۔" اس نے پوچھا اور مجھے وہ آواز یاد آ گئی جو میں نے طارق کے فلیٹ میں فون پر سنی تھی۔

"طارق صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس وقت تو آپ صرف مجھ سے مل سکتے ہیں کیوں کہ طارق صاحب گھر میں موجود نہیں ہیں۔" لڑکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"جلدی آنے کا امکان ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھ سے ملنا پسند نہیں کریں گے۔ میں آپ کو بہت عمدہ چائے پلوا سکتی ہوں۔" وہ شرارت سے بولی۔

"آپ اجنبیوں کو اتنی آسانی سے چائے کی دعوت دے دیتی ہیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ مجھے فون پر اس کی گفتگو یاد آ گئی تھی۔ خاصی بے تکلف لڑکی معلوم ہوتی تھی۔

"چائے پینے کے بعد وہ اجنبی نہیں رہتے اور مجھے دوست بنانے کی عادت ہے۔ ویسے طارق صاحب آنے والے ہی ہوں گے۔ آیئے....." اس نے کہا اور واپسی کے لئے پلٹ گئی۔ میں ایک گہری سانس لے کر اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔ لڑکی نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا اور روشنی کر کے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ "تشریف رکھیے۔ ابھی چند منٹوں میں چائے بنا کر لاتی ہوں' آپ کے لئے۔"

"آپ خود؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں..... یہاں صرف میں ہوں اور طارق صاحب۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ملازموں کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ گھر کے سارے کام میں خود کرتی ہوں۔"

"آپ طارق صاحب کی.....؟"

"کوئی نہیں ہوں۔ سوائے سیکرٹری کے' ویسے یہاں سارے عہدے میرے پا ہیں۔ سویپر' فراش اور باورچی..... صرف یہ پھلواری وغیرہ درست کرنے کے لئے مالی آ ہے اور پھر ہم مستقلاً" اس جگہ رہتے بھی نہیں ہیں۔"

"خوب....."

"لیکن آپ کون ہیں۔ آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا؟"

"میرا نام منصور ہے۔" میں نے جواب دیا اور لڑکی ایک لمحے کے لئے چو پڑی۔

"جانتی ہوں' آپ کو۔ گو دیکھا پہلی بار ہے لیکن آپ کے تو شاید طارق صاد سے خوشگوار تعلقات نہیں ہیں۔"

"پہلے نہیں تھے۔ اب ہیں..... اور جو کمی رہ گئی تھی' وہ آج پوری کرنے ہوں۔ میں ان سے سارے اختلافات ختم کرنے کا خواہش مند ہوں۔"

"ان کی سیکرٹری ہونے کی حیثیت سے میں بھی حالات سے واقف ہوں۔ آ چند روز قبل گرفتار ہو گئے تھے نا؟"

"ہاں..... طارق صاحب مجھے بھٹی میں تپا کر کندن بنانے پر تلے ہوئے تھے ا میں کندن بن گیا ہوں۔"

"چمک تو نہیں رہے ہو۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"چمکوں گا..... ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ ویسے آپ کا نام؟" میں نے پوچھا۔

"طارق صاحب سے پوچھ لیں۔ ویسے میں ذاتی طور پر آپ کو یہی مشورہ دوں کہ ان سے اختلافات ختم کر لیں۔"

"میں نے کہا نا' اسی مقصد کے تحت آیا ہوں۔ آپ بھی ان سے میری سفارش دیں۔ ویسے میں مشورے کی وجہ جان سکتا ہوں؟" میں نے کہا۔

"انسانی ہمدردی سمجھ لیں۔ میں نہیں چاہتی کہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں بس اس سے زیادہ اور کوئی مقصد نہیں ہے۔" اس نے کسی قدر بے پرواہی سے کہا اور اٹھتی ہوئی بولی۔" میں چائے لاتی ہوں' آپ اکیلے میں بور تو نہیں ہوں گے۔"

"ابھی نہیں خاتون ! یقین کریں' اس کی ضرورت نہیں محسوس کر رہا۔ طارق صاحب آ جائیں' اس کے بعد ٹھیک رہے گی۔ اس وقت تک آپ مجھ سے گفتگو کریں۔"

"اوہ..... کیا گفتگو کی جائے' آپ سے؟ اچھا یہ بتائیں' طارق صاحب سے آپ گفتگو کریں گے۔ ویسے سارے حالات..... اوہ چلیے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ طارق صاحب بھی آ گئے ہیں۔"

میں نے بھی کسی کار کی آواز سن لی تھی۔ لڑکی اٹھی تو میں بھی اس کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔

طارق برآمدے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر بری طرح چونک پڑا لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ "اوہ..... منصور !"

"ہاں طارق صاحب ! آپ مجھے دیکھ کر حیران تو ہوئے ہوں گے' لیکن اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔"

"خوب۔ آؤ..... پینی ! انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ میں لباس تبدیل کر کے آتا ہوں۔" طارق نے خود کو نڈر اور بے پرواہ ثابت کرنے کے لئے کہا اور تیزی سے اندر چلا گیا۔ لڑکی جس کا نام اب مجھے معلوم ہو گیا تھا' مجھے دوبارہ ڈرائنگ روم میں لے آئی اور بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"بیٹھو..... میں طارق صاحب کو صورت حال پہلے سے ہی بتائے دیتی ہوں تاکہ اگر ان کے ذہن میں کوئی غلط فہمی ہو تو وہ تم سے ملاقات سے قبل ہی دور ہو جائے اور تم دونوں کی گفتگو خوشگوار ماحول میں ہو۔"

"بہتر ہے۔" میں نے سعادت مندی سے کہا اور پینی باہر چلی گئی۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہاں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ مجھے یقین تھا کہ ایاز بھی عمارت کے اندر ہو گا۔ بہرحال' صورت حال قابو میں تھی اور ایاز کی ضرورت پڑنے کی امید نہیں تھی۔

تقریباً پانچ منٹ کے بعد طارق' شب خوابی کے لباس میں اندر داخل ہوا۔ پینی بھی اس کے ساتھ تھی۔ طارق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ "تو تم لوگ خاصی گفتگو کر چکے ہو۔ ویسے منصور ! پینی میری سیکرٹری بھی ہے اور محبوبہ بھی..... انتہائی زیرک اور ہوشیار لڑکی۔" وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کے باریک گاؤن پر تنقیدی نظر ڈالی۔ اس میں مجھے پستول جیسی کوئی وزنی چیز محسوس نہیں ہوئی۔ ایک ہاتھ میں وہ پائپ اور تمباکو کا پاؤچ لئے ہوئے تھا۔ لائیٹر بھی ساتھ ہی تھا اور یہ تینوں چیزیں اس نے اپنے سامنے میز پر رکھ دیں اور بولا۔ "کیا پیو گے؟"

"میں نے محترمہ سے بھی یہی عرض کیا تھا کہ کسی شے کی خواہش نہیں ہے۔ براہ کرم تکلیف نہ کریں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔ یہاں کا پتہ کس طرح معلوم ہوا؟"

"سیٹھ صاحب کی کوٹھی فون کیا تھا۔ مس انجل تھیں یا کوئی اور خاتون۔ انہوں نے دو پتے بتائے کہ آپ ان دونوں میں سے کسی ایک پتے پر مل سکتے ہیں۔ ایک کوئین اسکوائر کے فلیٹ نمبر اٹھارہ کا پتہ اور دوسرا یہ۔"

"اوہ..... کون تھا وہ۔ میرا خیال ہے' اینجل کو یہ پتہ معلوم نہیں ہے شاید فو
ہو گی۔ وہ جانتی ہے۔ بہرحال' میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"کیا یہ گفتگو مس پینی کے سامنے ہو گی؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی حرج نہیں ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ میری سب کچھ ہے۔" طا
نے مسکرا کر پینی کو دیکھا۔ اس کے خمیدہ ہونٹوں پر حسین مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں جاننا چاہتا ہوں طارق صاحب کہ جہانگیر لیڈ میں میرے اوپر چوری کا الز
کیوں لگایا گیا تھا؟"

"وہ رقم تم نے نہیں لی تھی؟" طارق نے پوچھا۔

"نہیں....."

"تب پھر ایک بات ہو سکتی ہے۔ سیٹھ جبار نے لیڈی جہانگیر کو اس سلسلے
کوئی ہدایت کی ہو گی۔ یوں بھی ان کا خیال ہے کہ ابھی تمہاری تربیت مکمل نہیں ہوئی ا
پھر ضد تم خود کر رہے ہو منصور! سیٹھ صاحب کو کسی ایک آدمی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے'
خود سوچو۔ ہزاروں آدمی ان کے لئے کام کر رہے ہیں۔ بس یہ ان کی فطرت سمجھو کہ
ہر سرکش انسان کو جھکتے دیکھنا چاہتے ہیں' اسی لئے وہ تم میں اتنی دل چسپی بھی لے ر
ہیں' ورنہ تم کیا' تمہاری حیثیت کیا؟"

"میں ان سے مکمل تعاون کرنا چاہتا ہوں اور اب کوئی اختلاف نہیں ر
چاہتا۔"

"ہاں' ابھی پینی نے مجھے تمہاری اس خواہش سے آگاہ کیا ہے.... ٹھیک ہے' م
سیٹھ صاحب تک تمہاری یہ درخواست پہنچا دوں گا۔ لیکن پھر وہ ویسی ہی کوئی شرط رکھ د
گے ممکن ہے پھر تمہیں کسی کو قتل کرنے کے لئے کہا جائے۔"

"پارک کا پتہ دو' مجھے۔" میں نے کہا اور طارق ہنس پڑا۔

"تمہارا خیال ہے' وہ معاملہ اب تک یونہی پڑا ہو گیا' پارک کی لاش سمندر
مچھلیاں اب تک چٹ بھی کر چکی ہوں گی۔ اب تو کوئی دوسری ہی بات ہو سکتی ہے لیکن
تم کسی کو قتل کر سکو گے منصور؟"

"ہاں' طارق! میں نے آخری حد تک شرافت کے راستے اپنانے کی کوشش
تھی' لیکن اب سارا ماحول ہی مجھ سے باغی ہو گیا ہے تو میں کیا کروں۔ دنیا مجھے جن راستو
پر لانا چاہ رہی تھی۔ طارق اب میں ان راستوں پر آ گیا ہوں اور ابتدا میں یہاں سے کر
ہوں' طارق! مجھے بتاؤ۔ میری ماں اور بہن کہاں ہیں؟" طارق نے میرے بدلے ہوئے
کو محسوس کیا اور چونک پڑا۔ وہ مجھے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"پھر وہی فضول بات۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے فوراً ان کے بارے میں بتا دو طارق۔ ورنہ آج جیسی رات اس سے قبل
تمہاری زندگی میں کبھی نہیں آئی ہو گی۔ یقین کرو' طارق! آج میں نے خود پر سے بے بسی
کا لبادہ اتار دیا ہے۔ آج سے میں بے بس نہیں ہوں۔" میں کھڑا ہو گیا۔ پستول میری جیب
سے باہر نکل آیا تھا اور پستول دیکھ کر طارق اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"خوب..... تو تم تیار ہو کر آئے تھے منصور! لیکن تمہارا کیا خیال ہے' میں بے
وقوف ہوں۔ تمہارے عقب میں میرے آدمی موجود ہیں۔" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا
لیکن میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ میں اس کی چال سمجھ گیا تھا۔

"تم غلط سوچ رہے ہو' طارق۔ بالکل غلط سوچ رہے ہو۔ جیل میں' میں نے
بہت کچھ سیکھا تھا لیکن اس پر عمل کرنے کے لئے آخری وقت تک میرا دل نہیں چاہتا تھا۔
میں اپنی وہ معصومیت قائم رکھنا چاہتا تھا جو میری ماں اور بہن کا عطیہ تھی لیکن اب میں کیا
کروں..... تمہیں جواب دینا ہو گا طارق! ورنہ....." میں نے پستول سیدھا کر لیا اور طارق
پہلی بار کچھ پریشان نظر آنے لگا۔

"میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں منصور! مجھے ان کے بارے میں معلوم نہیں'
ممکن ہے سیٹھ جبار....."

"تم اس کے مہرے ہو' طارق۔ تم اس کے خاص کارکن ہو۔ آج تک میرے
خلاف جو کچھ ہوا۔ اس کے روح رواں تم ہی رہے ہو طارق۔ وقت مت ضائع کرو۔ بتاؤ وہ
دونوں کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟"

"میں نے تم سے کہہ دیا نا۔ میں نہیں جانتا۔" طارق نے کہا اور میں نے گولی چلا
دی۔ طارق کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں اس دھمکی کو عملی جامہ پہنا دوں گا۔
گولی اس کے بازو کو چھیدتی ہوئی گزر گئی۔ اس کی چیخ کے ساتھ ہی لڑکی کی چیخ بھی ابھری
تھی۔ وہ زمین پر بیٹھ گئی اور اس طرح لہرانے لگی جیسے بے ہوش ہو رہی ہو۔ طارق کا پورا
بازو خون سے تر ہو گیا تھا۔

طارق اب بری طرح بدحواس ہو گیا تھا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے زخمی بازو پکڑے
پکڑے بولا۔ "یقین کرو' منصور! میں..... میں....." لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے اس
کے زخمی ہاتھ پر دوسرا فائر کر دیا۔ اس بار کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ طارق زمین پر گر
پڑا۔ اب وہ شدید درد سے کراہ رہا تھا۔

"وہ اس گھر سے کس طرح نکلیں۔"

"میں..... میں ان دنوں یہاں نہیں تھا۔ تم کسی سے بھی معلوم کر سکتے۔ آہ..... تم
یقین کرو۔ اگر میں..... میں جانتا ہوتا تو ضرور ..... آہ ..... آہ....." وہ تڑپنے لگا۔

"طارق' میں تمہیں ایک ہاتھ سے محروم کر رہا ہوں۔ یہ ابتدا ہے' مجھے اپنی ماں

اور بہن کا پتہ چاہیئے اور یہ کام تم کرو گے۔ میں تم پر نگاہ رکھوں گا' طارق مر گئے تو دوسری بات ہے۔ زندہ رہو گے تو صرف اس شرط پر کہ مجھے میری ماں اور بہن کا پتہ معلوم کر کے بتاؤ گے۔ میں جلدی دوبارہ تم تک پہنچوں گا اور اس بار تمہیں دونوں آنکھوں سے محروم کر دوں گا۔ سمجھے طارق..... جو کہہ رہا ہوں' وہی کروں گا۔"

میں نے لگاتار تین فائر کیے۔ نشانہ طارق کا زخمی بازو تھا۔ طارق ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے حلق سے کراہیں اور چیخیں نکل رہی تھیں۔ وہ جان بچانے کے لئے دیوار کی طرف کھسک رہا تھا۔ دوسری طرف لڑکی بے ہوش ہو کر اوندھی پڑی تھی لیکن طارق اس شدید تکلیف کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا اور دیوار کی طرف کھسکتے کھسکتے بے ہوش ہو گیا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔

میں چند ساعت اسے کھڑا دیکھتا رہا اور پھر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے ٹھوکر مار کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی' لیکن طارق پر گہری بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ میرے دل میں اس کے لئے رحم کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ تب میں نے لڑکی کی طرف دیکھا..... اور اچانک وہ سیدھی ہو گئی۔ میں نے پستول کا رخ اس کی طرف کر دیا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے منصور۔" وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔ "میں بے ہوش نہیں ہوئی بلکہ نتائج کا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے یہ ایکٹنگ اس لئے کی تھی کہ وہ مجھ سے کسی امداد کا طالب نہ ہو۔"

میں نے تیز نگاہوں سے پپی کو دیکھا۔ "لیکن اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں تم سے ہمدردی رکھتی ہوں' منصور! کسی قدر حالات میرے علم میں بھی ہیں لیکن میں نے یہ حالات سن کر فیصلہ کیا تھا کہ تم عام قسم کے ایک ناکارہ انسان ہو اور یقین کرو منصور! ناکارہ لوگوں سے کسی کو ہمدردی نہیں ہوتی۔ تم اگر تیز دوڑ لگاؤ گے تو کوئی تمہارے ساتھ چند قدم چلنے میں عار نہیں محسوس کرے گا لیکن ایک ساکت و جامد وجود کسی کے لئے پرکشش نہیں ہوتا۔ میں طارق کی ساتھی ہوں لیکن مجھے اس سے ہمدردی نہیں ہے۔ وہ ایک ظالم' خود غرض اور گندی فطرت کا انسان ہے اور ایسے لوگوں کے دوست کم ہوتے ہیں۔ تم جانتے ہو منصور' یہ باتیں کر کے میں جان بچانے کی کوشش نہیں کر رہی ہوں کیوں کہ جان بچانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ میں بے ہوش بنی رہتی۔ میں ہوش میں اس لئے آئی ہوں کہ حتی المقدور تمہاری کچھ مدد کروں۔"

"کیا تمہیں..... تمہیں درون خانہ کچھ راز معلوم ہیں؟" میں نے ایک موہوم سی امید کے ساتھ پوچھا۔

"یقین کرو نہیں... میں صرف اس کا کھلونا ہوں۔ وہ میرے اوپر اعتبار نہیں کرتا۔ میرا مطلب ہے' اس حد تک اعتبار نہیں کرتا کہ اپنے اندرونی راز مجھے بتائے لیکن مجھے اس

کی ایک خفیہ جگہ کے بارے میں معلوم ہے جہاں اس کے اہم کاغذات رکھے ہوتے

"کاغذات....." میں نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

"ہاں..... ممکن ہے' وہ کاغذات تمہاری ماں اور بہن کے حصول میں تمہاری کچھ کر سکیں۔"

"کیا تم مجھے ان کے بارے میں بتانا پسند کرو گی؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے ان کا تذکرہ اسی لئے کیا ہے لیکن یہ ہوش میں نہ آ جائے۔" اس نے ش نگاہوں سے طارق کو دیکھا۔

میں نے طارق کے نزدیک بیٹھ کر اسے غور سے دیکھا۔ اس کے بازو کے چیتھڑے گئے تھے۔ خون بہت زیادہ بہہ گیا تھا۔ ان حالات میں طارق کی موت بھی واقع ہو سکتی ۔ بہرحال مجھے اس سے ہمدردی نہیں تھی۔ "میرا خیال ہے' جلدی ہوش میں نہیں ے گا۔" میں نے کہا۔ پپی کچھ سوچ رہی تھی پھر اس نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے۔ ہوش میں آ بھی گیا تو میں کہہ دوں گی کہ میں ڈاکٹر کو فون کرنے تھی۔ آؤ....." اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور میں اس کے ساتھ باہر آ ۔ ایک راہداری کے دوسرے سرے پر ایک سایہ نظر آیا جسے پپی نے بھی دیکھ لیا اور قدر دہشت زدہ ہو گئی۔

"کوئی..... کوئی اور بھی ہے؟" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "منصور کوئی اور بھی موجود ہے۔"

"اس کی فکر مت کرو۔ میرا ساتھی ہے۔" میں نے بے پرواہی سے کہا۔

"اوہ اچھا تب ٹھیک ہے' آؤ..." وہ تیزی سے عمارت کے اندرونی حصے کی جانب پڑی۔ ایک کمرے میں داخل ہو کر وہ لکڑی کے ایک خوب صورت شیلف کے پاس گئی اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ "تمہیں بھی میری مدد کرنی پڑے گی منصور۔ ت کے کمروں وغیرہ کی کیفیت ایسی کر دو جیسے تم نے یہاں سخت تلاشی لی ہے اور اس بعد اس الماری تک پہنچے ہو۔"

"ٹھیک ہے' بے فکر رہو۔" میں نے اسے اطمینان دلایا اور اس کے کہنے کے الماری نیچے گرا دی۔ الماری کی عقبی دیوار میں ایک تجوری نصب تھی۔ پپی نے طرف دیکھا۔

"مجھے اس کی چابی کے بارے میں بھی معلوم ہے۔ لیکن براہ کرم پستول کی گولی اس کا تالا توڑ دو۔ کاغذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" اس نے کہا اور میرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کافی ذہین ہو پینی۔"

"نہیں منصور..... چار سال سے ایک جرائم پیشہ شخص کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ براہ کرم جلدی کرو۔ اس کے بعد مجھے ڈاکٹر وغیرہ کو بھی بلوانا ہے۔ وہ ہوش میں نہ آ جائے..." اور میں نے فائر کر کے تجوری کا تالا توڑ دیا لیکن اس کے بعد میں نے اپنا پستول دوبارہ لوڈ کر لیا تھا۔ تجوری میں نوٹوں کے بنڈل چنے ہوئے تھے۔ سونے کی چند چھوٹی اینٹیں بھی ایک طرف چنی ہوئی تھیں لیکن میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی اور نچلے حصے میں رکھے ہوئے تین فائل اٹھا کر اپنی تحویل میں لے لیے..... پینی غور سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"ان کے علاوہ بھی کچھ اور کاغذات ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں..... بس میں اس تجوری کے بارے میں ہی جانتی ہوں۔ ویسے منصور۔ تم اس ناجائز دولت کو یہیں چھوڑ دو گے؟"

"دولت....." میں نے حقارت سے نوٹوں کے ڈھیر کی طرف دیکھا۔ "نہیں پینی..... مجھے اس غلاظت کے ڈھیر سے دلچسپی نہیں ہے۔ میرا صرف ایک مشن ہے' اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ میری ذات میں تو بڑے بڑے تاج محل چھپے ہوئے ہیں۔ یہ حقیر سی چیزیں انہیں مسمار نہیں کر سکیں گی۔ کاش ان کاغذات میں میری گمشدہ جنت موجود ہو۔ میں نے تجوری بند کر دی اور اس کے بعد کمرے کی دوسری چیزوں کو تتر بتر کرنے لگا۔ پینی اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی پھر میں اسے لئے ہوئے دوسرے اور پھر تیسرے کمرے میں پہنچا..... یہاں بھی میں نے اپنے نشانات بنائے جیسے میں نے یہاں کی تلاشی لی ہو..... اور پینی کی طرف دیکھا۔

"تم مطمئن ہو پینی؟"

"ہاں۔ کافی ہے..... منصور! میں مزید تمہاری کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

"اس سے زیادہ میں تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا پینی۔"

"مجھے کوئی ایسا فون نمبر دے سکتے ہو' منصور! جہاں میں تم سے رابطہ قائم کر سکوں۔ میرے پاس اپنے خلوص کی کوئی سند نہیں ہے لیکن میں تم سے مزید تعاون کرنے کی خواہش مند ہوں۔"

"میں ایک گندی سی بستی میں رہتا ہوں پینی! اور میرے وسائل محدود ہیں۔ میں تمہیں کہاں کا فون نمبر دوں۔ ویسے اگر تم چاہو تو مجھے کوئی ایسا نمبر دے دو جس پر میں وقت مقررہ پر تم سے بات کر سکوں۔"

"اوہ..... یہ بھی ٹھیک ہے' تو پھر کل شام کو سات بجے تم مجھے اس نمبر پر رنگ کر لینا۔ اپنا نام مت بتانا۔ کوئی بھی بولے' مجھے طلب کر لینا۔" پینی نے ایک فون نمبر دہرایا اور

میں نے اسے ذہن نشین کر لیا۔ "مجھے بتانا منصور کہ تمہیں ان کاغذات سے اپنی ماں اور بہن کا کچھ پتہ چلا یا نہیں' اس کے بعد میں تمہیں مزید حالات سے آگاہ رکھوں گی۔"

"تمہارا شکریہ پینی۔ اس وقت جو بھی میری مدد کر رہا ہے' میں ساری زندگی اسے فراموش نہیں کروں گا۔ ویسے تمہیں تو ان حالات سے کوئی خطرہ نہیں ہے؟ میرا مطلب ہے' تم اب کیا کرو گی؟"

"میں طارق کے ڈاکٹر کو فون کروں گی اور اسے طارق کی حالت سے آگاہ کروں گی۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہو۔"

"تب پھر خدا حافظ پینی ..... ایک بار پھر تمہاری اس مدد کا شکریہ۔ بہر حال' اگر تمہیں میرے خلاف گواہی بھی دینی پڑے تو تم خود کو مجرم نہ سمجھنا۔ ظاہر ہے' اس پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہو گا۔ میں بھی تمہاری طرف سے دل میں میل نہیں رکھوں گا۔" میں نے کہا اور پینی سے رخصت ہو کر باہر آ گیا ایاز میرے اندازے کے مطابق دیوار کود کر ہی واپس کار کے پاس پہنچا تھا۔ میں دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور ایاز دوسری طرف سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر آ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔ فائل میری گود میں پڑے ہوئے تھے۔ ایاز نے وہ اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیے۔

"گولیوں کی آواز باہر سنی گئی ہوں گی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں..... میں تو اس وقت اندر ہی تھا لیکن صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد میں نے باہر آ کر بھی حالات کا جائزہ لیا تھا۔ مکانات دور دور ہونے کی وجہ سے کوئی متوجہ نہیں ہوا لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ اتنی بڑی عمارت میں ان دونوں کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔"

"یہ اس کی خفیہ رہائش گاہ ہے۔ جس کے بارے میں دوسروں کو نہیں بتایا گیا ہو گا اور اسے خفیہ رکھنے کے لئے ہی یہاں ملازم وغیرہ نہیں رکھے گئے۔"

"لیکن تمہیں اس عمارت کا پتہ کہاں سے ملا' منصور بھیا؟"

"میری ایک ہمدرد مددگار ہے۔ تمہیں بھی اس بارے میں بتاؤں گا۔ ویسے اب میرے مددگاروں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے ایاز..... یہاں موجود لڑکی بھی میری دوست بن گئی ہے۔"

"ان کا زوال آ چکا ہے۔ یہ سب اسی کی علامات ہیں۔" ایاز نے کہا۔

"میں اور پینی باہر نکلے تھے تو تم کہاں تھے؟" میں نے پوچھا۔

"وہیں موجود تھا۔ تم لوگ اچانک نکل آئے اس لئے بمشکل بھاگ کر راہداری میں پہنچا تھا۔

"ہم نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو بچ نہیں سکتا تھا۔ سمجھے....."

"آئندہ خیال رکھوں گا۔" ایاز نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنی رہائش گاہ تک پہنچ گئے۔ خاصی رات گزر چکی تھی۔ ایاز نے مجھ سے چائے کے لئے پوچھا اور میں نے شکریئے کے ساتھ اسے چائے بنانے کے لئے کہا۔ ایاز چلا گیا تو میں فائل لے کر بیٹھ گیا۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ تینوں فائلوں میں کافی کاغذات رکھے ہوئے تھے اور یہ سارے کاغذات بلیک میلنگ کے سلسلے میں تھے۔ کم بخت طارق چند پولیس افسروں کو بھی بلیک میل کر رہا تھا۔ میں نے سرسری طور پر کاغذات کا جائزہ لیا اور پھر دوسرے فائل کو دیکھنے لگا۔ اسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ یہ فائل لیڈی جہانگیر کا تھا۔ تصویریں اور ان کے نیگیٹو اور کچھ دستاویزات جو اس نے لیڈی جہانگیر سے حاصل کی تھیں۔ گویا لیڈی جہانگیر اس کے چنگل سے آزاد تھی پھر دھڑکتے دل سے میں نے اس تیسرے فائل کو دیکھا۔ اس فائل میں مجھے ایک کاغذ کے سوا اور کوئی کام کی چیز نہیں ملی تھی۔ یہ ایک خط تھا جو دوبئی سے آیا تھا اور اس میں کسی نے طارق کو لکھا تھا کہ اس نے ایک نیا کاروبار شروع کیا ہے اور طارق کو چاہیئے کہ وہ اس سے تعاون کرے۔ لکھا تھا۔

"ڈیئر طارق!

امید ہے خیرت سے ہو گے۔ نئے جہانوں کی تلاش میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ کام کے لوگوں کو تلاش کرتا رہا اور کچھ نئے ساتھیوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ بالآخر ایک کام تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ توجہ سے سنو۔ آج کل اپنے وطن میں ریکروٹنگ ایجنسیوں کا کاروبار زوروں پر ہے' لوگ مشرق وسطیٰ کی دولت سمیٹنے کے لئے دھڑا دھڑ یہاں آ رہے ہیں۔ ان میں خواتین بھی ہوتی ہیں' نوجوان بھی اور بوڑھے بھی۔ ایک خوب صورت سا دفتر بنا کر نوجوان اور خوب صورت لڑکیوں کو یہاں بھیجنے کا انتظام کرو۔ خیال رہے کہ لڑکیاں سترہ سے بائیس سال کے درمیان ہوں۔ یہاں کا انتظام میں سنبھال لوں گا۔ ایسے طریقے سے انہیں یہاں وصول کریں گے کہ کوئی قانونی گڑ بڑ بھی نہ ہو۔ یہاں کئی خفیہ گروہ یہ کام کر رہے ہیں اور دولت سمیٹ رہے ہیں۔ یہ لڑکیاں

قرب و جوار میں کافی قیمت پر نکل جاتی ہیں۔ بہت سے غیر مقامی افراد یہ کام بڑے اعلیٰ پیمانے پر کر رہے ہیں۔ اگر تم اس تجویز میں کچھ دل چسپی محسوس کرو تو مجھے لکھ دو۔ میں آئندہ ماہ پہنچ جاؤں گا تا کہ تمہیں پوری تفصیلات سے آگاہ کر کے ضروری امور پر گفتگو کروں۔

تمہارا سلیم

خط کے پیچھے دوبئی کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں چند نئے دروازے کھلے۔ ں ایک اور خیال آیا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ کہیں میری بہن اور امی ساتھ بھی یہی سلوک تو نہیں ہوا؟ اشتہارات اور اس کے جواب میں خاموشی اس بات یت دیتی تھی۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اگر ایسا ہو چکا ہے تو .... تو..... نے اب وہ کہاں ہوں گی۔ نہ جانے ان کا کیا حال ہو گا؟

میرا دل روتا رہا..... اسی اثنا میں ایاز چائے لے کر آ گیا۔ اس نے میرے روں پر بہتے ہوئے آنسو دیکھے تو تڑپ اٹھا۔ "کیا ہو گیا بھیا..... خیریت ہے؟" وہ بے تابی ولا۔

"کوئی خاص بات نہیں ایاز۔ بس ایسے ہی....."

"پھر بھی.... فائلوں میں کوئی خاص بات دیکھی ہے؟"

"ہاں ایاز..... ان میں میری ماں اور بہن کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملی۔ لیکن ر گندے کاروبار کا پتہ چلا ہے۔ یہ لوگ لڑکیوں کی اسمگلنگ بھی کرتے ہیں۔ بس یہ ر رونا آ گیا تھا کہ کہیں میری ماں اور بہن کے ساتھ بھی یہی سلوک تو نہیں ہوا۔"

"خدا ان لوگوں کو غارت کرے۔ کیسے بے درد اور بے ضمیر لوگ ہیں' یہ۔" ایاز لہجے میں بولا۔

میں نے چائے کی پیالی اٹھا لی تھی۔ تھوڑی دیر میں چسکیاں لیتا رہا پھر میں نے "ایاز! ماں اور بہن میری نظروں سے دور ہو چکی ہیں۔ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوا اللہ ہی جانے۔ اس سانحے کا رد عمل مجھ پر بہت خطرناک ہو رہا ہے۔ میں سوچ رہا ہ میں ایک بدترین مجرم بن جاؤں اور اس وقت تک قتل و غارت گری کرتا رہوں' ک زندہ ہوں۔ خدا کی قسم ایاز! میں امی اور فریدہ پر ہونے والے ایک ایک ظلم کا ا گا۔ ابھی چند ساعت قبل میں نے سوچا تھا کہ ان فائلوں کے ذریعے جن لوگوں کو ل کیا جا رہا ہے' میں انہیں کاغذات واپس کر کے انہیں اس اذیت سے نجات دلاؤں

گا لیکن اب میں ان کی پوری قیمت وصول کروں گا۔ انہیں اپنے جرائم کی پوری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ یہ لوگ جرم کرتے ہیں اور اپنی دولت کے بل بوتے پر محفوظ رہتے ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ لوگ کس طرح جرم کو چھپا سکتے ہیں۔ بہت اعلیٰ پیمانے پر کام کروں گا ایاز۔ آخر میں ہی شرافت کیوں اپناؤں؟ جب کہ دنیا نے یہ تصور چھوڑ دیا ہے۔"

ایاز خاموشی سے چائے پیتا رہا اور پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "بہرحال بھیا! اب حالات دیکھو۔ طارق کا دوسرا قدم کیا ہوتا ہے؟"

"میں نے اسے صرف اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ وہ مجھے میری ماں اور بہن کے بارے میں بتائے۔ میں پھر اس کے پاس جاؤں گا اور اس کی دنیا ہمیشہ کے لئے تاریک کر دوں گا۔ میں اسے ایسا مزا چکھاؤں گا ایاز! کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

"اب تمہارا دوسرا قدم کیا ہو گا بھیا؟"

"فی الوقت تو کچھ نہیں لیکن اس کے بعد باریک بینی سے ہمیں حالات کا جائزہ لینا ہو گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قانونی طور پر طارق ہمارے لئے کیا کرتا ہے۔ فی الوقت تو اسے ہسپتال میں رہنا ہو گا اور جو کارروائی کرے گا' سیٹھ جبار براہ راست کرے گا۔ تم ایک کام کرو' ایاز۔ وہ یہ کہ شہر میں جتنی بھی ریکرڈنگ ایجنسیاں ہیں ان کے بارے میں معلومات حاصل کرو اور اس کے لئے ایک بہترین طریقہ کار یہ ہے کہ ایک بے روز گار نوجوان اور اس کی خوبصورت بہن جو نوکری کے لئے باہر جانا چاہتے ہیں' اس کے لئے تمہیں ایک خوبصورت لڑکی کی تصویر حاصل کرنا ہو گی جسے تم' کسی فوٹو گرافر سے حاصل کر سکتے ہو۔"

"میں یہ کام کر لوں گا۔"

"بس تم آرام کرو۔ کام بہت صبر آزما ہے۔" میں نے کہا اور ایاز گردن ہلا کر اٹھ گیا۔

دوسری صبح میں نے سب سے پہلے' ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ایاز سے ...ت منگوائے اور انہیں کھنگالنے لگا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ایاز اپنے کام کے لئے تیاریاں کر رہا تھا۔ اس نے اپنے چہرے میں کچھ تبدیلیاں کرنے کی کوشش کی تھی۔ یعنی بالوں کا انداز بدل لیا تھا۔ آنکھوں پر وہ عینک چڑھائی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی نگاہ خراب ہے۔ درحقیقت اس معمولی سے تبدیلی سے ایاز کی صورت کافی بدل گئی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔

"تم تو واقعی ذہین آدمی ہو' ایاز۔ میرا خیال ہے' اگر ذرا سی محنت اور کر لی جائے تو تمہیں کوئی نہیں پہچان سکتا۔"

"کروں گا۔ دیکھتے رہو منصور بھیا۔ جب تم نے ایاز کی زندگی تبدیل کر دی ہے تو

ورت میں خود ہی تبدیل کر لوں گا۔ میں اب چلتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ایاز باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک تو میں کاہلوں ے سے انداز میں بیٹھا رہا اور پھر میں نے بھی ایاز کی نقالی شروع کر دی۔ کوئی خاص کام تو نا نہیں۔ میں آئینے کے سامنے بیٹھ کر خود کو مختلف انداز میں بدلنے کی کوشش کرتا رہا اور ہر باریک مونچیں اور ٹھوڑی پر پلاسٹک کا موٹا سا تل لگا کر اور آنکھوں پر عینک چڑھا کر میں نے خود کو بہت بدلا ہوا محسوس کیا اور لباس پہن کر تیار ہو گیا لیکن یہاں کے ملازمین ذہن ے نکل گئے تھے اور خاص طور سے آفت کی پڑیا حسینہ..... جو دروازے کے باہر قدم رکھتے ہی مجھے مل گئی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر ایک دم ٹھٹک گئی۔

"اے سنو ...... کون ہو تم؟" اس نے مجھے کترا کر نکلتے ہوئے دیکھ کر پوچھا اور میں رک گیا۔

"آدمی ہوں اور کون۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ تو ہم بھی دیکھ رہے ہیں مگر کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ منصور باہر کہاں ہیں؟" وہ مجھے بالکل نہیں پہچان سکی تھی۔

"اندر ہیں۔ تمہارا نام حسینہ ہے نا۔"

"ہاں ہے۔ تو پھر.....؟"

"وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔" میں نے کہا اور حسینہ جلدی سے آگے بڑھ کر کمرے میں داخل ہو گئی۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر تیزی سے باہر آ گیا تھا۔ باہر آ کر میں نے کار اسٹارٹ کی۔ خطرہ تھا کہ حسینہ کہیں پیچھے ہی نہ دوڑی چلی آئے اس لئے تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

سب سے پہلے چمن کے اڈے کا رخ کیا۔ چمن اس دوران نہیں آیا۔ اس لئے میں نے انہی سے ملاقات کا فیصلہ کیا تھا...... تھوڑی دیر تک تو میں قرب و جوار میں چکراتا رہا اور پھر گاڑی ایک جگہ کھڑی کر کے پیدل چمن کے اڈے کی طرف چل پڑا۔ استاد چمن اندر موجود تھا۔ ایک آدمی نے مجھے اس کے پاس پہنچا دیا۔ چمن چند لمحے تو گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی......

"یہی تو میں نے سوچا کہ اس وقت یہاں کون آ گیا۔ خیریت ہے منصور؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں' بس ملاقات نہیں ہوئی تھی اس لئے آ گیا۔"

"کل تو شہر میں ہی نہیں تھا۔ کام سے گیا تھا ذرا۔ ویسے بھی میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ زیادہ میل جول نہیں رکھوں گا تم سے۔ مجھ سے تو ہر قسم کے لوگ ملتے رہتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی کی نگاہ میں آؤ۔ ویسے شکل اچھی بدلی ہے۔ ایک نگاہ میں

کوئی نہیں پہچان سکتا۔ اگر تم کہو تو کسی ایسے آدمی سے ملاقات کرا دوں.... جو میک اپ ماہر ہو اور تمہیں بہتر مشورے دے سکے۔"

"نہیں چمن.... اس کی ضرورت نہیں ہے ابھی۔ میں نے پچھلی رات سے اس کھیل کی ابتدا کر دی ہے۔"

"اوہ خوب.... چائے منگواؤں تمہارے لئے۔" چمن نے پوچھا۔

"نہیں..... بالکل ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔"

"جیسی تمہاری مرضی..... ہاں تو کیا کھیل شروع کیا ہے تم نے؟" چمن نے پوچھا۔

میں نے اسے طارق کے بارے میں تفصیل بتا دی۔ چمن کسی خیال میں ڈوب گیا..... پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے طارق کو ان کی بابت معلوم ہی نہ ہو۔"

"اب اسے میری ماں اور بہن کی تلاش کی کوشش کرنا ہو گی۔ اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کا حساب بھی تو باقی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں' یہ تو ٹھیک ہے' بہرحال منصور! تم نے جب اس کھیل کا آغاز کر ہی دیا ہے تو تمہیں کافی محتاط رہنا ہو گا۔ زیادہ لوگوں کو خود سے قریب نہ کرو۔ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہو' یہ میری نصیحت ہے۔"

"ابھی میں بالکل ابتدائی دور میں ہوں چمن۔ مجھے تم لوگوں کے سہارے کی ضرورت ہے لیکن بہت جلد میں اپنے قدموں پر کھڑا ہو جاؤں گا۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں منصور! میری فکر مت کرو۔ تم فطرتاً شریف انسان ہو اور لوگوں پر جلدی بھروسہ کر لیتے ہو اس لئے یہ بات کہہ رہا ہوں اور کچھ سناؤ۔ میرے لائق کوئی خدمت؟"

"نہیں..... سب ٹھیک ہے۔"

"ایاز تو اب تمہارے ساتھ ہے۔"

"ہاں..... میں نے اسے کام سے لگا رکھا ہے۔ چمن استاد! کیا تمہارے علم میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو مشرق وسطی میں لڑکیاں اسمگل کرتے ہوں؟"

"میرے علم میں نہیں ہے۔"

"تم سے ہر قسم کے لوگ ٹکراتے رہتے ہیں۔ اگر ممکن ہو سکے تو ایسے لوگوں کا پتہ چلانے کی کوشش کرو۔"

"ٹھیک ہے' میں کوشش کروں گا۔" چمن نے جواب دیا..... میں تھوڑی دیر چمن کے پاس بیٹھا اور پھر یہاں سے اٹھ گیا۔ فی الوقت کوئی پروگرام نہیں تھا۔ پروفیسر شیرازی یاد آیا لیکن اس سے ملنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اگر وہاں جاتا تو نصیحتوں کا انبار' سرخاب کی

محبت اور نہ جانے کون کون سی باتیں میرا استقبال کرتیں۔ اب میں ان باتوں کو سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ سینے کی جلن جس مقام پر لے آئی تھی وہاں سے واپسی اب ممکن نہیں تھی۔

بہت دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا پھر ایک پبلک مقام سے جہانگیر لیڈی فون کیا۔ دوسری طرف سے فون ریسیو ہونے کے بعد میں نے لیڈی جہانگیر سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور چند لمحے بعد اس سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"منصور بول رہا ہوں۔"

"اوہ..... منصور خیریت۔ میں تمہارے لئے پریشان ہوں۔"

"بہت سی فکریں آپ نے پال رکھی ہیں لیڈی صاحبہ! ملاقات کا خواہش مند ہوں۔"

"بولو..... کب؟ کہاں؟" لیڈی جہانگیر نے بے تابی سے پوچھا۔

"گھر پر حاضر ہو جاؤں؟"

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ شام کی چائے میرے ساتھ پیو۔" لیڈی جہانگیر نے پیش کش کی۔

میں نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ساڑھے پانچ بجے تک پہنچ جاؤں گا۔"

میں نے ٹیلیفون کا چونگا رکھ دیا طبیعت میں اکتاہٹ سی تھی' اس لئے واپس گھر کی طرف چل دیا۔ گھر میں داخل ہونے سے قبل مونچھیں وغیرہ میں نے اتار لی تھیں اور پھر اندر داخل ہو گیا۔

حسینہ بڑے پرجوش انداز میں مجھے کسی اجنبی آدمی کے بارے میں اطلاع دے رہی تھی' جو میرے کمرے سے نکلتا ہوا دیکھا گیا تھا۔ میں دیر تک اس سے اس شخص کے بارے میں سوالات کرتا رہا۔ اس لڑکی کی معصومیت بہت اچھی لگ رہی تھی۔

چار بجے ایاز واپس آ گیا اور اس نے اپنی معلومات کی رپورٹ پیش کر دی۔ عمدہ کام کیا تھا اس نے۔ تیس ایسی ایجنسیوں کا پتہ چلایا تھا لیکن ان میں سے ایک بھی کام کی نظر نہیں آئی۔ کوئی شخصیت طارق سے منسوب نہیں نظر آتی تھی۔

"ٹھیک ہے ایاز۔ آرام کرو۔ میں ذرا باہر جاؤں گا۔"

"کوئی خاص پروگرام ہے؟"

"نہیں..... بس ایسے ہی کسی سے ملنے جانا ہے۔" میں نے جواب دیا اور ایاز نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ ٹھیک پانچ بجے تیار ہو کر میں باہر نکل آیا۔ گاڑی کے آئینے میں دیکھ کر میں نے مونچھیں چپکا لی تھیں اور پھر کار کا رخ لیڈی جہانگیر کی کوٹھی کی طرف کر دیا۔

لیڈی جہانگیر نے اپنی کوٹھی کے برآمدے میں میرا استقبال کیا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ حیران ہوئی لیکن پھر اس نے مجھے پہچان لیا۔

"خوب حلیہ بدلا ہے۔ ایک نگاہ میں تو میں پہچان ہی نہ سکی۔ آؤ....." اس نے بڑی اپنائیت سے کہا اور مجھے لئے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ ڈرائنگ روم کے بجائے وہ مجھے اپنی خواب گاہ میں لے گئی تھی۔ "بیٹھو منصور..... خیریت؟"

"آپ کے لئے دو خوش خبریاں ہیں لیڈی صاحبہ۔" میں نے کہا۔

"اوہ..... نہیں۔ میرے لئے سب سے بڑی خوش خبری وہ ہو گی جب تم بتاؤ گے کہ تمہاری امی اور بہن مل گئیں۔"

"ہاں' شاید کبھی یہ خوش خبری بھی سنا دوں گا۔ فی الحال آپ کی ایک امانت لایا ہوں۔" میں نے کہا اور بیگ سے وہ فائل نکال کر لیڈی جہانگیر کی طرف بڑھا دیا۔ جس میں اس کے کاغذات وغیرہ موجود تھے۔

"کیا ہے یہ؟" لیڈی جہانگیر نے اشتیاق سے کہا اور مسکراتے ہوئے فائل کھول دیا۔ اس نے پہلے ایک دو کاغذ دیکھے' اس کی سمجھ میں شاید کچھ نہیں آیا تھا پھر اس نے تصویروں کا لفافہ نکالا اور ان میں ایک تصویر دیکھی۔ تصور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی تھی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے دوبارہ تصویر اٹھائی اور اس طرح دیکھنے لگی جیسے اس کی بینائی متاثر ہو گئی ہو۔ اس کے بعد اس نے دوسری تصویریں نکالیں اور انہیں دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔

تصویریں دیکھنے کے بعد اس نے کاغذات دیکھے اور وہ دیر تک گردن نہیں اٹھا سکی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے میری موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔ اس کا پورا بدن کانپ رہا تھا اور پھر وہ اضطرابی انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ بلاشبہ تھوڑی دیر کے لئے اس کی گویائی سلب ہو گئی تھی۔ مجھے اس کی اس حالت پر رحم آنے لگا اور میں نے جرات کر کے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خود کو کنٹرول کریں لیڈی صاحبہ! کیا یہ آپ کے لئے خوشخبری نہیں ہے۔" میں نے محبت آمیز انداز میں کہا۔

"منصور..... منصور..... منصور....." اس بار وہ چیخنے کے سے انداز میں بولی اور اٹھ ------ گئی۔ ایسے بے اختیار ہو کر------ کہ اسے تن من کی سدھ بدھ نہ رہی۔ وہ اب بھی بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس کیفیت پر میں اس سے تعرض نہ کر سکا۔ میرے ہاتھ اس کی پشت پر تھپکیاں دے رہے تھے۔ کافی دیر تک وہ اسی عالم میں کھڑی رہی۔ اس کی اس بے پناہ خوشی سے مجھے بھی دلی مسرت ہوئی تھی۔ میں کسی کے کچھ کام تو آیا۔ آج تک دوسروں پر بوجھ تھا لیکن آج ..... اب جب میں نے اس زندگی میں پہلا قدم

رکھا تھا۔ میں خود بھی کسی کے کام آیا تھا۔

"منصور..... ! لیڈی جہانگیر نے-------- عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ ان نگاہوں میں نہ جانے کیا تھا-------- اظہار تشکر' اظہار ممنونیت' اظہار محبت اور نہ جانے کیا کیا..... میرا ہاتھ بے اختیار اس کے ریشمی بالوں میں الجھ گیا۔ اس کے اس درجے اپنائیت کے اظہار نے میرے دل میں بھی اس کے لئے ہمدردی کے جذبات جگا دیئے تھے۔ کافی دیر بعد وہ نارمل ہو سکی اور پھر اس نے میرے سینے سے سر لگا لیا۔

"کیسے یقین کر لوں منصور۔ کیسے یقین کر لوں؟" وہ کپکپاتے لہجے میں بولی۔

"مجھے خوشی ہے لیڈی صاحبہ کہ میں آپ کے کسی کام تو آیا..... ان کاغذات اور تصویر نے آپ کو ذہنی طور پر پریشان کر رکھا تھا۔ مجھے انتہائی مسرت ہے کہ آپ اس خوف کی گرفت سے آزاد ہو گئیں۔"

"منصور..... مجھے یقین نہیں آ رہا' منصور۔

"براہ کرم ان چیزوں کا صحیح طور سے جائزہ لیں۔ اس کے علاوہ تو کوئی اور چیز نہیں رہ گئی۔"

"نہیں..... اس میں نیگیٹو بھی موجود ہیں۔" وہ مسرت بھرے لہجے میں بولی۔

"تب براہ کرم پہلے آپ میرے سامنے ان تمام چیزوں کو جلا دیں۔ انہیں تلف کرنے کے بعد ہم دوسری باتیں کریں گے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ خود باہر جا کر ماچس لائی اور میرا ہاتھ پکڑ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ میں اس کی اس جذباتی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ اس لئے اس کی تمام اضطراری کیفیتوں میں اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ واش بیسن میں ساری چیزوں کو رکھ کر اس نے آگ لگا دی..... ذرا سی دیر میں ساری چیزیں جل کر راکھ ہو گئیں۔ تب اس نے سکون کی سانس لی اور بیسن کا نل کھول دیا۔ راکھ کا آخری ذرہ بھی بہہ گیا تو میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

ذرا سی دیر میں لیڈی جہانگیر کے چہرے کی کیفیت بدل گئی تھی' وہ بہت مطمئن اور مسرور نظر آنے لگی تھی۔ "اب تو بتا دو منصور! یہ تمہارے ہاتھ کہاں سے لگ گئیں؟" اس نے پوچھا۔

"یہ سوال دوسری خوش خبری سے منسلک ہے' لیڈی صاحبہ! میں نے اس کام کا آغاز کر دیا ہے' جس کے خواہش مند یہ لوگ تھے اور ابتدائی مہم کے طور پر میں نے طارق کو ایک ہاتھ سے محروم کر دیا ہے۔ اس وارننگ کے ساتھ کہ وہ مجھے میری ماں اور بہن کے معاملے میں معلومات فراہم کرے ورنہ..... میرا دوسرا وار اس کی آنکھوں پر ہو گا۔ میں اسے قتل بھی کر سکتا تھا لیکن میں نے اسے آخری موقع دیا ہے اور میری یہ دھمکی سیٹھ کے لئے چیلنج بھی ہے۔"

"اوہ..... تم نے..... تم نے.....؟"

"ہاں..... اس کے ایک ہاتھ میں تین گولیاں ماری ہیں اور وہ اب کسی ہسپتا میں ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس سے یہ فائل بھی حاصل کر لیے۔"

"تمہیں اس عالم میں بھی میری الجھن کا احساس رہا منصور!" لیڈی جہانگیر ممنونیت سے کہا۔

"ہاں..... میں اپنے ہمدردوں کو کیسے بھول سکتا ہوں۔"

"تم نے اس سے یہ فائل طلب کیا تھا؟"

"نہیں..... بلکہ میں نے اسے زخمی کرنے کے بعد گھر کی تلاشی لی تھی اور یہ کچھ پانے میں کامیاب ہو گیا۔"

"بہت کچھ سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"آپ کے علاوہ بہت سے لوگ بھی اس کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہے تھے۔ بلیک میلنگ اسٹف بھی میرے ہاتھ لگ گیا ہے۔"

"تو اسے یہ معلوم نہیں کہ تم میرے لئے..... میرا مطلب ہے کہ میرے تمہارے درمیان مفاہمت ہے؟" لیڈی جہانگیر نے پوچھا۔

"نہیں..... وہ نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا اور لیڈی جہانگیر کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔ "اس سے ہم ایک فائدہ اٹھا سکتے ہیں منصور!"

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"میں کسی مناسب ذریعے سے اس کے زخمی ہونے کی خبر ملنے کے بعد اس کی عیادت کروں گی اور چند ماہ تک باقاعدگی سے اسے وہ رقم ادا کرتی رہوں گی جو اسے دے رہی ہوں تاکہ اسے یہ احساس نہ ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی رابطہ ہے۔ اس طرح میں تمہارے خلاف ہونے والی کارروائیوں سے بھی باخبر رہوں گی اور تمہیں ان سے مطلع کرتی رہوں گی۔"

"ترکیب عمدہ ہے لیکن آپ میرے لئے یہ تکلیف....."

"منصور....." لیڈی جہانگیر نے میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ "اتنی غیریت کی گفتگو مت کرو۔ تمہیں نہیں معلوم میری زندگی کس طرح گزر رہی تھی۔ اس بدبخت نے کئی بار مجھے برے مقاصد کے لئے استعمال کیا تھا۔ میں وہ سب کچھ کرنے پر مجبور تھی، جس کا وہ مطالبہ کرتا تھا۔ تم خود منصور..... میرا، معاشرے میں ایک باعزت مقام ہے لیکن اگر میرے کسی گھناؤنے جرم انکشاف ہوتا..... تو پھر میری کیا پوزیشن رہ جاتی؟"

"ہاں، یہ تو درست ہے۔"

"تو پھر..... میری روح کو زنجیروں سے آزاد کرانے کے بعد بھی تم یہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے کوئی کام کر کے تکلیف محسوس کروں گی منصور..... میری ایک اور درخواست ہے منصور! مجھے امید ہے تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔ اس پوری دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے جس پر میں بھروسہ کر سکوں۔ جس کی ذات کو میں کسی طور پر اپنی ذات سے منسلک سمجھوں۔ میری ذات پر مکمل بھروسہ کرو۔ مجھے اپنے مشن میں شریک سمجھو۔ میری خواہش ہے منصور کہ میں خود کو تنہا سمجھ کر نہ جیوں۔ مجھے احساس ہو کہ میں بھی کسی کے لئے کارآمد ہوں۔ میرا کوئی اپنا بھی ہے۔" لیڈی جہانگیر کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

میں اس کے لہجے کی سچائی محسوس کر رہا تھا۔ میرا دل اس کے سچے جذبات سے پگھل رہا تھا۔ وہ بے چاری اپنے لئے کچھ نہیں مانگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے اس کا خلوص، الفاظ کی شکل میں ٹپک رہا تھا۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے لیڈی صاحبہ! آپ مجھے ایسا مقام دے رہی ہیں جس کے قابل نہیں ہوں۔ میری اور آپ کی حیثیت اور مقام میں بڑا فرق ہے۔ میں تو تقدیر کے بھنور میں پھنسا ہوا ایک معمولی سا انسان ہوں جو کسی کی ذات کے لئے بوجھ تو بن سکتا ہے، اس کا سہارا نہیں..... لیکن اگر آپ مجھے سہارا دے رہی ہیں تو میں یہی سمجھوں گا کہ میری تقدیر بھنور سے نکل رہی ہے۔"

"آج سے تم کسی طور خود کو کمتر نہیں سمجھو گے۔ جو کچھ کرو گے، پورے اعتماد سے کرو گے۔ سچے انسان کی حیثیت سے وعدہ کرو منصور، کہ اپنی کسی الجھن کو مجھ سے نہیں چھپاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے لیڈی صاحبہ! میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"طویل عرصہ گزر گیا منصور۔ بہت طویل عرصہ..... جب سے کسی نے مجھے میرے نام سے نہیں پکارا۔ جہانگیر نے بھی نہیں، کیوں کہ میں ان کے ہونٹوں سے یہ نام نہیں سننا چاہتی تھی... تم میری یہ خواہش بھی پوری کر دو گے؟"

"اوہ... کس نام سے پکارا جاتا تھا، آپ کو؟"

"گل... میرا اصلی نام دردانہ ہے لیکن بچپن میں مجھے، میرے پیارے گل ہی کہا کرتے تھے۔"

"لیکن میں آپ کا ملازم رہ چکا ہوں۔ یہ بے تکلفی کیسے روا رکھ سکوں گا۔"

"پرانی باتیں ذہن سے نکال دو، منصور!"

"کوشش کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

ہم دونوں ملازمہ کی طرف دیکھنے لگے جو چائے اور اس کے ساتھ دیگر لوازمات لے آئی تھی۔ جب وہ چلی گئی تو لیڈی جہانگیر میری مدارات کرنے لگی۔ اس نے میرے

لئے چائے بنائی پھر اس نے کہا۔ "جب تم نے ان لوگوں کے خلاف کام شروع کر ہی دیا ہے منصور! تو اپنے منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے تمہیں کچھ اور انتظامات بھی کرنے ہوں گے۔"

"مثلاً.....؟"

"تمہارا قیام اب کہاں ہے؟"

"میں آپ کو چمن کے بارے میں مختصراً بتا چکا ہوں' گل!" میں نے جواب دیا۔

"اسی مکان میں ہو؟"

"ہاں میرے خیال میں وہ محفوظ جگہ ہے۔"

"مجھے وہاں کا فون نمبر دو۔" اس نے کہا۔

میں نے اسے فون نمبر بتایا اور کہا۔ "لیکن انتہائی ضرورت کے تحت مجھے وہاں فون کرنا اور فون پر کوئی رسمی گفتگو بھی نہ ہو۔ سیٹھ جبار کے ہاتھوں کی وسعت سے میں واقف ہوں۔"

"بے شک..... تم اطمینان رکھو۔ تو میں کہہ رہی تھی کہ اپنی پشت اور ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے تمہیں چند افراد کی لازماً ضرورت پڑے گی۔"

"اوہ..... ابھی میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔ قابل اعتماد لوگوں کے لئے کچھ دوسری چیزیں بھی ضروری ہوتی ہیں۔"

"وہ دوسری چیزیں میں فراہم کروں گی۔"

"مثلاً.....؟" میں نے پوچھا۔

"سرمایہ..... سیٹھ جبار کی بیخ کنی صرف ہمارے لئے ہی نہیں' وطن کے لئے بھی ضروری ہے۔ وہ ایک ایسا عفریت ہے' جس کے پنجہ ستم میں نہ جانے کتنے افراد تڑپ رہے ہوں گے۔ یہ عفریت صرف دولت کے بل بوتے پر اتنا خونخوار ہو گیا ہے کہ خود کو ناقابل شکست سمجھنے لگا ہے۔ ہم اس کی دولت کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے لیکن اسے پریشان ضرور کر سکتے ہیں۔ تم ایسے آدمیوں کی تلاش کرو جو تمہارے لئے قابل اعتماد ہوں' انہیں ملازم رکھ لو۔ میں اس مد میں ایک بڑا اکاؤنٹ کھول دوں گی۔ سارے اخراجات اسی سے کرو۔ تمہیں ایک مخصوص اور جامع لائحہ عمل تیار کرنا ہو گا اور میرے خیال میں' میں چند کام اور کروں گی۔"

"وہ کیا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری ایک رہائش گاہ نہیں ہونی چاہئے' بلکہ شہر میں کئی ٹھکانے ضروری ہیں تا کہ کسی ایک جگہ کی نشان دہی نہ ہو سکے۔ بہرحال یہ چھوٹے چھوٹے کام میں خود کر لوں گی۔"

میں نے اس کی اس پیش کش سے انکار نہیں کیا۔ جس انداز میں اس سے گفتگو ہو چکی تھی' اس کے بعد میرا انکار بے معنی تھا۔ چنانچہ میں نے گردن جھکا دی۔

"ٹھیک ہے۔ میں یہ کام بھی کروں گا اور کوئی حکم؟"

"جہاں تک ممکن ہو' مجھے حالات سے باخبر رکھنا۔ ہم اس وحشی کو شکست دے کر ہی دم لیں گے۔"

لیڈی جہانگیر کے ساتھ کافی وقت گزر گیا تو میں نے کہا کہ میں ایک فون کروں گا۔ سات بج رہے تھے۔ میں نے پینی کا دیا ہوا فون نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے چند لمحے بعد ایک آواز سنائی دی۔

"پینی بول رہی ہوں۔"

"سات بجے ہیں پینی! اور تمہیں معلوم ہے' اس وقت کون فون کرے گا۔"

"ہاں..... میں تمہاری کال کا انتظار کر رہی تھی۔"

"کیا پوزیشن ہے؟"

"تمہارا فون قابل اعتماد جگہ ہے؟"

"ہاں....."

"وہ سینٹ جیکب اسپتال میں ہے۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے ابھی تک بے ہوش ہے' لیکن اس کی حالت خطرے سے باہر بتائی جاتی ہے۔ رات کو میں نے اس کے مخصوص ڈاکٹر کو فون کیا جو بڑے آدمی کا ساتھی ہے۔ اسے صورت حال بتائی تو وہ فوراً پہنچ گیا' اور پھر وہی مجھے اور اسے اپنے ساتھ اسپتال لے گیا۔ صبح کو بڑا آدمی بھی آیا تھا لیکن اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ دوپہر کو اس نے اسپتال فون کر کے خیریت پوچھی تھی اور آج رات اس کے حضور میری طلبی ہے۔ ٹھیک نو بجے مجھے جانا ہے۔"

"تمہارے لئے کوئی مشکل تو نہیں پینی؟"

"نہیں ابھی تک تو نہیں۔"

"بہرحال تم کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کرو گی..... اپنی پوزیشن جس طرح ممکن ہو صاف کر لینا۔ میں تمہارے اس تعاون کے لئے خلوص دل سے شکر گزار ہوں اور ہاں کیا تم اس وقت بھی اسپتال میں ہو؟"

"نہیں' اس مخصوص جگہ جہاں ہونا چاہئے تھا۔"

"تو پھر اب میں تم سے کس وقت رابطہ قائم کروں؟"

"احتیاط کے پیش نظر کل صبح دس بجے..... میں انتظار کروں گی۔"

"اوکے پینی! ایک بار پھر تمہارا....." میں نے کہنا چاہا لیکن دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔ میں چند لمحے ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر

رکھ دیا۔ یہ لڑکی میرے لئے پراسرار ثابت ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن طارق جیسے بدطینت انسان کی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے سوچا جا سکتا تھا کہ اس کی ذات سے بھی کوئی خوف ناک کہانی وابستہ ہو گی۔

کہانیاں ہی کہانیاں تھیں۔ میں نے دوسرا فون پروفیسر شیرازی کی کوٹھی پر کیا اور انتظار کرتا رہا۔ چند لمحے بعد فون ریسیو کیا گیا اور ایک ملازم کی آواز ابھری۔

"کیا پروفیسر موجود ہیں؟"

"جی نہیں؟"

"اور سرخاب؟"

"بی بی بھی صاحب کے ساتھ گئی ہیں۔ یہ نہیں معلوم' کہاں گئی ہیں اور کب تک واپسی ہو گی..... آپ کون صاحب ہیں؟ کوئی پیغام ہو تو بتا دیں' میں کہہ دوں گا۔"

ملازم نے کہا اور میں نے ریسیور رکھ دیا۔ میرا دل ان لوگوں کے لئے افسردہ تھا۔ میری اس روش سے انہیں جتنی تکلیف ہو گی' مجھے اس کا احساس تھا لیکن میں بھی تو بے قصور تھا۔ پروفیسر کی نصیحتوں کو میرا دل قبول کرتا تھا لیکن زمانے کے نزدیک وہ ایک مذاق سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ پروفیسر کو خود بھی احساس ہو چکا تھا۔ البتہ پروفیسر کی ایک کارروائی پر میں حیران تھا۔ انہوں نے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کی گفتگو کیوں ریکارڈ کی تھی۔ حالانکہ پروفیسر جیسے شخص سے اس بات کی توقع کسی کو نہ ہو گی۔ وہ ایک نیک نفس اور امن پسند انسان تھے۔

پھر میں نے لیڈی جہانگیر سے اجازت طلب کی۔ "اب کھانا کھانے کے بعد جانا۔" اس نے کہا۔

"یقین کریں گل! کھانے کی گنجائش نہیں ہے۔ ورنہ تکلف کا اب کیا سوال ہے۔"

"پھر کب ملاقات ہو گی؟"

"یہ سوال بھی بے مقصد ہے۔ ظاہر ہے روزانہ کسی نہ کسی طور رابطہ رہے گا۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں۔" اس نے کہا۔

میں اسے الوداعی الفاظ کہہ کر باہر آ گیا۔ میری کار اب گھر کی طرف ہی مڑ رہی تھی لیکن پوری احتیاط کے بعد میں نے گھر کا رخ کیا تھا۔ جیل کی زندگی نے مجھے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔

گھر پہنچ کر تھوڑی دیر ایاز سے گفتگو کرتا رہا۔ طارق کا حال اسے بتا دیا تھا اور دوسرے دن کے لئے اس کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ وہ سینٹ جیکب اسپتال کی نگرانی کرے اور حالات پر نگاہ رکھے۔ اس کے بعد آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں آ گیا۔

حسب معمول خیالات کا ہجوم تھا لیکن ان خیالات میں انتشار نہیں تھا۔ بس خود ایک سکون کا سا احساس تھا۔ اب مجھے اپنے اقدامات کا تعین کرنا تھا۔ مناسب اقدامات کا ہی کامیابی کی ضمانت ہو سکتا تھا۔ سب سے پہلے مجھے کچھ قابل بھروسہ اور خطرناک کی تلاش تھی۔ مجرم ذہن سے نمٹنا آسان کام نہیں ہوتا جن لوگوں کو میں اپنے ساتھ یک کروں گا' ان کی اپنی کچھ خصوصیات بھی ہونی چاہئیں۔ مثلاً یہ کہ وہ وفادار ہوں۔ ن کی چمک میں پگھلنے والے نہ ہوں اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ ہ جبار میرے مقابلے میں پیسہ پانی کی طرح بہا سکتا ہے۔ جب کہ میرا دارومدار تو ابھی روں پر ہی تھا۔ ہاں' ایک ذریعہ اور بھی سمجھ میں آ رہا تھا۔ میں ان لوگوں کا جائزہ لوں' ن کے کاغذات مجھے طارق کے پاس سے ملے تھے..... ان سے واقفیت حاصل کر کے ے لوگوں کو جنہیں' ان کے کسی گھناؤنے جرم کی پاداش میں بلیک میل کیا جا رہا ہو' ذریعہ نی بناؤں..... خواہ وہ مستقل بلیک میلنگ کی صورت کیوں نہ ہو' لیکن بہرحال' ان ، بڑی رقمیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ لیڈی جہانگیر جیسے مظلوموں کو نظرانداز کیا جا سکتا ۔

اس کے بعد دوسرا سوال پیدا ہوتا تھا' ان لوگوں کی فراہمی کا..... چمن اس کام لئے اچھا ذریعہ بن سکے گا۔ اس نے بھی لوگوں کی فراہمی کی پیش کش کی تھی لیکن اس آدمی عام طور سے جیب تراش اور معمولی ذہنیت کے مالک ہوں گے۔ ان سے کوئی بڑا نہیں لیا جا سکتا۔ چنانچہ بہتر تھا کہ ایسے لوگوں کو باقاعدہ تلاش کیا جائے' ان جگہوں پر ان کے ملنے کے امکانات ہوں۔ کافی دیر تک میں انہی خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر میں طارق کے ہاں سے حاصل شدہ فائل نکالے اور ان کے مطالعے میں غرق ہو گیا۔ سب پہلے جس کاغذ پر میری نگاہ پڑی' وہ کسی شیخ جمال الدین کا تھا۔ ایک باقاعدہ تحریر تھی' نے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔

"میں شیخ جمال الدین ولد شجاع الدین اعتراف کرتا ہوں کہ مسمات رقیہ بنت فرحت اللہ ساکن بادیان پورہ مکان نمبر بائیس کا قتل میرے ہاتھوں ہوا ہے۔ میرے بیٹے مسعود اختر نے اسے اغوا کیا اور اس کی آبرو ریزی کی..... میں نے عین موقعے پر دونوں کو پکڑ لیا اور اپنے بیٹے کو سرزنش کرنے کے بعد' میں نے لڑکی سے گفتگو کی کہ وہ زبان بند رکھے۔ اس کے لئے میں نے

اسے ایک بڑی رقم کی پیشکش کی لیکن اس نے نہ صرف اتنی بڑی رقم ٹھکرا دی بلکہ میرے منہ پر تھوک دیا اور بڑے خطرناک لہجے میں کہا کہ اسے قتل کر دیا جائے ورنہ وہ میرے بیٹے کو زندہ نہیں رہنے دے گی۔ مجبوراً میں نے اسے گولی مار دی۔ کیوں کہ میں اس کے الفاظ کی گھن گرج اور عزائم سے خوف زدہ تھا۔ میں اس کے قتل کا اعتراف ہوش و حواس کے عالم میں کرتا ہوں۔

شیخ جمال الدین

یہ اعتراف پڑھ کر میں سناٹے میں آ گیا۔ ایک اور المناک کہانی میرے علم میں آئی تھی۔ ایک اور غریب گھرانا درد ناک المیے کا شکار ہوا تھا' لیکن یہ طارق..... نہ جانے کیا کیا جتن کر کے اس نے یہ اعتراف نامہ حاصل کیا ہو گا۔ میں نے اس کاغذ کو سرفہرست رکھ لیا میں نے سوچا تھا کہ سب سے پہلے اس پر کام کروں گا۔ مجھے یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس اعتراف نامے کی کتنی رقم مل سکتی ہے۔

"میں نے دوبارہ لاش کی تصویر دیکھی۔ وہ ایک خوبرو لڑکی تھی لیکن اچانک ہی ذہن کے سارے تار جھنجھنا اٹھے۔ معصوم لڑکی کی لاش ایک اور صورت اختیار کر گئی تھی ایک ایسی شکل جسے دیکھ کر جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہو جائے۔ ہاں وہ میری فریدہ تھی..... بالکل میری فریدہ۔

کیا کسی وحشی نے اس کے ساتھ بھی یہی سلوک تو نہیں کیا۔ میری فریدہ کے ساتھ..... دل سینے میں اتنی زور سے پھڑپھڑایا جیسے باہر نکل آئے گا۔ میں نے بمشکل جذبات پر قابو پایا تھا لیکن میرے فیصلے میں ایک تبدیلی آئی تھی۔ شیخ جمال کا راز اس کے حوالے کر کے اس کی قیمت حاصل کرنے کے بجائے پہلے اس بدنصیب خاندان کی خبر تو لی جائے۔ یہ تو دیکھا جائے' ان بدنصیبوں پر کیا گزری۔ وہ کس حال میں ہیں۔ شیخ جمال کو تو پھر تفصیل سے ہی دیکھ لیا جائے گا۔ میں اس لڑکی پر ہونے والے ظلم کی فروخت نہیں کر سکتا تھا۔ میں اتنا سنگدل نہیں بن سکتا تھا۔

راتیں بے سکون گزر رہی تھیں۔ کوئی نہ کوئی خیال' کوئی نہ کوئی احساس' نیند پر اچاٹ کر جاتا تھا۔ اس وقت تک سکون کہاں نصیب ہوتا' جب تک ان دو بدنصیبوں کی خبر نہ مل جائے۔

آج کی رات بھی بے خوابی میں گزری۔ صبح آنکھ دیر سے کھلی۔ ناشتہ کرنے کے

بعد ٹھیک ساڑھے نو بجے فون پر پہنچ گیا اور پینی کے نمبر ڈائل کیے۔ پینی فون پر میری منتظر تھی۔

"پہچانو' میں کون ہوں۔" میں نے اس کی آواز پہچان کر کہا۔

"ساڑھے نو بجے ہیں۔ یہی کافی ہے۔" پینی نے ہنس کر کہا۔

"خیریت ہے پینی؟"

"بالکل خیریت سے ہوں۔ رات کو گئی تھی۔ کافی گفتگو ہوئی۔"

"خوب ..... تفصیل بتا سکو گی۔"

"معلومات حاصل کی گئیں۔ وہ کون تھا؟ کیا حلیہ تھا؟ تفصیل پہلے سے تیار تھی۔ میں نے انتہائی خوف کے عالم میں پوری کہانی دہرا دی۔ تمہارا حلیہ بھی واضح طور پر بتا دیا۔ یہ سن کر اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ دیر تک سوچتا رہا پھر مجھ سے پوچھا کہ میں کوئی خطرہ تو نہیں محسوس کر رہی ہوں۔ میں نے کہا نہیں۔ میں نے جگہ بدل دی ہے۔ مجھے تھوڑی سی رقم دے کر حکم دیا گیا کہ میں خاموشی سے بیٹھوں اور بہتر ہے کہ چند روز باہر ہی نہ نکلوں۔ اس کے علاوہ اسے اسپتال سے ہٹا لیا گیا ہے۔"

"اوہ..... کہاں رکھا گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کوٹھی میں..... اپنی نگرانی میں۔ کئی ڈاکٹر وہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ پورے ہاتھ کی ہڈی چکنا چور ہو گئی ہے۔ اسے جوڑنا ممکن نہیں ہے چنانچہ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ورنہ باقی جسم بھی متاثر ہو گا۔ بہرحال ابھی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ ہاتھ کاٹنے کے لئے کہیں اور لے جایا جائے گا۔"

"کہیں اور سے کیا مراد ہے؟"

"ظاہر ہے یہ کام گھر پر نہیں ہو سکتا لیکن وہ بضد ہے کہ سارا انتظام گھر پر ہی کیا جائے۔ اس بات کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ اس کے بعد میں چلی آئی اور میرا خیال ہے کہ اب میں تمہیں اس کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں دے سکوں گی۔"

"ہوں..... میں جانتا ہوں پینی۔ بہرحال تمہارے اس تعاون کے لئے شکر گزار ہوں۔"

"مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے؟"

"کیوں نہیں پینی..... تم نے میری جو مدد کی ہے' کیا میں اسے فراموش کر سکتا ہوں۔"

"فراموش نہیں کر سکتے لیکن اعتماد بھی نہیں کر سکتے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟" اس نے کسی قدر طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"یقین کرو پینی..... میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں آئندہ بھی اطلاعات فراہم کرتی رہوں؟"

"ہاں پینی..... یہ خواہش تو ہے' میرے دل میں اور یہ میری ضرورت بھی ہے۔"

"تو پھر مجھے اپنا فون نمبر دو۔ وعدہ کرتی ہوں کہ اگر میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں تو بھی تمہارا راز منکشف نہیں کروں گی۔"

پینی کی اس بات پر میں سوچ میں ڈوب گیا۔ حالات کا جائزہ لیا تو پینی کے جذبوں میں صداقت نظر آئی۔ میں ان کاغذات کو تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ جن کی نشان دہی پینی نے کی تھی۔ اس طرح پینی کم از کم اس وقت تو مخلص ہی تھی۔ یہ دونوں رپورٹیں بھی اس کے خلوص کی ضامن تھیں لیکن خطرہ صرف یہی تھا کہ کہیں چالاک سیٹھ جبار سنک نہ جائے۔ پینی بے چاری اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی لیکن اس وقت طارق کے بارے میں معلومات کا اس سے بہترین ذریعہ اور کوئی نہیں تھا لہٰذا اگر یہ خطرہ مول لے لیا جائے تو کوئی خاص حرج نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مزید پروگرام بھی تھا۔ یعنی لیڈی جہانگیر نے چند دوسری جگہوں کے لئے بھی کہا تھا۔ اگر چند اور ٹھکانے بن جائیں تو پھر یہ مشکل بھی آسان ہو جائے گی۔

"تم کیا سوچ رہے ہو' دوست' بہرحال پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میری تجویز تھی' خواہش نہیں۔" پینی نے کہا۔

"نہیں پینی..... میں اس بات کو کس طرح نظر انداز کر سکتا ہوں کہ یہ سب کچھ تم میرے لئے کر رہی ہو۔ یہ تو تمہارا احسان ہے' مجھ پر۔"

"کوئی احسان نہیں دوست۔ جنگلوں میں لگی ہوئی آگ بجھ جاتی ہے لیکن جو آگ دل میں پوشیدہ ہو وہ کبھی نہیں بجھتی۔ میں ایک مجبور اور بے بس لڑکی ہوں۔ میرے سینے میں بھی ایک جہنم سلگ رہا ہے لیکن وہ جہنم کبھی بھڑک نہیں سکتا کیوں کہ مجھے اپنی مجبوریوں کا احساس ہے۔ میں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا لیکن تم نے آکر اس آگ کو پھر بھڑکا دیا..... میں نے اپنے دشمن کو کرب سے تڑپتے دیکھا ہے اور تم ہی نے میری آنکھوں کو یہ ٹھنڈک بخشی ہے' لہٰذا تمہاری اعانت ایک قدرتی امر ہے اور میرا دل چاہنے لگا ہے کہ میں تمہاری مدد کرتی رہوں۔ اس طرح ان شعلوں کو سکون ملتا ہے' اس طرح دل کی جلن میں کچھ سکون حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ اس لئے میں نے تمہیں یہ پیش کش کی تھی۔"

"میں تیار ہوں پینی۔ میرا فون نمبر نوٹ کر لو بلکہ بہتر ہے کہ لکھنے کی بجائے ذہن نشین کر لو۔" میں نے اپنا فون نمبر بتایا جسے پینی نے کئی بار زیر لب دہرایا۔

"شکریہ..... کل کس وقت تمہیں فون کروں؟"

"یہی وقت بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے..... کل ساڑھے نو بجے میں تمہیں رپورٹ دوں گی۔"

"بہت بہت شکریہ پینی! کیا تم اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گی۔"

"قیامت تک نہیں۔ یہ آگ میرے سینے میں سلگ رہی ہے اسی میں دفن ہو ے گی۔ میرا جود ایک باعزت گھرانے کی رسوائی بن جائے گا۔ اس لئے براہ کرم اس ے میں کبھی مجھ سے مت پوچھنا۔" پینی نے کہا۔

"ٹھیک ہے پینی۔ میں تمہارے جذبات کا احترام کروں گا۔ لیکن پینی اب تم ارہ ان کے درمیان کس طرح واپس جاؤ گی۔"

"زیادہ مشکل کام نہیں ہو گا۔ بڑا آدمی جانتا ہے کہ میں اس کی داشتہ ہوں۔ وہ ا مجھ سے کافی رغبت رکھتا تھا۔ میں محبت کا سہارا لوں گی اور کہہ دوں گی کہ میں اس کی ت کرنا چاہتی ہوں اور اس کے دشمنوں سے خوف زدہ ہوں کہ کہیں وہ پھر مجھے تلاش کر لیں۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گی۔"

"ہاں یقین ہے۔"

"ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں' پینی! اس سے زیادہ کیا کہوں' کاش میں ارے بارے میں کچھ جانتا اور تمہارے دل کی آگ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر سکتا۔"

"خدا حافظ..... کل ساڑھے نو بجے۔" پینی نے کہا اور فون بند کر دیا۔

"میں چند لمحے تک پینی کی آواز میں کھویا رہا اور پھر گردن جھٹک کر ٹیلی فون رکھ یا۔ اس قسم کے واقعات سن کر ایک احساس ضرور اجاگر ہو جاتا تھا کہ ساری دنیا میں صرف ہی غمزدہ نہیں ہوں۔ میں ہی ناکام و نامراد نہیں ہوں۔ بے پناہ لوگ ہیں جو زندگی کے م ہونٹوں پر سجائے پھرتے ہیں۔ لوگ ان زخموں کو ان ہونٹوں کی مسکراہٹ سمجھتے ہیں ن یہ تو قریب جانے پر ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسکراہٹ نہیں زخم ہیں۔ میں کیا کائنات کوئی ایک فرد ان زخموں پر مرہم نہیں رکھ سکتا تھا۔ زندگی اور وسائل قطعی ناکافی ہوتے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جو زخم سامنے آئے' اسے دیکھ کر آنکھیں بند کر لو۔ ب بھی زخم پر مرہم رکھا جا سکے تو رکھو' ایک لمحے سکون کا احساس تو ہو گا اور پوری زندگی سکون کا ایک لمحہ حاصل زندگی بن سکتا ہے۔

میرے سامنے ایک مشن تھا۔ سیٹھ جبار سے انتقام۔ معاشرے میں ایک برے ان کو جنم دیا تھا اس نے' اسے اس برائی کا مزہ تو چکھنا چاہیئے۔ ماں اور بہن کی تلاش' جو ب ایک بھولی بسری داستان بن گئی تھیں۔ یہ داستان میرے وجود کی ساتھی تھی۔ جب تک ہوں انہیں تلاش کرتا رہوں گا..... ممکن ہے زندگی کے کسی موڑ پر مل ہی جائیں۔

ممکن ہے' بہن کا پیار ایک بار پھر میری ہستی میں شامل ہو جائے۔ ماں کی ممتا کبھی نہ کبھی دوبارہ نصیب ہو جائے لیکن ان کے لئے دوسروں کو بھولنا مناسب نہیں۔ جس کے لئے کچھ ہو سکے کرو تا کہ کسی کی دعا ہی زندگی میں پھول کھلا دے۔ اب میں مجرم نہیں ہوں میں تو جرم کے خلاف نبرد آزما ہوں۔ میں تو برائیوں کے خاتمے کا خواہاں ہوں۔"

دس بج چکے تھے۔ میں نے ضروری تیاریاں کیں اور پھر گھر سے نکل آیا۔ آج اور کوئی خاص پروگرام نہیں تھا اس لئے سیدھا بادیان پورہ کا رخ کیا۔ یہ ایک نواحی بستی تھی' جہاں ہر طبقے کے لوگ رہتے تھے' ان کی حیثیت کا اندازہ یہاں کے مکانات سے ہو تا تھا۔

بادیان پورہ کے ایک صاف ستھرے بازار میں' میں نے کار روک دی اور اسے لاک کر کے نیچے اتر ایا۔ خود کو لوگوں کی توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لباس معمولی قسم کا پہنا تھا۔ کسی نے توجہ نہیں دی۔ میں نے ایک جگہ رک کر مکان نمبر بائیس کا پتہ پوچھا اور اس شخص نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔

"وہ نیلے رنگ کا مکان ہے۔" اس نے بتایا اور بولا۔ "کیا آپ فرحت چچا کے پاس آئے ہیں۔"

"ایں..... ہاں۔ فرحت اللہ۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ وہی مکان ہے۔" اس نے کہا۔

"میں اس مکان کی طرف بڑھ گیا۔ مکان نیلے رنگ کا تھا مگر انتہائی بوسیدہ۔ در دیوار پر کہیں کہیں نیلا رنگ نظر آ رہا تھا ورنہ وہ بے رنگ تھا۔ دیکھنے ہی سے ایک حسرت ہی برستی محسوس ہوتی تھی۔ حسرت کی اس تصویر کے سامنے میں رک گیا اور میں نے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحے بعد ایک بچی نے دروازہ کھولا..... بارہ تیرہ سال کی لڑکی تھی۔ نقوش انتہائی حسین' جن کا اس مکان میں تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور میں نے سلام کا جواب دے کر فرحت اللہ کے بارے میں پوچھا۔

"ابو بیمار ہیں۔ آپ کو جو کام ہو بتا دیں۔" بچی نے کہا۔

"ان سے ملنا ہے' بیٹے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا نام بتا دوں' آپ کا؟"

"منصور....."

"جی میں اطلاع دیتی ہوں۔" وہ اندر چلی گئی۔ لڑکی کے لہجے سے شرافت کا پتہ چلتا تھا۔ وہ چند لمحے بعد واپس آئی اور بولی۔ "آیئے اندر تشریف لے چلیے۔"

میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ چھوٹے سے صحن سے گزر کر ایک کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں ایک طرف پلنگ بچھا ہوا تھا۔

"تشریف رکھیے انکل..... ابو ابھی آ رہے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ پلٹی اور دروازے سے غائب ہو گئی۔ میں نے کمرے پر نگاہ ڈالی۔ ان چند کرسیوں اور اس کے سوا یہاں کچھ نہیں تھا۔ میں ایک کرسی پر بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ چند لمحے بعد ایک اندر داخل ہوئے۔ سفید ریش' خمیدہ کمر اور چہرے سے نقاہت ٹپک رہی ..... میں نے سلام کیا اور نہایت تپاک سے جواب ملا۔

"بیٹھو بیٹے..... خدا خوش رکھے۔ بیمار ہوں' اس لئے کچھ آداب کی پیروی نہ ہو گی۔ محسوس مت کرنا۔" بزرگ پلنگ پر بیٹھ گئے۔ میں خاموشی سے ان کا جائزہ لیتا ..... جب وہ آرام سے بیٹھ گئے تو میں نے کہا۔

"میرا نام منصور ہے۔"

"ہاں..... صفیہ نے بتایا ہے لیکن بیٹے میں تمہیں پہچان نہیں سکا۔"

"میں پہلی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ نہ جانے کون سا جذبہ مجھے لے آیا ہے۔ اگر آپ برا نہ محسوس کریں تو میں آپ کی زندگی کے بارے میں چند ..... کرنے کا خواہشمند ہوں۔ کیا آپ میری اس احمقانہ جرات کی پزیرائی کریں گے؟" نے پوچھا۔

بزرگ نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھنے لگے پھر آہ بھر کر بولے۔ "یہ گھر اس محلے کا سب نام گھر ہے۔ اگر تم نے کسی سے اس کے بارے میں پوچھا ہو گا تو ہماری اوقات کا لگا لیا ہو گا۔ چنانچہ اب یہاں صرف جواب ملتے ہیں بیٹے! سوالات کرنے کا حق ہم کھو ..... تم سوال کرو۔ ہم یہ نہیں پوچھیں گے کہ سوال کیوں کیا گیا ہے۔" بزرگ نے دیا۔ ان کے لہجے کے اضمحلال سے میرا دل بھر آیا۔ بڑی مایوسی تھی' ان الفاظ میں۔ ے زیادہ مایوسی اور بے بسی کا اظہار ممکن نہیں تھا۔ چند لمحے میں ان الفاظ کے غم آلود کھویا رہا پھر میں نے کہا۔

"یہ گھر بدنام کیوں ہے؟"

"مشیت ربی..... کون جانے اس کے اس امتحان میں کیا بہتری پوشیدہ ہے۔" نے جواب دیا۔

"میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔"

"ہمارے زخم برہنہ ہیں۔ یہ تو روز روشن کی طرح سب پر عیاں ہے۔ کسی سے چھپے لیتے۔ لوگوں کا یہی احسان کیا کم ہے کہ انہوں نے ہم سے یہ چھت نہیں چھینی۔ ..... کے بدلے میں وہ ہمارے بارے میں کچھ بھی کہنے کا حق رکھتے ہیں۔ اگر ہم سے ..... چاہتے ہو تو سنو..... ہماری مرحومہ بیٹی کو بدکار سمجھا جاتا ہے اور اس کی یہی بے ..... جس میں ہم سب شریک تھے' اس کے قتل کا سبب بن گئی۔ ہمارا بیٹا چور تھا۔

ایک گھر میں چوری کرنے گیا تھا' گرفتار ہو گیا کیوں کہ گھر کے مالک پر قاتلانہ حملہ بھی
اس نے' اس لئے چوری کی سزا کے ساتھ ساتھ قتل عمد کی سزا بھی ملی۔ تین سال کی
ہوئی ہے اسے۔" بزرگ نے بتایا۔

میرا دماغ جھنجنا کر رہ گیا۔ آہ..... یہ بدنصیب گھرانہ شدید غموں کا شکار تھا
بیٹے کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ چنانچہ میں نے سوال کیا۔

"کیا نام ہے' آپ کے بیٹے کا؟"

"عظمت اللہ..... لیکن وہ اس نام کا مذاق ہے۔ ایک چور' اس نام کا مالک
ہو سکتا۔ تم اسے نفرت کہہ سکتے ہو۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"آپ کی بیٹی کا نام رقیہ تھا؟"

"ہاں..... یہی نام تھا اس بدنصیب کا۔"

"کتنے عرصہ قبل وہ قتل ہوئی؟"

"تین سال پورے نہیں ہوئے ابھی۔ اگر پورے ہو جاتے تو شاید ہمیں تمہار
سوالوں کا جواب نہ دینا پڑتا کیونکہ عظمت واپس آ چکا ہوتا۔"

"محترم..... اجنبی بلاشبہ اس قابل نہیں ہوتے کہ انہیں راز دار بنایا جا
لیکن میرے کسی سوال میں کوئی تضحیک کا پہلو پوشیدہ نہیں۔ میں بصد احترام آپ سے
سوالات کر رہا ہوں اور آپ نے کچھ کھویا نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں بیٹے۔ طویل عرصے بعد اس مکان کے دروازے پر ایک
شخص نے دستک دی ہے جو قرض خواہ یا لعنت ملامت کرنے نہیں آیا بلکہ ایک مہ
دوست کی حیثیت سے آیا ہے اور ہمارے احترام کی بات کرتا ہے۔ تم ہمارے لئے بے
معزز مہمان ہو۔ ہم تمہاری مدارات کرنے کے قابل نہیں ہیں لیکن تمہارے سوالات
خواہش پوری کر کے ہی دل مطمئن کر لیں گے۔" بزرگ کی آواز بھرا گئی۔

"آپ کا بیٹا کیا کرتا تھا؟"

"میں ریلوے میں ملازم تھا۔ دوسروں کی طرح میں نے بھی مستقبل کی بہتری
خواب دیکھے تھے۔ عظمت بی۔ اے کرنے کے بعد بہتر ملازمت کی تلاش میں تھا کہ یہ حا
پیش آ گیا۔ اس کے بی۔ اے کرنے سے قبل ہی میں ریٹائر ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ ٹیوشن
کے کما لیتا تھا..... ارادہ تھا کہ بی۔ اے کے بعد کوئی اچھی ملازمت کرے گا لیکن تقدیر
گوارہ نہ ہوا۔ اب پینشن ملتی ہے۔ یہی ہماری گزر بسر کا ذریعہ ہے۔ میں ہوں' میری بیو
ہے اور ایک اور بوجھ ہے..... خدا اسے نظر بد سے محفوظ رکھے۔ خدا کے علاوہ اس
حفاظت کرنے والا اب کوئی نہیں ہے۔" بزرگ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"آپ کی بیٹی پر بدکاری کا الزام کس نے لگایا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"حالات نے بیٹے۔ ہمارے پاس تردید کے لئے آواز نہیں تھی' اس لئے خاموش
ہو گئے۔"

"کیا وہ بھی پڑھتی تھی؟"

"ہاں۔ سال اول سے سال دوم میں آئی تھی۔ یہیں تک زندگی تھی۔"

"مسعود اختر کو جانتے ہیں آپ؟" میں نے پوچھا۔

"بوڑھے کا بدن کانپنے لگا۔ وہ بمشکل تمام برداشت کر رہا تھا لیکن اب اس کی
قوت برداشت جواب دے گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"میں آپ کو رونے سے نہیں روکوں گا فرحت اللہ صاحب! رولیں تاکہ دل کا
غبار نکل جائے کیوں کہ اس کے بعد آپ اتنی بے بسی میں کبھی نہیں روئیں گے۔ ہاں'
فرحت اللہ صاحب! پھر آپ کبھی اس طرح نہیں روئیں گے۔"

"زخم دیکھ لو بیٹے! ان پر نمک پاشی کیوں کر رہے ہو؟" وہ روتے ہوئے بولے۔

"میں ان زخموں پر نمک نہیں بلکہ تیزاب لگانے آیا ہوں تاکہ تکلیف انتہا کو
پہنچ جائے اور انتہا کے بعد تکلیف ختم ہو جاتی ہے سارے جراثیم جل جائیں گے اور زخم
ٹھیک ہو ہی جائیں گے۔ سمجھے' فرحت اللہ صاحب! میں آپ کے زخموں کو مندمل کرنے آیا
ہوں۔"

"ابھی نہیں میرے بیٹے..... ابھی نہیں۔ عظمت کو آ جانے دو۔ میں اپنا بوجھ
اسے دے دوں پھر مجھے کوئی بھی غم نہیں ہو گا۔ مجھے ابھی نہ مارو۔" بزرگ بدستور روتے
ہوئے بولے لیکن میں پتھر بن گیا تھا۔

"مسعود اختر کو آپ کس طرح جانتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نہیں جانتا تھا۔ رقیہ نے مجھے بتایا تھا کہ ایک نوجوان اسے پریشان کرتا ہے۔
کسی بڑے آدمی کا بیٹا ہے۔ بے حد خود سر اور بدتمیز..... میں نے عظمت کو سمجھا بجھا کر
بھیجا کہ بیٹے جھگڑے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسے بس یہ احساس دلا دینا کہ غریبوں کی
بھی عزت ہوتی ہے۔ عظمت اس سے ملا اور وہ عظمت کے ساتھ سخت بدتمیزی سے پیش
آیا۔ اس نے کہا کہ عزت گھر میں محفوظ رکھو' اور میں نے اس دن سے رقیہ کے باہر جانے
پر پابندی عاید کر دی' لیکن تقریباً ایک ماہ بعد جب رقیہ ایک دن اپنی سہیلی کے ہاں گئی تو
مسعود اختر نے زبردستی اسے اپنی کار میں ڈال لیا اور اسے ساتھ لے گیا۔ رقیہ کی سہیلی نے
مسعود کی کار کا نمبر نوٹ کر لیا تھا ہم نے بھاگ دوڑ کی۔ پولیس میں رپورٹ کی لیکن رقیہ نہ
مل سکی۔ پولیس نے رپورٹ لکھنے سے انکار کر دیا۔ شیخ جمال الدین بہت بڑا آدمی تھا اور
اس کا بیٹا انتہائی معصوم..... پولیس نے صاف کہہ دیا کہ کار کا نمبر دیکھنے میں غلطی ہوئی
ہے۔ مسعود اختر تو اغوا والے دن شہر ہی میں نہیں تھا..... پھر ایک سنسان علاقے میں رقیہ

کی لاش مل گئی۔ اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ اخبارات نے خبر شائع کی تھی کہ ایک بدکار لڑکی کو اس کے آشناؤں نے قتل کر دیا۔ کوئی گرفتار نہیں ہوا اور پولیس ہمیں پریشان کرتی رہی۔ ہم سے سختی سے کہہ دیا گیا تھا کہ مسعود اختر پر الزام نہ لگایا جائے۔ عظمت نوجوان تھا اور اپنی بہن سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اس حادثے کے بعد تو وہ بے خوابی کا شکار ہو گیا تھا اور ایک رات جذبات سے بے قابو ہو کر وہ شیخ جمال الدین کی کوٹھی میں داخل ہو گیا لیکن غریب انسان کی تقدیر میں ناکامیوں کے سوا کیا ہوتا ہے۔ وہ گرفتار ہو گیا۔ چوری اور قاتلانہ حملے کے الزام میں تین سال قید کی سزا سنا دی گئی ہے۔ یہ ہے ہماری کہانی۔" فرحت اللہ نے کہا اور خاموش ہو گئے۔

میرا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا..... بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک اور منصور جیل میں تھا۔ ایک اور گھرانہ تباہی کا شکار تھا۔ ایک اور عفریت نے ایک ہنستے بستے گھر کا سکون نگل لیا تھا۔ کافی دیر تک وہ غم انگیز کیفیت کا شکار رہا اور پھر میں نے پوچھا۔ "آپ عظمت سے ملاقات کے لئے جیل جاتے ہیں۔"

"ابتدا میں کئی بار گیا تھا۔ اس وقت میں بیمار نہیں تھا لیکن پھر سخت بیمار پڑ گیا اور کوئی ایسا نہیں ہے جو خبر گیری کر سکتا۔ اب تو ڈیڑھ سال سے زیادہ ہو گیا ہے۔ ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔" فرحت اللہ نے جواب دیا۔

"پڑوس کے لوگ آپ سے تعاون نہیں کرتے؟"

"پہلے کرتے تھے پھر یوں ہوا کہ میں بیمار پڑ گیا۔ چند لوگوں نے ہمارے حالات دیکھ کر تھوڑی بہت مدد کی لیکن بہت جلد انہیں احساس ہو گیا کہ بات ایک دو دن کی نہیں ہے' طویل عرصے کا معاملہ ہے اس لئے وہ اس بگانگت پر گھاٹے میں رہیں گے لیکن دور ہونے کے لئے انہوں نے غلط طریقوں کا انتخاب کیا۔ مظلوم رقیہ پر الزام تراشی کی گئی۔ عظمت کو سزا ہی چوری اور قاتلانہ حملے کے الزام میں ہوئی تھی چنانچہ آہستہ آہستہ ہمارا شمار بدنام لوگوں میں ہونے لگا۔ شکر ہے' صفیہ ابھی چھوٹی ہے ورنہ..... ورنہ..... !" بزرگ کی آواز پھٹنے لگی اور انہوں نے بمشکل آنسو روکے۔

میں ذہن میں بہت سے فیصلے کر رہا تھا پھر میں نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"گزر اوقات کا ذریعہ صرف پینشن ہے؟"

"ہاں بیٹے ! خدا کا شکر ہے کہ اس نے یہ چھوٹا سا سہارا دے رکھا ہے' ورنہ خدا جانے کیا حال ہوتا ہمارا۔" فرحت صاحب نے کہا۔

میں تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر میں نے اٹھتے ہوئے کہا "بہت بہتر محترم مجھے اجازت دیں۔ ہاں اگر مناسب سمجھیں تو یہ تھوڑی سی رقم رکھ لیں۔ میں آپ کے لئے بہت کچھ کروں گا لیکن پہلے سے آپ کو اس کے بارے میں بتاؤں گا نہیں اور یہ بھی نہیں

بتاؤں گا کہ میں یہ سب کچھ کیوں کر رہا ہوں۔ صرف ایک عرض کروں گا کہ اس کے پیچھے کوئی برا جذبہ یا آپ کو کوئی نقصان پہنچانا مقصود نہیں ہے۔"

"بیٹے ! انسان کے پاس صرف چند چیزیں ہوتی ہیں۔ عزت' وقار اور دولت..... انہی چیزوں کو نقصان پہنچتا ہے اور انسان انہی کی حفاظت کے لئے فکر مند رہتا ہے۔ ہمارے پاس ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے پھر نقصان کسے پہنچے گا۔ رہی اس رقم کی بات تو یقین کرو۔ ایک شے ہم نے اپنے پاس پوشیدہ رکھی ہے۔ کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی' ہم نے۔ ورنہ ہم سے وہ بھی چھین لی جاتی اور وہ ہے ہماری انا..... تو میرے بیٹے تم دوست بن کر آئے ہو تو ہم سے ہماری انا نہ چھین کر لے جاؤ' ورنہ دوسروں میں اور تم میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ ہم بھوکے نہیں ہیں۔ گزر ہو رہی ہے۔ جب اس قابل نہیں رہیں گے تو ضرور بھیک مانگنے لگیں گے۔"

میں نے خاموشی سے نوٹ جیب میں رکھ لئے۔ میں ان زندہ لوگوں کو نہیں لوٹ سکتا تھا' جو ان حالات میں بھی صبر و سکون سے جی رہے تھے۔ بڑی بات تھی۔ میں واپسی کے لئے اٹھ گیا تو وہ بزرگ بولے۔

"اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتاؤ گے بیٹے؟"

"میرا ناک منصور ہے محترم۔ میں آپ کے اس چھوٹے سے خاندان سے بے پناہ ہمدردی رکھتا ہوں۔ اگر آپ کے لئے کچھ کر سکا تو بعد میں اپنا تفصیلی تعارف کرا دوں گا۔ ورنہ بے کار ہے۔" میں نے کہا اور انہیں حیران چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ ظاہر ہے انہیں اپنے بارے میں' میں کیا بتاتا..... ویسے ان کی داستان سے میرا دل دہل گیا تھا۔ کافی دیر تک سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا پھر ایک ہوٹل میں جا بیٹھا۔ چائے طلب کر کے میں خیالات میں ڈوب گیا۔ اب دوسرا اقدام کیا ہونا چاہیئے۔ نوجوان عظمت کی سزا نہ جانے کتنی رہ گئی ہے۔ کس طرح اس سے ملاقات کی جائے؟ یا اس کے لئے چمن بہتر رہے گا۔ چائے ختم کر کے میں نے بل ادا کیا اور باہر آ گیا۔ اب میرا رخ چمن کے ٹھکانے کی طرف تھا۔

○

چمن نے میرا پرتپاک استقبال کیا۔ حسب معمول اپنے اڈے میں بیٹھا ایک کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ "آؤ جان من ! کہو' کیسی گزر رہی ہے؟" اس نے مسکراتے

"بس چمن..... دوستوں کی محبت کے سہارے جی رہا ہوں۔ ایک کام سے آ
ہوں۔"

"سو جان سے کہو۔" چمن بولا۔

"طارق کے بارے میں تمہیں معلوم ہی ہے' اس کے پاس سے کچھ کاغذات ملے تھے۔ ان کاغذات میں مجھے ایک کہانی ملی ہے۔ تم بھی سوچو گے چمن کہ میرا کردار کیا ہے۔ خود ایک الجھا ہوا انسان ہوں اور دوسروں کی الجھنوں میں پاؤں پھنساتا پھر رہا ہوں۔ اس کے لئے میں مسلسل تمہیں بھی پریشان کرتا ہوں۔"

"شہزادے! غور سے ایک بات سنو اور آئندہ کے لئے الجھنوں سے نجات پالو۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ سیٹھ جبار سے میری بھی دشمنی ہے۔ میں نے خود آج تک اس کے خلاف کچھ نہیں کیا اور اس کی بھی چند وجوہ ہیں جن کی تفصیل میں تمہیں نہیں بتا سکوں گا لیکن میں نے تمہیں اپنا قائم مقام بنا دیا ہے۔ جو دل چاہے کرو' جہاں میری مدد کی ضرورت ہے' وہاں تکلف مت کرو۔ باقی رہے' دوسروں کے معاملات..... تو یہ تمہارا ذاتی فعل ہے اور میں۔ اس میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔ مجھ سے جو امداد چاہو بلا تکلف مجھے بتایا کرو۔ بولو کیا بات ہے؟"

"جیل میں ایک قیدی سے ملاقات کرنی ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"چوری اور قاتلانہ حملے کے الزام میں تین سال کی قید کاٹ رہا ہے۔ نام عظمت ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم تنہا جاؤ گے یا میں بھی چلوں؟"

"جیسا تم پسند کرو۔"

"تو پھر یوں کرو' میں تمہیں جیلر کے نام ایک پرچہ دے دیتا ہوں۔ تم چلے جاؤ' وہ تمہاری مدد کرے گا۔ میری اس سے شناسائی ہے۔"

"بہتر ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔ چمن نے کاغذ قلم اٹھا کر مجھے ایک پرچہ لکھ دیا۔ اس میں اس نے لکھا تھا کہ میں عظمت کا رشتے دار ہوں اور اس سے ملاقات کا خواہش مند ہوں۔ پرچہ لے کر میں باہر نکل آیا۔ جیل سے بہت دور میں نے کار روکی تھی اور پھر نیچے اتر کر پیدل چل پڑا۔ جیلر تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ تھوڑی سی رقم نے ہر مشکل حل کر دی تھی..... البتہ جیلر شریف آدمی تھا۔ چمن کا خط دیکھ کر اس نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے تم قانوناً بھی اس سے مل سکتے ہو۔ اس پرچے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں بندوبست کئے دیتا ہوں۔" تھوڑی دیر بعد میں عظمت کے سامنے تھا۔ وہ بلند

قامت اور خوب صورت نوجوان تھا۔ چہرے پر شرافت اور معصومیت تھی لیکن جیل کی زندگی نے اس کی صحت خراب کر دی تھی۔ اس نے اجنبی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"میں آپ کو نہیں جانتا۔" وہ بولا۔

"ہاں عظمت..... میں تمہارے لئے اجنبی ہوں لیکن کیا حرج ہے' اب شناسائی ہی۔ تمہاری سزا کتنی باقی رہ گئی ہے۔"

"دو ماہ..... کیوں کہ چھ ماہ کی سزا معاف ہو گئی ہے۔"

"اوہ..... یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ جیل سے نکل کر تم کیا کرو گے؟" میں نے پوچھا۔

"بڑا عجیب سوال ہے..... اور آپ یقین کریں' اس کا کوئی جواب میرے پاس نہیں ہے۔ میں اپنے والدین کے پاس جاؤں گا اور اس کے بعد کوشش کروں گا کہ ان کے دکھوں کا مداوا کر سکوں۔"

"خدا تمہیں کامیاب کرے۔ ویسے آج میں تمہارے والد صاحب سے بھی ملا ہوں۔"

"ملے ہو..... خدا کی قسم' میں ان کے لئے بہت پریشان ہوں۔ طویل عرصے سے ان کی کوئی خیریت نہیں ملی۔ میں نے تین خط بھی لکھے تھے لیکن ان کا مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ جلدی بتاؤ' وہ کیسے ہیں؟" عظمت نے بے چینی سے پوچھا۔

"بالکل خیریت سے ہیں۔ فرحت اللہ صاحب کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ صفیہ اور تمہاری امی خیریت سے ہیں۔ پینشن کی رقم برابر ملتی ہے جس سے ان کا گزارہ ہو جاتا ہے۔"

"سب ٹھیک ہیں۔ خدا کا شکر ہے میرے دوست۔ تم نے میرا دن رات کا کرب دور کر دیا ہے۔ میں نے کئی لوگوں سے کہا تھا کہ وہ مجھے میرے والدین کی خیریت سے آگاہ کریں لیکن اس دنیا میں ایک دوسرے سے اس قدر بے نیازی ہے کہ کوئی کسی کو یاد نہیں رکھتا۔ میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے ان کے بارے میں اطلاع دی۔"

"کوئی بات نہیں' دوست! میں کوشش کروں گا کہ تمہاری یہ سزا بھی ختم ہو جائے۔ بہرحال اگر یہ ممکن نہ ہو سکا تو دو ماہ کے بعد جب تم یہاں سے آزاد ہو تو مجھ سے اس پتے پر رابطہ قائم کرنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔" میں نے اسے چمن کا پتہ بتا دیا اور عظمت نے پتہ ذہن نشیں کر لیا۔

"یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم کون ہو؟"

"میرا نام منصور ہے۔ بس اتفاق سے تمہارے حالات معلوم ہو گئے اور میں ملنا ہمدردی کے ناتے' تمہارے والد سے اور پھر تم سے ملنے آیا ہوں۔"

"خدا تمہیں اس کا صلہ دے گا۔ تم نے مجھے بڑا حوصلہ دیا ہے۔"

"یوں لگتا ہے عظمت کہ انسان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ دوسروں کے ہاتھوں میں کھیلتا ہے اور پھر حالات اسے نہ جانے کیا بنا دیتے ہیں۔ بہرحال' ٹھیک ہے میرے دوست ! کچھ لوگوں نے مجھے سنبھالا ہے۔ میں بھی اپنا فرض پورا کرنا چاہتا ہوں۔ خدا حافظ....."

میں وہاں سے نکل آیا۔ ایک بار پھر میں نے فون پر چمن سے رابطہ قائم کیا۔

"میں اس سے مل چکا ہوں' چمن ! جیلر نے تمہاری وجہ سے مجھ سے تعاون کیا ہے۔ کیا تمہارے اس سے بہت گہرے تعلقات ہیں؟"

"میرے بارے میں جانتے ہو منصور ! مجھ کام میں کرتا ہوں' اس کے سلسلے میں تعاون کرنے والے میرے کاروباری لوگ ہی ہوتے ہیں۔ پولیس اور جیل..... میرا کاروبار انھی دائروں میں گھومتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں سے کاروباری تعلقات ہی ہیں۔"

"تب اگر ممکن ہو سکے تو ایک کام اور کر دو چمن !"

"ہاں کہو۔"

"عظمت کو تین سال کی سزا ہوئی تھی۔ چھ ماہ کی سزا معاف کر دی گئی اور اب صرف دو ماہ رہ گئے ہیں۔ کسی طرح یہ دو ماہ بھی ختم کرا دو۔ خواہ اس سلسلے میں کچھ بھی کیوں نہ خرچ ہو۔ میری خواہش ہے کہ اب وہ جیل میں نہ رہے۔"

"ہوں..... اگر دو ماہ رہ گئے ہیں اور جیل میں اس کا چال چلن بہتر ہو تو شاید یہ کام ممکن ہو جائے۔ ٹھیک ہے' میں جیلر سے بات کر کے تمہیں اطلاع دوں گا۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ' چمن ! تمہیں یہ کام کسی نہ کسی طور کرنا ہے۔"

"اطمینان رکھو' پوری کوشش کروں گا۔" چمن نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں نے گھر کا رخ کیا تھا۔ ایاز موجود تھا اور میرا انتظار کر رہا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے بھیا..... وہ تو اسپتال سے جا چکا ہے۔"

"ہاں ایاز ! معلوم ہو چکا ہے۔"

"یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے؟" ایاز نے پوچھا۔

"سیٹھ جبار لے گیا ہے' اسے؟" میں نے کہا اور ایاز مسکرانے لگا۔

"اس کا مطلب ہے' تمہارا محکمہ جاسوسی بہترین طریقے سے کام کر رہا ہے۔"

"اس کا ہاتھ ناقابل علاج ہے اور بہت جلد اسے کاٹ دیا جائے گا۔" میں نے کہا۔

"اچھا ہے۔ اس جیسے کمینے انسان کا یہی انجام ہونا چاہیئے۔ وہ بھیا..... آج شام کو ذرا اجازت دے دو۔"

"ہاں' ہاں ضرور..... کہاں جانا ہے؟"

"وہ مل گئی تھی سسری۔ آج شام کو اس کے ساتھ پکچر دیکھنی ہے۔"

"اوہ..... ٹھیک ہے۔ ضرور دیکھو۔ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

"ارے نہیں بھیا..... ہم جیسے لچے لفنگے اس قابل کہاں کہ ایسے نیک کام کریں۔ ہاں اگر کبھی خود کو شریف زادہ سمجھ بیٹھے تو ضرور کوشش کریں گے..... تو میں جاؤں؟" ایاز نے پوچھا اور میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

ایاز کے جانے کے بعد میں آج کے واقعات کے بارے میں غور کرنے لگا۔ فرحت اللہ کی کہانی بے حد دردناک تھی۔ میں ان لوگوں کی مدد کرنے کا خواہش مند تھا۔ گھائل کا دکھ گھائل ہی جان سکتا تھا۔ غیرت مند لوگ تھے لیکن کس طرح کچل کر رہ گئے تھے۔ ان پر بھی عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا لیکن اب میں انہیں کسمپرسی کا شکار نہ رہنے دوں گا۔ ممکن ہے کسی نیکی کے عوض میری جنت مجھے مل جائے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی سے سوچتا رہا پھر میں نے لیڈی جہانگیر کے دفتر فون کیا اور اس سے جلدی رابطہ قائم ہو گیا۔

"منصور بول رہا ہوں۔"

"خیریت دوست....." لیڈی جہانگیر کے لہجے کی تبدیلی صاف محسوس ہوئی تھی۔

"بالکل خیریت..... کیا کر رہی ہیں؟"

"پوری توجہ سے آج ہی دفتری امور پر توجہ دی ہے۔ سب لوگ حیران حیران سے ہیں۔" وہ ہنس کر بولی۔

"میری مسرتوں میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ میں نے ایک دوسرا کام شروع کر دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"فون پر نہیں بتا سکتا۔ آج آپ یہاں آ جائیں گل ! میں تفصیل سے بتاؤں گا۔"

"پتہ سمجھا دو۔ میں پانچ بجے پہنچ جاؤں گی۔" لیڈی جہانگیر نے کہا اور میں نے اسے اپنے مکان کا محل وقوع بتا دیا تھا۔ "ٹھیک پانچ بجے پہنچوں گی۔"

"او۔ کے..... میں انتظار کروں گا۔" میں نے کہا اور فون ڈسکنکٹ کر کے شیرازی کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف رمضان ہی ملا تھا۔ اس نے بتایا سرخاب بی بی آئی تھیں۔ اپنے کپڑوں کے دو سوٹ کیس لے گئی ہیں' کہہ رہی تھیں' کہیں باہر جا رہی ہیں' چند روز کے لئے۔"

"اوہ..... میرے فون کے بارے میں بتایا تھا؟"

"ہاں..... پوچھنے لگیں کہ کوئی پتہ یا فون نمبر دیا ہے۔ میں نے انکار کر دیا۔"
"کب تک واپس آئیں گی' یہ نہیں بتایا؟؟"
"نہیں صاحب! یہ نہیں معلوم' لیکن کافی سامان لے کر گئی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کافی دن بعد آئیں گی۔" ملازم نے بتایا اور میں نے فون بند کر دیا۔

○

شام کو پانچ بجے لیڈی جہانگیر کار میں پہنچ گئی۔ میں نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا...... وہ مسکراتی ہوئی اندر آ گئی اور میں نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔
"عمدہ جگہ ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا...... اور میں بھی مسکرانے لگا۔
"ہاں' اب اس دوسرے کام کی تفصیل شروع کر دو۔ میں بے تاب ہوں۔" اس نے کہا۔
"میں نے آپ کو بتایا تھا گل! کہ آپ کے کاغذات کے ساتھ مجھے کچھ اور کاغذات بھی ملے ہیں' جن کے ذریعے طارق دوسرے لوگوں کو بھی بلیک میل کر رہا تھا۔ ان کاغذات میں مجھے ایک دستاویز ملی ہے جو کسی شیخ جمال کی ہے....."
میں نے لیڈی جہانگیر کو شروع سے آخر تک کی تفصیل بتائی اور لیڈی جہانگیر آبدیدہ ہو گئی۔ وہ بھی ان لوگوں کی غمناک کہانی سے بے حد متاثر ہوئی تھی۔ پھر اس نے آنسو خشک کر کے کہا۔
"میں جانتی ہوں منصور! تمہارے اندر ایک ہمدرد انسان چھپا ہوا ہے۔ اگر تم حالات کا شکار نہ ہوتے تو نہ جانے کیا ہوتے۔ جوں جوں وقت گزر رہا ہے' میرے دل میں تمہاری عزت بڑھتی جا رہی ہے۔ کیا تمہارے خیال میں عظمت رہا ہو جائے گا۔"
"چمن نے وعدہ تو کیا ہے۔ مجھے یقین ہے' وہ پوری کوشش کرے گا۔"
"اس کے بعد کیا کرو گے ان لوگوں کے لئے؟"
"آپ سے بھی کچھ امداد چاہوں گا گل!"
"حکم دو۔ میں دل و جان سے تیار ہوں۔"
"عظمت کو بہتر ملازمت دینا ہو گی۔"
"نہیں...... میں کچھ اور سوچ رہی ہوں۔" گل نے کہا۔
"کیا؟"
"اگر وہ اتنے اچھے لوگ ہیں تو پھر انہیں اس علاقے میں بھی نہیں رہنا چاہئے جہاں پر لوگ انہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ فرحت اللہ تو یہ باتیں برداشت کر گیا لیکن جوان خون یہ باتیں نہیں برداشت کر سکے گا۔ ممکن ہے' عظمت سچ مچ کوئی جرم کر کے

مصیبت کا شکار ہو جائے۔"
"لیکن پھر کیا کیا جا سکتا ہے۔"
"تم اگر مناسب سمجھو تو انہیں یہاں لے آئیں۔ میری تنہائی بھی دور ہو جائے ۔ مجھے اب ہنگاموں سے دلچسپی ہو گئی ہے۔"
"اچھا خیال ہے۔ اگر اس طرح ایک خاندان کو بہتر زندگی مل جاتی ہے تو اس ے اچھی کوئی بات نہیں ہے گل!"
"بس تو ٹھیک ہے۔ باقی حالات تم مجھ پر چھوڑ دو اور ہاں...... مجھے ان کا پتہ بتا ۔ اگر چمن اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوتا تو پھر میں اپنے طور پر کوشش کروں گی۔"
"آپ میری عظمت کے گن گاتی ہیں گل! حالانکہ آپ بذات خود فرشتہ سیرت ں۔ مجھے تو بس رہ رہ کر ایک بات پر افسوس ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر آپ جیسی فرشتہ ت خاتون مجھے پہلے مل جاتیں تو کیا میں ایک اچھا انسان نہیں ہوتا۔"
گل مسکرانے لگی...... پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "سچی بات تو یہ ہے منصور! اس ت تمہاری شخصیت میں یہ نکھار نہ ہوتا بس اس میں ایک غمناک پہلو امی اور فریدہ کی ندگی کا ہے ورنہ تم کندن بن گئے ہو اور میں تمہیں یقین دلاتی ہوں منصور! کہ ایک نہ ک دن وہ ضرور مل جائیں گی۔ خدا تم جیسے نیک سیرت انسان کو ایسا کوئی دکھ نہیں دے ۔ دشمن انہیں کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔"
"خدا کرے ایسا ہی ہو گل۔ میں گزرے ہوئے تمام دکھوں کو بھول جاؤں گا۔"
"اچھا جناب...... یہ چند ضروری چیزیں آپ سنبھالیے۔" لیڈی جہانگیر نے پرس ول کر دو چابیاں نکالیں۔ "یہ چابی ایک فلیٹ کی ہے جو ساحل پر ہے۔ گرین شپ ٹ کا نام ہے اور فلٹ نمبر گیارہ۔ یہ دوسری چابی ایک مکان کی ہے' اس کا پتہ میں آپ سمجھائے دیتی ہوں۔ دونوں جگہ فون موجود ہے۔ یہ جگہیں آپ کی رہائش گاہ بلکہ خفیہ وں کے طور پر استعمال ہوں گی اور یہ کچھ پاس بکیں اور چیک بکیں ہیں۔ میں نے پانچ ف برانچوں میں آپ کے نام سے اکاؤنٹ کھولے ہیں۔ آپ کسی وقت جا کر کاغذات پر خط کر آئیں۔ میں نے بینکوں کے ذمے دار افراد کو سمجھا دیا ہے۔"
"جی......" میں نے گردن جھکا کر گہری سانس لی۔
"لیکن جناب منصور صاحب! ایک آخری بات اور عرض کر دوں۔ اگر آپ نے پیوں کے خرچ میں کسی بخل سے کام لیا تو میں یہ شہر چھوڑ کر خاموشی سے چلی جاؤں گی خدا کی قسم پھر کبھی یہاں واپس نہیں آؤں گی۔ ذرا اس کا خیال رکھیں۔"
"نہیں گل...... میں آپ کے خلوص کا مذاق نہیں اڑاؤں گا۔ لیکن اس کے ہی گل! میں اور جگہوں سے بھی کچھ رقم حاصل کروں گا۔ جیسے شیخ جمال اور اس کے

بعد دوسرے لوگوں کو بھی دیکھ لوں گا۔"

"ہاں یہ کوئی حرج نہیں..... اس کے علاوہ آپ نے آدمیوں کے سلسلے میں کوئی کوشش کی ہے۔"

"نہیں..... میں تو اسی سلسلے میں مصروف رہا۔ پہلے اس سے نمٹ لوں۔ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چاہتی ہوں۔ لوگ تمہارے لئے مستعد رہیں۔ تمہیں کسی طور اس دجال سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔" لیڈی جہانگیر نے کہا۔

میں نے حسینہ سے چائے کے لئے کہہ دیا تھا۔ چنانچہ وہ تھوڑی دیر بعد چائے لے آئی اور لیڈی جہانگیر خود چائے بنانے لگی۔ حسینہ کو اس نے بھی پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا اور اس سے چند باتیں بھی کیں۔ حسینہ کی باتوں پر وہ بھی خوب ہنسی تھی۔ اس نے رات کے کھانے کے لئے بھی حسینہ سے فرمائش کی اور حسینہ نے بڑی سعادت مندی سے گردن ہلا دی۔

"تمہیں کہیں جانا تو نہیں ہے منصور! جانا ہو تو چلے جاؤ۔ میرا تو ابھی جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اطمینان سے جاؤں گی۔" لیڈی جہانگیر نے کہا۔

"نہیں گل! آپ یقین کریں' کوئی کام نہیں ہے۔" میں نے کہا اور وہ دنیا جہان کی باتیں کرتی رہی۔

تقریباً سات بجے چمن کا فون موصول ہوا۔

"میں نے تمہارا کام کر دیا ہے منصور..... لیکن ابھی چار دن لگیں گے۔ پانچویں دن گیارہ بجے اسے رہا کر دیا جائے گا۔"

"اوہ چمن..... بہت بڑی خوش خبری ہے' میرے لئے۔"

"اور کوئی حکم سرکار؟"

"شرمندہ کر رہے ہو مجھے..... تو پھر میں اس کے استقبال کی تیاریاں کر لوں۔"

"ضرور..... اس کے علاوہ اور کوئی کام منصور؟ میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں۔"

"نہیں چمن! اگر کوئی ہو گا تو ضرور بتاؤں گا۔" میں نے جواب دیا اور پھر یہ بات لیڈی جہانگیر کو بھی بتا دی۔ وہ بھی بہت خوش ہوئی تھی۔ دس بجے کے قریب ایاز آ گیا۔ لیڈی جہانگیر کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ میں نے اس کا تعارف کرا دیا۔ تقریباً گیارہ بجے کھانا کھا کر لیڈی جہانگیر رخصت ہو گئی۔ میں نے اسے چھوڑنے کی پیش کش کی تھی' لیکن اس نے قبول نہیں کی۔ اس کے جانے کے بعد ایاز مسکرانے لگا۔

"تم انھی کے ہاں ملازمت کرتے تھے بھیا؟"

"ہاں ایاز۔ ..... بڑی نیک عورت ہے۔ اس نے میرے لئے وہ کچھ کیا ہے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اتنے سارے ہمدرد مل گئے ہیں ایاز! کہ اب تو حسرت ہونے لگی ہے اس بات کی کہ کاش امی اور فریدہ بھی مل جائیں تو کتنی خوشیاں بیک وقت یکجا ہو جائیں۔ یہ دیکھو' اس نے میرے نام کے اکاؤنٹ کھولے ہیں اور یہ رقم اس لئے ہے کہ میں اپنے کام کے لئے ایسے لوگوں کو ملازم رکھوں جو میرے محافظ ہوں۔ کتنی رقم لکھی ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی۔" میں نے کہا اور پاس بکیں اٹھا کر دیکھنے لگا۔ مجموعی طور پر تمام بینکوں میں دس لاکھ روپے جمع کئے گئے تھے۔ میری آنکھیں پھیل گئیں۔ ان رقومات کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کافی دیر تک میں عجیب سے احساسات میں ڈوبا رہا۔ ایاز بدستور مسکرا رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو۔ تب میں نے اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"کوئی بات ہے' ایاز؟"

"ہاں منصور بھیا! ہمت نہیں پڑ رہی۔"

"کہو... کیا بات ہے؟"

"عورت کی آنکھ سے کبھی سابقہ پڑا ہے' منصور بھیا؟"

"کوئی فلسفہ بیان کر رہے ہو؟"

"ہاں۔ کائنات کا سب سے قدیم فلسفہ..... آنکھوں کی زبان بہت مشکل اور بہت آسان ہوتی ہے۔ بعض اوقات چٹکی بجاتے ہی سمجھ میں آ جاتی ہے اور بعض اوقات زیرک ترین انسان بھی اسے نہیں پڑھ سکتا۔ چاہے تو برا ہی مان جاؤ بھیا لیکن ان خاتون کی آنکھیں تمہیں کچھ بتاتی ہیں۔ کچھ کہتی رہتی ہیں تم سے۔ ایاز تمہارا بازو ہے۔ کیا تم اس سے بھی اپنے سینے کا راز چھپاؤ گے۔"

"ایاز..... کیسی باتیں کر رہے ہو۔ صاف صاف کہو' جو کہنا چاہتے ہو؟"

"لیڈی جہانگیر آپ کو چاہتی ہیں بھیا۔ یہ جذبہ ان کی آنکھوں میں بول رہا ہے۔ تم اس جذبے سے آشنا ہو یا نہیں؟"

"اب تو بقراط کا ہم نشین بن رہا ہے ایاز..... اور قصور تیرا بھی نہیں ہے' میرے دوست۔ محبوبہ کی رفاقت کے نشے نے تیری کھوپڑی ناکارہ کر دی ہے۔ یہ نشہ اتر جائے تو عقل کی باتیں کرنے لگے گا۔"

"گویا تم اس بات کو تسلیم نہیں کر رہے ہو۔" ایاز نے کہا۔

"ہاں..... اس لئے کہ اس کا عقل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ایک نیک نفس اور بلند حوصلہ خاتون ہیں۔ میں ان کی بے پناہ عزت کرتا ہوں۔ یہ یگانگت صرف رحمدلی اور شکر گزاری کے طور پر ہے۔ کسی عورت کے لئے یہ سب سے مشکل کام ہے کہ وہ کسی کو اپنے خلوص کا یقین دلا سکے' دوسرا فوراً غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تب پھر بھیا! میں خاموشی اختیار کیے لیتا ہوں لیکن ایاز کی روزی ہی آنکھوں کا کھیل تھی۔ ہم جیب میں رکھی ہوئی رقم بھانپ لیتے ہیں اور اس بھانپنے کے فن میں اب اتنے طاق ہو گئے ہیں کہ ہر چیز بھانپ جاتے ہیں۔ چنانچہ پیارے بھائی! جب اظہار عشق ہو جائے تو ہمیں اس پیش گوئی پر داد ضرور دینا۔"

"نہیں ایاز! میں سنجیدہ ہوں۔ اس عورت کے بارے میں ایسا کوئی تصور ذہن میں نہیں آ سکتا۔ وہ ایک مخلص عورت ہے اور میرے لئے قابل احترام۔ اگر اس کے ذہن میں ایسا کوئی خیال پیدا ہو گیا تو مجھے سخت تکلیف ہو گی۔"

"یہ دوسری بات ہے۔ بہرحال میں یہ موضوع ختم کیے دیتا ہوں۔"

ایاز نے موضوع ختم کر دیا لیکن میں بستر پر لیٹ کر اس بارے میں سوچنے لگا۔ گل..... دردانہ گل' جہانگیر کی بیوی۔ اگر ایسے خیالات دل میں رکھتی ہے تو اچھا نہیں ہو گا۔ میں تو صرف اس کا احترام کرتا ہوں۔ اس کے ان احسانات کے عوض.... میں اسے کوئی ایسا مقام نہیں دے سکتا۔

دوسری صبح پینی نے حسب وعدہ فون کیا۔ رسمی گفتگو کے بعد اس نے بتایا کہ صورت حال کافی بگڑی ہوئی ہے۔ آج ڈاکٹر' طارق کا ہاتھ کاٹ دیں گے۔ سیٹھ جبار سخت غصے میں ہے اور میں اب مستقل طور پر طارق کی تیمار داری کے لئے مخصوص کر دی گئی ہوں۔"

"کیا سیٹھ جبار پریشان ہے؟"

"ہاں..... طارق اس کے لئے بے حد کار آمد تھا۔ رات کو اس کے پاس ایک شخص آیا تھا۔ جبار اسے افضال خان کے نام سے پکار رہا تھا۔ صورت سے ہی خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ سیٹھ نے اسے تمہارا حلیہ بتایا ہے اور تمہاری تصویر دکھا کر کہا ہے کہ تم جہاں بھی نظر آؤ' تمہیں قتل کر دیا جائے اور وہ دو دن میں یہ کام کرنے کا وعدہ کر کے چلا گیا ہے۔"

"اوہ پینی ڈیئر..... بڑی دلچسپ بات ہے۔ اس کا حلیہ بتاؤ گی؟"

"بہت لمبا چہرہ ہے۔ آگے کے دانتوں کی پوری قطار سونے کی ہے۔ قد درمیانہ ہے لیکن بدن گٹھا ہوا۔ شلوار قمیض پہنتا ہے۔"

"خوب..... اور کوئی خاص بات پینی؟"

"نہیں بس اب مجھے اجازت دو۔ جہاں بھی ہوں گی تمہیں فون کروں گی۔ کل اسی وقت..... یا اگر تھوڑی بہت دیر ہو جائے تو فکر مت کرنا۔"

"خدا حافظ پینی...." میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ سیٹھ جبار کو میرے ہاتھوں پہلی بار

پہنچی تھی لیکن اب مسلسل ضربیں پڑنی چاہئیں ورنہ لطف نہیں رہے گا۔ چنانچہ چند ت کے بعد میں نے چمن کے فون نمبر ڈائل کیے اور دوسری طرف سے چمن نے فون یو کر لیا۔

"منصور....."

"کہو شہزادے! خیریت؟"

"ایک آدمی کے بارے میں معلوم کرنا ہے' چمن!"

"ہاں ہاں۔ بولو.... کون ہے وہ؟"

"افضال خان....." میں نے کہا اور اس کا حلیہ دہرا دیا۔

"کیوں..... تمہیں اس شخص کی کیا ضرورت پیش آ گئی....." چمن حیرانی سے بولا۔

"اسے جانتے ہو چمن؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"بندرگاہ کے علاقے میں ایک ہوٹل "سی گل" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اسی ہے۔ یہ جوئے خانہ بھی ہے اور اس کی اوپری منزل میں افضال خان کی رہائش گاہ ہے۔ ا وہ وہیں ملتا ہے۔"

"اسے میرے قتل پر مامور کیا گیا ہے چمن۔ بہرحال' میں دیکھوں گا کہ کون کسے ا کرتا ہے۔ بس اسی لئے تکلیف دی تھی۔ خدا حافظ۔" میں نے فون بند کر دیا اور پھر ن کے پروگرام ترتیب دینے لگا۔ میرے اندازے کے مطابق آج کا دن خاصا ہنگامہ خیز ہونا ئے تھا۔

ایاز پر ان دنوں ایک اور دھن سوار ہو گئی تھی۔ نہ جانے کیا کیا الٹی سیدھی ا خرید لایا تھا اور تنہائی میں بیٹھا طرح طرح کی شکلیں بناتا رہتا تھا۔ وہ میک اپ کی ا کر رہا تھا۔ اس وقت بھی جب میں اس کے کمرے کی طرف بڑھا تو دروازے پر ہی نے مجھے روک دیا۔ وہ جھکی ہوئی' چابی کے سوراخ سے اندر جھانک رہی تھی اس نے ل پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بازو سے پکڑ کر دروازے سے پیچھے آئی۔

"یہ کیا حرکت تھی حسینہ؟ اس طرح کسی کے کمرے میں جھانکنا بری بات ہے!" نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ساری ہی باتیں بری ہو گئیں تو پھر اچھی کون سی رہ جاتی ہے۔ یہ بری بات وہ بری بات ہے۔ اسے بھی تو دیکھو' میری مانو تو اسے کسی پیر فقیر کے پاس لے جاؤ میں تجربہ کار ہوں۔ صغرا کی بیٹی پر جب شاہ جنات کا اثر ہوا تو میں نے ہی اس کی ہتھیلیاں کر بتایا تھا کہ اس پر جن آ گیا ہے۔ اس لڑکے پر بھی آسیب سوار ہے۔ سمجھے؟ یقین نہ جھانک کر دیکھ لو۔ جب دیکھو سرخی پوڈر' جب دیکھو سرخی پوڈر۔"

"صغرا کی بیٹی بھی ایسا ہی کرتی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ ایسا تو نہیں کرتی تھی پر حرکتیں اس کی بھی انوکھی تھیں۔" حسینہ نے داہنے گال پر انگلی رکھ کر کہا۔

بڑی مشکل سے اسے ٹال کر میں ایاز کے کمرے میں داخل ہو گیا لیکن ایاز کی صورت دیکھ کر چونک پڑا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ ایاز کی محنت رنگ لائے گی۔ اس وقت اسے پہچاننا مشکل تھا اس نے جلدی سے ماسک اتار دیا اور مسکرانے لگا۔ "ہوں تو یہ ماسک تھا۔ کہاں سے لے آئے؟" میں نے پوچھا۔

"بازار سے....."

"اور ادھر حسینہ تمہارے لئے تعویز گنڈے کا انتظام کر رہی ہے۔" میں نے اسے حسینہ کی تشویش سے آگاہ کیا تو وہ ہنسنے لگا۔ پھر میں نہ ایاز کو اپنا مافی الضمیر بتاتے ہوئے کہا

"ہمیں افضال خان کو دیکھنا ہے۔"

وہ خوش ہو کر کھڑا ہو گیا۔ "ضرور دیکھیں گے بھیا بلکہ خوب غور سے دیکھ گے۔"

میں نے ایاز کو پروگرام بتایا اور کمرے سے نکل آیا۔ افضال خاں کو میرے پر مامور کیا گیا تھا اور میں آج پہلی بار سیٹھ جبار کو براہ راست چیلنج کرنے جا رہا تھا۔

رات کو تقریباً گیارہ بجے میں اور ایاز گھر سے نکل آئے۔ ہماری کار کا رخ گاہ کی طرف تھا۔ ایاز نے سی گل' دیکھا ہوا تھا۔ چنانچہ تھوڑی سی دیر بعد ہم سی گل' داخل ہو گئے لیکن داخلے کے وقت ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اندر پہنچ کر ہم الگ الگ میزیں سنبھال لیں۔ سی گل میں زیادہ رش نہیں تھا۔ غیر ملکی جہازوں کے ملاح اور کچھ مقامی مزدور' جو بندر گاہ پر کام کرتے تھے..... وہاں موجود تھے سامنے ہی لکڑی کا خوبصورت زینہ تھا۔ چند آنے والے سیدھے اس زینے سے اوپر چلے جاتے میں نے اندازہ لگایا کہ اوپر شاید قمار خانہ ہے۔ میں نے کافی پی اور پھر اس کا بل ادا کر اوپری حصے کی طرف چل پڑا۔ کسی نے تعرض نہ کیا۔ اوپر کا ہال کافی بڑا اور ایئر کنڈیشنڈ اور میزوں پر جوا ہو رہا تھا۔ مجھے اس سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ لیکن میں میزوں درمیان چکر لگاتا رہا۔

حیرت کی بات تھی۔ ملک میں نہ تو جوئے خانے کے لائسنس جاری کیے جاتے اور نہ ہی اس کی کسی اور طریقے سے ہمت افزائی ہوتی تھی۔ لیکن یہ قمار خانہ تو دھ سے چل رہا تھا اور اس کی صرف ایک وجہ نظر آتی تھی کہ افضال خان' سیٹھ جبار کا تھا۔ پولیس کو ادھر کا رخ کرنے کی جرات ہی نہیں ہوتی ہو گی۔ تھوڑی دیر میں جوا دیکھ پھر آہستہ آہستہ ہال کی عقبی راہداری میں پہنچ گیا جو روشن لیکن سنسان پڑی تھی۔

داری کے اختتام پر ایک بڑا چوبی دروازہ نظر آ رہا تھا جس پر مخمل کا قیمتی پردہ پڑا ہوا تھا۔ نے ایک نگاہ عقب میں ڈالی اور پھر تیز قدموں سے اس دروازے پر پہنچ گیا اور اسے سے دھکیل کر دیکھا۔

دروازے کا پٹ کھل گیا۔ میں آہستگی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ دروازے کی سری جانب ایک نفیس خواب گاہ تھی جہاں مدھم نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ فرش پر ی قالین بچھا ہوا تھا اور اس کے بیچوں بیچ ایک صوفہ سیٹ تھا جس کے درمیان رکھے ئے چاندی کے طاؤس پر پینے کے برتن سجے ہوئے تھے۔ اور افضال خان ایک بھاری بھر عورت کے ساتھ بیٹھا لے نوشی کر رہا تھا۔ یہ عورت فاحشہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ وہ ی ساڑھی میں ملبوس تھی اور اس کے چہرے سے سخت گیری کا احساس ہوتا تھا۔ وہ دونوں ں کرنے اور پینے میں اتنے محو تھے کہ انہوں نے میری آہٹ بھی محسوس نہیں کی تھی۔ نے دروازہ بند کیا تو افضال خان میری طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اس نے شاید کچھ کہا تھا یونکہ عورت بھی گردن گھما کر دیکھنے لگی تھی۔

"افضال خان صاحب!" میں نے احمقانہ انداز میں کہا۔

"ہاں کیا بات ہے؟" اس نے گلاس رکھ دیا اور سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے ورنے لگا۔ "تم اونٹ کی مانند گردن اٹھا کر اندر کیسے گھس آئے۔ کسی نے روکا نہیں یں؟" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"مجھے آپ سے بہت ضروری کام تھا۔" میں نے کہا تو وہ غصے سے کھڑا ہو گیا۔ شاید وہ کسی ملازم کو بلانے کے لئے اس گھنٹی کی طرف جانا چاہتا تھا۔ جو ایک تپائی پر رکھی ئی تھی۔

"اب آ ہی گیا ہے تو پوچھ لو کیا کام ہے۔ خواہ مخواہ بات بڑھانے سے فائدہ۔" عورت نے کہا۔

"مجھے سیٹھ جبار نے بھیجا ہے۔" میں نے کہا۔

افضال خان کی پشت میں جیسے گولی لگ گئی ہو۔ وہ ایک دم رک گیا اور پھر پلٹ ا پھر شاید اس کی عقل کھوپڑی میں واپس آ گئی۔ وہ غور سے مجھے دیکھنے لگا اور ساتھ ہی ں کا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب کی طرف رینگ گیا۔ لیکن اس کی جیب میں پستول نہیں تھا۔

کون سیٹھ جبار؟" وہ بوکھلا کر بولا۔

"تم اتنے بڑے آدمی کی توہین کر رہے ہو افضال خان!"

"میں کہتا ہوں تم یہاں کیوں آ مرے ہو؟"

"میں نے سوچا کہ تم مجھے تلاش کرتے پھرو گے۔ اس لئے....."

"لونڈے ہو ابھی۔ نئی نسل کے یہ گدھے چار دن میں ہی خود کو نہ جانے کیا

سمجھنے لگتے ہیں۔ تم افضال خان کو نہیں جانتے۔"

"میں جان پہچان کے لئے ہی آیا ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا چاہتے ہو؟" وہ سنبھل گیا اور اب اس کے چہرے پر خود اعتمادی کی جھلک تھی۔

"قتل ہونے آیا ہوں۔ یہی ہدایت ملی ہے' نا تمہیں؟"

"ہاں۔ یہی ہدایت ملی ہے لیکن بھاگ جاؤ یہاں سے۔ میں اس وقت کسی کو قتل کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ایک معزز خاتون یہاں موجود ہیں اور میرا قالین بے حد قیمتی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں قابل احترام خاتون آپ کو میرے قتل پر اعتراض نہیں ہو گا؟" میں نے جھک کر کہا۔

"کیا فضول باتیں کر رہے ہو تم دونوں۔" عورت کے چہرے پر بوکھلاہٹ نظر آنے لگی۔ اس نے اپنا پرس تلاش کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے ارے۔ آپ تو تشریف رکھئے۔ ہم دونوں مذاق کر رہے تھے۔ ہم پرانے دوست ہیں اکثر ایسے مذاق کرتے رہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

عورت نے سوالیہ انداز میں افضال خان کی طرف دیکھا لیکن اس کی آنکھوں میں خون کی سرخی لہرانے لگی تھی۔ اسے میری بے باکی میں اپنی توہین جھلکتی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ تشریف رکھیں مسز بھیم جی میں واقعی اپنا قالین خراب نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن یہ گدھا ضرورت سے کچھ زیادہ ہی رینک رہا ہے۔"

"گردن دبا کر مارو گے تو قالین نہیں خراب ہو گا۔ تمہاری جیب میں پستول نہیں ہے۔ میں بھی خالی ہاتھ آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

افضل خان نے حقارت سے منہ بنایا اور دوبارہ اس گھنٹی کی طرف جھکا جو تپائی پر رکھی ہوئی تھی لیکن گھنٹی بج جاتی تو مزا ہی کیا تھا میں نے ایک نپی تلی چھلانگ لگائی اور اس کی پشت پر ایک زور دار لات رسید کر کے ایک صوفے کی پشت پر رکا اور پھر قالین پر کود گیا۔ وہ اچھل کر تپائی سے گزرتا ہوا دور جا گرا تھا۔

"ارے ارے یہ کیا شروع ہو گیا۔" عورت خوفزدہ آواز میں بولی پھر پرس سنبھال کر اٹھ گئی۔

میں نے بڑے احترام سے کہا۔" مادام آپ براہ کرم ایک کونے میں جا کھڑی ہوں۔ آپ کا باہر جانا میرے لئے بہتر نہ ہو گا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو کوئی....." یہ کہتے ہوئے میں نے جھکائی دی اور آبنوس کی ایک خوبصورت میز اچھل کر اس ایکوریم پر لگی جو سامنے ہی رکھا ہوا تھا۔ ایکوریم کا شیشہ ٹوٹ گیا اور مچھلیاں قالین پر گر کر تڑپنے

لگیں۔ "نقصان نہیں پہنچے گا۔" میں نے مسکرا کر جملہ پورا کیا۔

عورت دہشت زدہ ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور افضال خان اس صوفے سے ٹکرایا۔ جس کے پاس میں کھڑا تھا۔ میں نے قلا بازی کھائی اور اس کی گردن میں قینچی ڈال کر نیچے گرا دیا۔ اس کے بعد دونوں کہنیاں قالین پر جما کر افضال خان کا چہرہ زمین سے رگڑنے لگا۔ کئی رگڑے دے کر میں نے اسے چھوڑ دیا اور دوسری قلابازی کھا کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور بڑے احترام سے خاتون کا بازو پکڑا اور اسے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ اسی دوران افضال خان پیتل کا ایک مجسمہ لے کر میرے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ بل کھائی ہوئی حسین دوشیزہ کا تقریباً چار سیر وزنی مجسمہ پوری قوت سے میری طرف آیا۔ اگر میں جھک جاتا تو وہ عورت کے سر پر پڑتا اور یقیناً اس کے بعد اس کی شکل بھی پہچانی نہ جاتی اس لئے میں نے افضل خان کا وار..... اپنی کلائی پر روکا۔ عورت کو میری اس مدد کا پورا احساس ہوا تھا۔" میں نے اپنے حریف کو پھینکے دھکیل دیا لیکن وہ اب بھی اسی مجسمے سے پے درپے وار کر رہا تھا۔ مجسمے کے بازو اور ٹانگوں کے خلا میں اس کی انگلیاں جمی ہوئی تھیں اور وہ اسے گھما رہا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کا کوئی وار کامیاب نہیں ہوا تھا..... پھر مجھے موقع مل گیا اور اس بار میرے حملے سے افضال خان سر کے بل گرا تھا اور شاید اس کی گردن کو زور دار جھٹکا لگا تھا۔ وہ دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ میں نے خود ہی گریبان تھام کر اسے کھڑا کر دیا لیکن گردن کی شدید تکلیف اسے کھڑا نہیں ہونے دے رہی تھی اور وہ ادھر ادھر جھول رہا تھا۔ مجسمہ اس کے پیروں کے پاس کھڑا تھا لیکن وہ جھک کر اسے اٹھا نہیں سکتا تھا۔ "نہیں افضال خان' تم اتنی جلدی ہار نہیں مانو گے۔ بڑا نام ہے تمہارا۔ سیٹھ جبار نے کچھ سمجھ کر ہی تمہیں میرے قتل پر مامور کیا ہو گا۔"

جواباً اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن تھام لی اور نیچے گر کر تڑپنے لگا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سر کے بل گرنے سے گردن کی کون سی گرہیں متاثر ہوتی ہیں۔ چنانچہ میں نے آگے بڑھ کر اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا۔ افضال خان کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ میں نے اس کی گردن..... دونوں پیروں میں دبا کر ایک جھٹکا دیا تو وہ ڈکراتا ہوا ایک قلا بازی کھا گیا۔ البتہ اس کی گردن درست ہو گئی۔ رگوں کے اس کھیل کے لئے بھی میں جلال بابا کا ممنون تھا۔

"چلو اب کھڑے ہو جاؤ۔" میں نے کہا اور وہ اٹھ بیٹھا لیکن اس کی حالت کافی خراب تھی۔ دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے وہ کسی کتے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ بے بسی اس کے چہرے سے عیاں تھی اگر اس کے پاس پستول ہوتا تو وہ اب تک چھ کی چھ گولیاں میرے جسم میں اتار چکا ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں اس کی یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہونے

دیتا۔ "لعنت ہے سیٹھ جبار پر وہ ایسے گھٹیا لوگوں کے ہاتھوں منصور کو قتل کرانا چاہتا ہے۔ دیکھا آپ نے خاتون' یہ افضال خان ہے اس علاقے کا بدمعاش۔ ایسے ہوتے ہیں بدمعاش۔ بہرحال' افضال خان! سیٹھ جبار سے کہہ دینا کہ اس نے جو پودا لگایا تھا وہ بخوبی پروان چڑھ رہا ہے۔ بہت جلد اسے اس کا پھل کھانے کو ملے گا۔" میں نے یہ کہہ کر اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔

افضال خان کی آنکھوں میں موت ناچنے لگی تھی۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے پستول کو دیکھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ میں نے پستول کی نال اس کی پیشانی سے لگاتے ہوئے کہا۔ "طارق کو میں نے ایک ہاتھ سے محروم کر دیا تھا لیکن تمہیں دونوں ٹانگوں سے محروم کر دوں گا۔ اس چیلنج کے ساتھ کہ آج کے بعد تم کبھی اپنی ٹانگوں پر کھڑے نہیں ہو سکو گے۔ ابھی پہلا مرحلہ ہے اور اس پہلے مرحلے میں' میں کسی کو قتل نہیں کروں گا۔ لیکن دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہو گا جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ میری ماں اور بہن مجھے نہیں مل سکیں گی اور اس وقت...... میں سیٹھ جبار پر زمین تنگ کر دوں گا۔ میرے یہ الفاظ اس تک پہنچا دینا۔" میں نے پستول کی نال سے اسے دھکیل دیا اور وہ چت گر پڑا۔

پستول جیب میں رکھ کر دوسرے ہی لمحے میں نے جھک کر اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں۔ افضال خان نے پیروں کی قوت سے مجھے دھکیلنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے الٹا کر دیا اور پھر رانوں کے ایک مخصوص جوڑ پر دباؤ ڈالنے لگا...... افضال خان پوری شدت سے چیخ اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی عورت کی چیخ بھی ابھری تھی۔ میں نے دونوں ٹانگوں کو دائیں بائیں جھٹکے دیئے اور مخصوص پٹھے ہڈیوں سے علیحدہ ہو گئے۔ وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اچھل اچھل کر قالین پر گر رہا تھا اور اس کے اردگرد ایکوریم سے گری ہوئی مچھلیاں بھی اسی طرح اچھل رہی تھیں۔ دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں نے پستول نکال لیا۔ شاید افضال خان کی چیخیں سن لی گئی تھیں۔ پستول سیدھا کئے ہوئے میں دروازے کے پاس آیا اور پھر...... بھاری آواز میں پوچھا۔ "کون ہے؟"

"ناصر ہوں' صاحب۔ میری ضرورت تو نہیں ہے؟" باہر سے آواز آئی۔

"ہے۔" میں نے کہا اور دروازہ کھول دیا اور اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ میرے ایک جھٹکے سے باہر کھڑا ہوا شخص اندر آ گرا اور میں دروازے سے نکل گیا۔ دروازے کی کنڈی لگائی اور تیزی سے دوڑتا ہوا ہال میں جا پہنچا۔ جب میں ہال کی سیڑھیاں اتر رہا تھا تو میں نے قریب ہی لگی ہوئی گھنٹی کی کرخت آواز سنی۔ نیچے سے کئی آدمی اوپر کی طرف دوڑے۔ میں نے انہیں جانے کا راستہ دے دیا تھا اور خود اطمینان سے اترتا ہوا

"بہت دیر لگ گئی منصور بھیا؟" ایاز نے کہا۔

"ہاں ایاز۔ اپنے متوقع قاتل سے ذرا لطف لے رہا تھا۔" میں نے کاراسٹاٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"کام ختم ہو گیا؟"

"ہاں جتنا میں چاہتا تھا' اس حد تک تو ہو گیا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے افضال خان کو دونوں ٹانگوں سے محروم کر دیا ہے۔"

"ویری گڈ۔ کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنی رہائش گاہ واپس پہنچ گئے تھے۔ جو کچھ ہوا تھا وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ سوائے اس کے کہ سیٹھ جبار کو ضرور معلوم ہو جائے گا کہ میں نے اس کی یہ کوشش بھی ناکام بنا دی ہے۔ بستر پر لیٹ کر میں نے ایک اور بات سوچی۔ افضال خان کے سلسلے میں' میں نے جو کچھ کیا ہے کہیں اس سے پنی کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ سیٹھ جبار یہ ضرور سوچے گا کہ افضال خان کے بارے میں مجھے اطلاع دینے والا کون ہے؟ کہیں شبہہ پنی تک نہ پہنچ جائے۔ بے چاری لڑکی میری اعانت کے جرم میں ماری جائے گی۔ واقعی اس کی زندگی غیر محفوظ تھی۔ بس ایک ہی کوشش ہو سکتی ہے آئندہ پنی کو ہلاک نہ ہونے دیا جائے اس سے کہہ دیا جائے کہ فی الحال وہ میرے لئے اپنی سرگرمیاں ترک کر دے۔

دوسری صبح میرے پیروں میں گدگدی ہوئی تو میں جاگ گیا۔ یہ احساس تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔ لیکن کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر ناریل کے تیل کی خوشبو میرے نتھنوں سے ٹکرائی اور میں ایک گہری سانس لے کر بیٹھ گیا۔ دیوار گیر گھڑی صبح کے نو بجا رہی تھی۔ غسل خانے کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے کہا۔ "حسینہ جلدی سے ناشتہ لے آؤ۔ ایاز اگر نہ جاگا ہو تو اسے بھی جگا دو۔" اور پھر غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

کافی دیر بعد جب باہر آیا تو "حسینہ کو وہیں مسہری کے پاس زمین پر بیٹھے دیکھا۔ "ناشتہ لگ گیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں لگا' ناشتہ واشتہ۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے مسہری کے نیچے کیسے دیکھ لیا؟"

"اوہ۔ تو تم جب سے یہیں بیٹھی ہو۔ بہرحال' میں تیری طرح بچہ تو نہیں ہوں بڑا!"

"میں بچہ ہوں۔" وہ تن کر کھڑی ہو گئی اور میری آنکھیں جھک گئیں۔

"ہاں حسینہ تو بچی ہے۔ بہت چھوٹی سی۔ جا شاباش ناشتہ لگا دے۔ بھوک لگ ہے۔"

"آنکھیں تو جیسے ہیں ہی نہیں۔ میں بچہ ہوں۔ اتنی بڑی تو ہو گئی۔ شادی ہو ہوتی تو آج چار بچوں کی ماں ہوتی۔ ہونہہ۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ سے بھی گئی گزری تھی۔ اگر جوانی کا ذرا بھی احساس ہوتا تو ایسی باتیں ہرگز نہ کرتی۔

ناشتے کی میز پر ایاز نے بھی اس کے بارے میں بات کی تھی۔ یہ لڑکی بے وق ہے۔ ایسی فضول باتیں کرتی ہے کہ کوئی اور ہو تو اس کے کردار پر شک کرنے لگے۔

"اس کا ذہن ابھی بچوں جیسا ہے۔"

ایاز اخبار لے آیا کوئی خاص خبر نہیں تھی۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے پنی کا فون آ اس نے چھوٹتے ہی کہا۔ "منصور' افضال خان کے سلسلے میں کام دکھا دیا؟"

"اطلاع پہنچ گئی؟"

"ہاں۔ مسز بھیم جی کو جانتے ہو؟"

"پچھلی رات مختصر سی ملاقات ہوئی تھی۔"

"طارق کے خاص ساتھیوں میں سے ہے۔ رات ہی کو ہانپتی کانپتی پہنچی تھی۔ آدمی موجود نہیں ہے لیکن طارق پر کپکپی طاری ہو گئی۔ وہ شاید کہیں باہر چلا جائے۔ بڑ آدمی کا انتظار کر رہا ہے۔ صبح کو ناشتہ بھی نہیں کر سکا۔"

"بڑے آدمی کو اطلاع پہنچ گئی؟"

"معلوم نہیں' لیکن میں کچھ پریشان ہوں منصور۔ اگر طارق ملک سے باہر چلا تو ممکن ہے مجھے بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کرے۔ ان حالات میں' میں کیا کروں گی؟

"مجھ پر بھروسہ کرو تو میں تمہیں پناہ دے سکتا ہوں لیکن یہ ضرور سوچ لینا ابھی سیٹھ جبار سے میرا جھگڑا بہت طویل ہے میرے ساتھی بھی میرے ساتھ مصائب کا شک رہیں گے۔ میں ابھی اپنے لئے بہتر راستے نہیں تلاش کر سکتا تو دوسروں کو کیا سہارا د سکتا ہوں۔"

"نہیں منصور تمہارا شکریہ۔ ابھی تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ بڑا آدمی واپ آئے گا تو اسی وقت کوئی صحیح صورت حال سامنے آئے گی۔"

"ایک انتباہ ضروری ہے' پنی۔ افضال خان کے معاملے میں انہیں کھوج ضرور گی کہ اس کی اطلاع مجھ تک کس طرح پہنچی۔ تم ہی وہاں ایک اجنبی شخصیت ہو اس طر تم خطرات میں گھر سکتی ہو۔"

"مجھے کوئی فکر نہیں' کسی دوست کے لئے کچھ ہو جائے تو کیا برا ہے۔" پنی بے پرواہی سے کہا۔

"لیکن دوستوں کو تمہاری زندگی کی ضرورت ہے پنی۔ اس لئے براہ کرم احتیاط رکھو مجھے روزانہ فون کرنا بند کر دو' ہاں اگر کوئی بہت ہی اہم بات ہو تو احتیاط کے ساتھ اپنے اردگرد سے باخبر رہ کر اطلاع دیا کرو۔"

"میری آواز سے بور ہونے لگے ہو کیا؟ خیر تمہاری ہدایت پر عمل کروں گی۔ خدا حافظ۔" پنی نے کہا اور دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

ریسیور رکھ کر میں وہاں سے ہٹ آیا اور سوچتا رہا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ کوئی موثر ترکیب ہونی چاہیئے جس کے ذریعے سیٹھ جبار کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو سکے۔ نہ جانے کیا بات تھی آج تک سیٹھ جبار کے جتنے بھی روپ سامنے آئے' ان میں وہ ایک ناقابل تسخیر پہاڑ کی مانند نظر آیا تھا۔ لوگ اس کا نام سن کر کانپ جاتے تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اسے زیر کر لوں گا اور یہ یقین مجھے زندگی بخشتا تھا۔ آج اور کوئی پروگرام نہیں تھا سرخاب اور پروفیسر شیرازی یاد آئے تو کشمکش کا شکار ہو گیا۔ دل یہ کہتا تھا کہ اب ان سے ملنا بے کار ہے۔ اس عمارت میں اس وقت تک داخل ہوا جا سکتا تھا جب تک میں نے برائی کے راستوں پر چل نکلنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا اب ان حالات میں وہ مقدس جگہ تھی اور وہاں قدم رکھتے ہوئے دل پر ایک بوجھ طاری ہوتا تھا۔ لیکن وہاں سرخاب تھی۔ اس کی پیشانی پر جھولتی ہوئی لٹ تھی جو فریدہ کی یاد دلاتی تھی ان لوگوں کا خلوص تھا اسی کشمکش میں بیٹھا تھا کہ ایاز آ گیا۔ حسب معمول میک اپ میں تھا "کہیں جا رہے ہو ایاز؟"

"ہاں منصور بھیا۔ آپ کا کوئی پروگرام؟"

"کوئی خاص نہیں۔"

"میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔ فکر مت کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور وہ چلا گیا۔ میں ٹیلی فون کے پاس پہنچ گیا۔ اور پروفیسر کی کوٹھی کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے سرخاب نے ہی کال ریسو کی۔ "منصور بول رہا ہوں۔ سرخاب۔"

دوسری طرف چند لمحے خاموشی طاری رہی تھی پھر وہ بولی۔ "اتنی جلدی کیوں بول پڑے بھیا۔ ہماری موت کا تو انتظار کر لیا ہوتا۔"

"پہلے بھی کوشش کر چکا ہوں تم لوگ موجود ہی نہیں تھے۔"

"دو روز ہو چکے ہیں آئے ہوئے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے لیڈی جہانگیر کو بھی فون کر چکی ہوں۔ وہ نہ تو دفتر میں ملیں اور نہ ہی گھر میں ہیں۔ راشدہ بھی شاید ڈیوٹی پر نہیں آ رہی' سخت پریشان ہوں' میں تو۔" سرخاب کے لہجے میں واقعی پریشانی کی جھلک تھی۔

"پروفیسر کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بلجیم گئے ہیں۔"

"ارے اچانک..... اور مجھ سے مل کر بھی نہیں گئے۔" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں بس مجھے بھی کچھ نہیں بتایا' اچانک ہی پروگرام بنا لیا۔"

"اور تم گھر پر اکیلی ہو؟"

"نہیں کچھ اور لوگ بھی ہیں..... مگر تم یہ ساری باتیں فون پر ہی کئے جاؤ گے' گھر نہیں آؤ گے؟" سرخاب نے کہا۔

"ان حالات میں تو میرا وہاں پہنچنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ بہرحال' میں آ رہا ہوں۔" میں نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔

پروفیسر کی اچانک روانگی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اس دوران یہ لوگ کہاں چلے گئے تھے۔ ویسے میں پروفیسر کی کوٹھی دوسرے لوگوں کی نگاہ میں نہیں لانا چاہتا تھا کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ شہر کے چپے چپے پر میری تلاش ہو رہی ہو گی۔ افضال خان کے ساتھی الگ دشمن بن گئے تھے۔ دوسری طرف طارق بھی خاموش نہیں ہو گا۔ ہرچند کہ وہ صاحب فراش تھا لیکن اس کے گرگے تو کام کر رہے تھے۔ ایاز کی کوشش مجھے پسند آئی تھی' وہ اپنا چہرہ بدل کر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تو ہو جاتا تھا' میں نے بھی فیصلہ کیا کہ چہرے میں اتنی تبدیلی کرنا ضرور سیکھ لوں گا کہ عام لوگوں کی نگاہوں سے بچ سکوں۔

میری کار کافی دیر تک مختلف سڑکوں پر چکراتی رہی اور میں انتہائی توجہ سے اندازہ کرنے لگا کہ کہیں میرا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا؟ مجھے اس کا کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔ دنیا اپنے اپنے معاملات میں مصروف تھی' مطمئن اور غیر مطمئن لوگ زندگی کی بھاگ دوڑ میں لگے ہوئے تھے۔ قدرت نے انسان کو بھی کیا بنایا ہے۔ اس قدر بے بس ہونے کے باوجود کہیں خود کو سیٹھ جبار بنا لیتا ہے اور کہیں منصور..... کتنا فرق ہے ان دونوں کی زندگی میں؟..... حالانکہ موت دونوں کے لئے یکساں حیثیت رکھتی ہے۔ ڈرائیونگ کے دوران میرے خیالات نجانے کہاں کہاں بھٹکتے رہے۔ بالآخر میں سرخاب کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔ دروازے پر چوکیدار موجود تھا۔ میری گاڑی دیکھ کر وہ قریب آیا اور مجھے پہچان کر جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ کار اندر جا کر پورچ میں رک گئی۔ پورچ کے سامنے ہی صدر دروازے میں سرخاب کھڑی تھی۔ اس کے عقب میں ایک اور نوجوان لڑکی بھی تھی۔ جسے میں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سرخاب نے میرا استقبال کیا تھا۔ پھر اس لڑکی کی جانب رخ کر کے بولی۔ "یہ حنا ہے بھیا' میری کزن۔"

"بڑی خوشی ہوئی' آپ سے مل کر۔" میں نے سادگی سے کہا اور حنا نے ہلکی سی

مسکراہٹ کے ساتھ گردن خم کر دی۔ پڑھی لکھی لڑکی معلوم ہوتی تھی' خوش سلیقہ اور خوش لباس بھی تھی۔ سرخاب مجھے لئے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

"حنا' منصور بھیا کے بارے میں' میں تمہیں بتا چکی ہوں اور یہ بھی کہہ چکی ہوں کہ ان کے ساتھ میری ملاقات ذرا تنہائی ہی میں ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم محسوس نہیں کرو گی....."

"کوئی بات نہیں ہے' میں چلی جاتی ہوں۔" حنا نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے مسکراتے ہوئے سرخاب سے کہا۔ "بھئی تم نے تو اس بے چاری لڑکی کو اس بری طرح نکال دیا ہے کہ مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔"

"نہیں بھیا۔ حنا بہت اچھی لڑکی ہے' میں اسے بتا چکی ہوں کہ تم میرے منہ بولے بھائی ہو اور ڈیڈی تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ بہرحال' اپنی باتوں کے بعد ہم لوگ ساتھ بیٹھ کر چائے پئیں گے۔"

"ٹھیک ہے مجھے اندازہ تھا کہ تم مجھ سے ملاقات کے لئے کس قدر پریشان ہو گی' لیکن تم لوگ بھی تو اچانک ہی چلے گئے تھے۔ یہ بھی نہ سوچا کہ میں کس حال میں ہوں۔ نہانت ہوتے ہی سب سے پہلے تم سے رابطہ قائم کیا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے بھیا' مگر میں آپ کو تفصیل بعد میں بتاؤں گی' پہلے آپ مجھے جلدی جلدی شروع سے ابتک کے واقعات سنا ڈالیں خدا کی قسم آپ کو اندازہ نہیں ہے بھیا کہ ان اوقات کا ایک ایک لمحہ میں نے اور ڈیڈی نے آپ کے لئے پریشان ہو ہو کر گزارا ہے۔" سرخاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"دیکھو بھئی تم جانتی ہو کہ میرے دشمن کس طرح میری تاک میں لگے ہوئے ہیں' ان حالات میں تو قابل معافی ہوں' بہرصورت تفصیل سن لو۔ لیڈی جہانگیر کے بارے میں' میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا تھا' وہ نہایت نیک اور شریف النفس خاتون ہیں اور مجھ پر لگایا ہوا الزام بھی ان کی ایک مجبوری تھی۔"

"واہ! اچھی مجبوری ہے' میں اس عورت سے نفرت کرنے لگی ہوں' جس نے آپ پر اتنا چھچھورا الزام لگایا۔"

"نہیں سرخاب! یقین کرو کہ وہ قابل نفرت نہیں بلکہ بہت عظیم عورت ہے' ہاں سمجھ لو کہ وہ بھی اسی ذلیل شخص کا شکار ہے جس کا میں شکار ہوں۔"

"یعنی سیٹھ جبار.....؟"

"ہاں سیٹھ جبار اور اس کا خاص آدمی طارق بھی..... طارق نے اس کی زندگی برباد کر کے رکھ دی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب وہ طارق کے پنجے سے آزاد ہو چکی ہے۔"

"ایسے نہیں جناب' میں تفصیل سننا چاہتی ہوں۔" سرخاب نے کہا۔

"بس تو یوں سمجھو کہ لیڈی جہانگیر نے طارق کے مجبور کرنے پر مجھ پر وہ الزام لگایا تھا' دراصل طارق مجھ سے ایک آدمی کو قتل کرانا چاہتا تھا۔"

"ہوں' طارق سے آپ کی ملاقات وہیں لیڈی جہانگیر کے دفتر میں ہی ہوئی تھی نا۔"

"ہاں' وہ کم بخت بلیک میلر ہے اور لیڈی جہانگیر کو ایک ناکردہ گناہ پر بلیک میل کر رہا تھا۔ بہرصورت اس کے بعد اس نے میری ملاقات سیٹھ جبار سے کرائی اور اپنی دانست میں مجھے سیٹھ جبار سے معافی دلوانے کی کوشش کی۔ سیٹھ جبار نے شرط عاید کر دی کہ میں ایک غیر ملکی کو قتل کر دوں لیکن میں نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا' چنانچہ چھوٹی سی سزا کے طور پر مجھے لیڈی جہانگیر کے ذریعے دوبارہ حوالات بھجوا دیا گیا' لیڈی جہانگیر نے ذہانت سے کام لے کر میرے لئے گنجائش چھوڑ دی اور میری ضمانت ہو گئی۔ یہ ضمانت ان لوگوں کے لئے غیر متوقع تھی اس پر سیٹھ جبار کافی پیچ پا ہوا لیکن بہرصورت جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا' میں جانتا تھا کہ اس کے بعد سیٹھ جبار دوبارہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا' اس لئے میں نے تمہاری طرف کا رخ نہیں کیا بلکہ ایک نیا ٹھکانہ بنا لیا۔ اسی ٹھکانے سے میں نے تمہیں اس وقت ٹیلی فون کیا تھا' جب تم نے مجھے لیڈی جہانگیر کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ بہرصورت اس کے بعد میں نے طارق کو پکڑ لیا اور اس سے اپنی ماں اور بہن کا پتہ پوچھا۔ اس نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا اور تمہیں شاید یہ سن کر خوشی ہو کہ اب طارق ایک ہاتھ سے محروم ہو چکا ہے اور میں نے اسے وارننگ دے دی ہے کہ اگر فریدہ اور امی کا پتہ نہ چل سکا تو میں اس کی دونوں آنکھیں نکال لوں گا۔ وہ لوگ بے حد سراسیمہ ہیں اور اس سراسیمگی کے عالم میں انہوں نے ایک اور شخص کو میرے قتل پر مامور کیا لیکن وہ بھی اپاہج بن کر زندگی گزار رہا ہے۔"

"اوہ۔" سرخاب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آئے چند لمحے وہ گردن جھکائے سوچتی رہی' پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "آپ بھی تو اس کے لئے مجبور تھے بھیا اور درحقیقت اب آپ سے کچھ کہنا بے کار ہے' حالات چاروں طرف سے آپ کو جبر کی طرف دھکیل رہے تھے بالآخر آپ اسی طرف پہنچ گئے' لیکن بھیا آپ بالکل پریشان نہ ہوں فریدہ اور امی ایک نہ ایک دن ضرور ملیں گی۔"

"میں اسی یقین کے ساتھ کام کر رہا ہوں سرخاب' بہت سے جال پھیلا رکھے ہیں۔ انشا اللہ امی اور فریدہ کا پتہ تو چلے گا ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیٹھ جبار کو بھی سزا بھگتنا پڑے گی۔ بہرحال اب بتاؤ تم لوگ اچانک کہاں چلے گئے تھے؟"

"بس بھیا ہماری نہ پوچھو' ڈیڈی کی تو سرشت ہی بدل گئی ہے۔ نجانے کیا ہو گیا ہے انہیں۔ کہتے ہیں کہ ساری زندگی بے کار لٹ گئی' وہ سارے مشن فیل ہو گئے' جن پر د

ب تک کام کرتے رہے تھے۔ عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں' کہنے لگے' یوں لگتا ہے جیسے میں ابھی ابھی پیدا ہوا ہوں' نوزائیدہ ہوں اور اس دنیا کو سمجھنے کی نہ تو صلاحیت رکھتا ہوں اور نہ ہی قدرت...... تھوڑے دنوں بعد میرے حلق سے قلقاریاں نکلیں گی' پھر میں ہاتھ پاؤں مارنے لگوں گا' پھر گھٹنوں کے بل چلوں گا' پھر اٹھ کر دوڑنے لگوں گا' لیکن یہ دوڑ مجھے کہاں تک لے جائے گی۔ اس کے بارے میں' میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ بس ایسی ہی باتیں کرتے رہتے تھے' آپ کے لئے جگہ جگہ ٹیلی فون کر کے معلومات حاصل کرتے تھے۔ نجانے کہاں کہاں' کیسے کیسے لوگوں سے باتیں کیا کرتے تھے پھر ایک دن اچانک بولے آؤ سرخاب اپنے چند عزیزوں سے ملنے چلیں' بہت عرصہ ہو گیا ہے' ہم نے سب ہی کو چھوڑ دیا ہے' لوگ تو ہمیں بھول بھی گئے ہوں گے۔ حنا ہم لوگوں کی بے حد قریبی رشتے دار ہیں' ہم لوگ انہی کے ہاں گئے تھے۔ پھر ہم تمہاری وجہ سے جلد واپس آ گئے لیکن ڈیڈی نے کوشش کر کے ان لوگوں کو راضی کر لیا کہ وہ چند ماہ میرے ساتھ گزاریں' حنا' جاوید اور چچی جان ہمارے ساتھ آئی ہیں' حنا کی ایک چھوٹی بہن بھی ہے' بڑے اچھے لوگ ہیں۔"

میں نے چونک کر سرخاب سے پروفیسر کے بارے میں پوچھا۔ "لیکن یہ پروفیسر اچانک بلجیم کیوں چلے گئے؟"

"خدا کی قسم مجھے کچھ نہیں معلوم۔ نجانے اس دوران وہ کیا کیا کرتے رہے ہیں۔ عجیب سی کیفیت تھی ان کی بھیا' پہلے ہم باپ بیٹی ایک دوسرے پر بہت اعتماد کرتے تھے' ڈیڈی اگر پاؤں بھی ہلاتے تھے تو مجھ سے مشورہ کر لیتے تھے۔ لیکن وہاں سے واپسی کے بعد ان کا زیادہ تر وقت اپنی لائبریری میں ہی گزرا ہے۔ نہ جانے کہاں کہاں خط لکھ کر پوسٹ کرتے رہے ہیں۔ مختلف ممالک میں کالیں بک کرائیں اور ٹیلی فون پر کسی سے باتیں کرتے رہے' میں خود حیران تھی کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے ایک آدھ بار پوچھا بھی تو ٹال گئے اور کہنے لگے جب حالات بدل جاتے ہیں تو انسان بھی بدل جاتا ہے۔ ذرا اس بدلے ہوئے انسان کو خود کو آزما لینے دو ناکام ہو جاؤں تو وعدہ کرتا ہوں سب کچھ بتا دوں گا اور کامیاب ہو گیا تو تمہیں خود بخود پتہ چل جائے گا۔ پھر کہنے لگے کہ وہ بلجیم جا رہے ہیں۔ نہیں کہہ سکتے کہ کتنے عرصے میں واپسی ہو اس لئے تم ان لوگوں کے ساتھ خوش و خرم رہنے کی کوشش کرو۔ منصور سے اگر ملاقات ہو تو اس سے صرف یہ کہہ دینا کہ اپنی پریشانیوں میں پروفیسر شیرازی کو برابر کا شریک سمجھے اور ایک لمحے کے لئے بھی یہ نہ سوچے کہ پروفیسر اسے بھول چکا ہے۔"

میرا دل بھر آیا اور آنسو آنکھوں کی طرف دوڑنے لگے۔ سرخاب نے میری بھرائی آنکھیں دیکھیں اور آگے بڑھ کر دوپٹے سے میرے آنسو خشک کر دیئے۔

"ہم تمہارے ہیں بھیا تمہارے لئے اس انداز میں نہیں سوچیں گے تو اور کیا

کریں گے تم جو کچھ کر رہے ہو اس میں ہماری دعائیں اور عمل دونوں چیزیں تمہارے سا
ہیں اور ہمارا یہ اعتماد بہر صورت آخر دم تک قائم رہے گا کہ ایک نہ ایک دن تم تر
الجھنوں سے نکل آؤ گے۔

"یقیناً سرخاب' مجھے بھی یقین ہے۔ آؤ باقی لوگوں سے ملاقات کریں۔ دیکھیں
سہی یہ حنا صاحبہ کیا چیز ہیں۔ سب کو بلا لو۔"

اس کے بعد کا ماحول خالص گھریلو قسم کا رہا' چچی جان ایک مشفق خاتون تھیں
پتہ نہیں سرخاب نے انہیں میرے بارے میں کیا بتایا تھا تاہم وہ مجھ سے اتنی اپنائیت سے
ملیں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ جاوید ایک خوش رو نوجوان تھا۔ سرخاب سے ڈھائی سال چھو
تھا اس لئے اسے باجی کہہ کر پکارتا تھا۔ حنا' جاوید سے ایک سال بڑی تھی اور سرخاب سے
ڈیڑھ سال چھوٹی..... سب کے سب واقعی مخلص اور ہنسنے ہنسانے والے لوگ تھے۔ سرخاب
سے ملنے کے بعد دل کو ایک ڈھارس سی ملی تھی' ایک عجیب سا سکون میں اپنی رگ و پے
میں دوڑتا محسوس کر رہا تھا۔

کافی دیر تک میں اس کے ساتھ رہا پھر میں نے اجازت چاہی تو حنا نے پوچھا۔
"کھانا ہمارے ساتھ نہیں کھائیں گے منصور بھیا؟"

"نہیں حنا۔ کچھ اور مصروفیات ہیں' اجازت دو۔" میں نے کہا تو سرخاب اور حنا
دونوں مجھے باہر تک چھوڑنے آئیں۔

میں وہاں سے نکل کر پھر آوارہ گردی کے سے انداز میں کار ادھر ادھر گھمانے
لگا۔ کوئی خاص بات ذہن میں نہیں تھی' کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ اس لئے تھوڑی
دیر بعد واپس اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ ایاز ابھی تک واپس نہیں آیا تھا اور حسینہ کھانے پر
میرا انتظار کر رہی تھی۔ "کھانا لگا دوں' وہ آسیب زدہ تو ابھی تک نہیں آیا۔"

"کون..... ایاز؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"ارے ہاں' عجیب سا آدمی ہے۔"

"حسینہ وہ تمہارے بارے میں بڑے اچھے خیالات رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے تم
اس سے جلنے لگی ہو۔"

"لو بھلا میں کیوں جلوں گی' وہ سرخی پاؤڈر لگاتا ہے تو مجھے کیا۔ میں تو نہیں
لگاتی..... مگر ڈھنگ سے بات بھی تو نہیں کرتا۔ میں تو یہ ہی سوچتی ہوں کہ شاید اس قابل ہی
نہیں ہوں کہ کوئی مجھ سے پیار سے بات کرے۔"

"نہیں حسینہ تو بڑی اچھی ہے' اتنی پیاری اتنی سادہ اور اتنی معصوم کہ تجھے دیکھ
کر انسانوں پر سے اعتماد نہیں اٹھتا اور یہ احساس ہوتا ہے کہ ابھی سادگی اور محبت اس دنیا
میں باقی ہے۔" میں نے کہا۔

"لو میری سمجھ میں تو تمہاری ایک بات بھی نہیں آ رہی' نہ جانے میری برائی کر
رہے ہو یا اچھائی؟"

"اچھا اچھا باتیں بعد میں سمجھ لینا یہ بتاؤ کہ کیا پکایا ہے؟" حسینہ کھانے کی تفصیل
بتانے لگی۔

"ارے اتنی ساری چیزیں؟"

"تو اور کیا۔ بیکار بیٹھی تھی جو جی چاہا پکا کر رکھ دیا لاؤں کیا؟"

"چلو لے آؤ۔" میں نے کہا اور حسینہ وہاں سے چلی گئی۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آرام کرنے لیٹ گیا لیکن پھر اچانک ہی مجھے لیڈی
جہانگیر کا خیال آ گیا اور میں نے ریسیور اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کیا۔ لیڈی جہانگیر نہ تو دفتر
میں تھیں اور نہ ہی گھر پر ملیں میں ان کے بارے میں سوچتا رہا اور آرام کرنے کے لئے
لیٹ گیا۔ پانچ ساڑھے پانچ بجے کے قریب ایاز نے مجھے جگایا۔ اس نے اپنا میک اپ اتار دیا
تھا اور سلیپنگ سوٹ پہنے میرے نزدیک ہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ "خیریت تو ہے ایاز؟" میں
نے پوچھا۔

"بالکل خیریت ہے۔ منہ ہاتھ دھولیں تو باہر بیٹھ کر چائے پئیں گے۔ موسم
بے حد خوشگوار ہو رہا ہے۔"

"تم پہنچو میں ابھی آیا۔" میں نے جواب دیا اور غسل خانے میں گھس گیا.....
کچھ دیر بعد برآمدے میں ایاز کے ساتھ چائے پیتے ہوئے میں نے اس کی مصروفیات کے
بارے میں پوچھا۔

"ریکروٹنگ ایجنسیوں کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ یہ دیکھو ایک خوبصورت
لڑکی کی تصویر بھی لئے پھر رہا ہوں۔" ایاز نے سلیپنگ سوٹ کی جیب سے ایک تصویر نکال
کر میرے سامنے کر دی۔ ہنستی مسکراتی سی ایک لڑکی کی تصویر تھی میں نے مسکرا کر تصویر
اسے واپس کر دی۔

"کہاں سے لی یہ تصویر؟"

"بس لے لی کہیں سے۔" ایاز شریر لہجے میں بولا۔

وہ جھینپے جھینپے سے انداز میں مسکرانے لگا۔

"شمو ہے نا یہ؟" میں نے پوچھا اور ایاز ہنس پڑا۔

"ہاں وہی ہے۔"

"بہت اچھی ہے۔ ملنے گئے تھے اسے؟"

"ہاں بھیا۔ تصویر بھی لینی تھی اور پھر اس سے کافی دن سے ملاقات نہیں ہوئی
بہت اچھی لڑکی ہے۔ کسی وقت آپ سے ملواؤں گا۔"

"ابھی نہیں ایاز۔" میں نے کہا اور ایاز نے گردن جھکا دی اور پھر میں اس سے اس کی آوارہ گردی کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"ابھی کوئی خاص بات نہیں ہوئی بھیا لیکن میں کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ ویسے ان ریکروٹنگ ایجنسیوں کے بارے میں بڑے بڑے انکشاف ہوئے ہیں۔ میں تفصیل سے آپ کو بتاؤں گا۔ پہلے آپ یہ بتائیں کہ کیا فریدہ بہن کی کوئی تصویر مل سکتی ہے؟"

میں چونک پڑا اور ایاز کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے' شاید کسی ایجنسی سے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔" ایاز نے وضاحت کی۔

"تصویر تو میرے پاس نہیں ہے۔ ایک کوشش کی جا سکتی ہے۔ فریدہ نے میٹرک کیا تھا۔ اس کی کوئی نہ کوئی تصویر بورڈ آفس سے مل سکتی ہے۔ مجھے اس کا رول نمبر یاد ہے۔" یہ کہہ کر میں نے نمبر دہرایا۔ نمبر دہراتے ہوئے میرا دل بھر آیا۔ کتنی بے چینی سے مجھے اس کے رزلٹ کا انتظار تھا اور جب فریدہ پاس ہوئی تھی تو میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ لمحے فلم بن کر آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ ایاز نے میری محویت میں مداخلت نہیں کی پھر حسینہ کی آمد نے ہی اس خاموشی کو توڑا تھا۔

"جھگڑا ہو گیا ہے کیا آپس میں؟" اس کی آواز عقب سے ابھری اور ہم دونوں چونک پڑے۔ "بات کیا ہوئی؟" اس نے کمر پر ہاتھ رکھ کو پوچھا اور اس بے تکی مداخلت پر ہمیں بے اختیار ہنسی آ گئی جس سے ذہنی کیفیت ایکدم بدل گئی۔

"چلو صلح کو لو آپس میں۔ جس گھر میں اتفاق نہیں ہوتا وہاں برکت نہیں ہوتی۔ بات کیا ہے مجھے تو بتاؤ۔" حسینہ ثالث بننے پر تلی ہوئی تھی۔

"یہ ایاز بہت خراب آدمی ہے حسینہ۔ ہروقت تیری برائیاں کرتا رہتا ہے۔ کہنے لگا تیری ناک بہت موٹی ہے بالکل پکوڑا لگتی ہے۔ بس اسی بات پر جھگڑا ہو گیا' ہم دونوں میں۔"

حسینہ ایکدم چپ ہو گئی۔ چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔ "کہتا ہے تو کہنے دو ایسی ہی ہو گی اس میں لڑنے کی کیا بات ہے؟" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا نہ جانے اس کے ذہن کی کون سی گرہ متاثر ہو گئی تھی۔ اس نے خاموشی سے چائے کے برتن اٹھائے اور واپس چلی گئی۔

"ارے۔ یہ سنجیدہ کیوں ہو گئی؟" ایاز تعجب سے بولا۔

"بس انسانی ذہن ہے کوئی گرہ متاثر ہو گئی ہو گی۔"

ہم دونوں بھی برآمدے سے اٹھ گئے۔ لیڈی جہانگیر کے لئے میرے ذہن میں کرید لگی ہوئی تھی۔ وہ نہ جانے کہاں ہے کسی مصیبت کا شکار تو نہیں ہو گئی۔۔ اگر اب

ہی یہ فون پر نہ ملی تو پھر اس کے بارے میں چھان بین کرنی پڑے گی۔ میں ایک بار پھر فون پہنچ گیا اور لیڈی جہانگیر کا نمبر ڈائل کیا تو دوسری طرف سے لیڈی جہانگیر کی آواز سنائی دی۔ "منصور بول رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ منصور! میں تمہیں فون کرنے ہی والی تھی۔"

"خیریت تو ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔" لیڈی جہانگیر کی آواز سے خوشی چھلک رہی تھی۔ "طویل عرصے بعد ایک تقریب میں شرکت ہوئی۔ دعوتیں اس سے پہلے بھی ملتی تھیں لیکن کہیں جانے کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ اس بار خود بخود جی چاہا اور چلی گئی۔ وہاں میں نے ایک ایسے شخص کے چہرے پر خوف کی زردی دیکھی جو شاید انسان تھا ہی نہیں بلکہ حیوانوں سے بدتر تھا۔ لوگوں کا تذکرہ کرتا تھا تو اس طرح جیسے آسمان سے بول رہا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ہمیشہ ظلم کی چمک ہوتی تھی لیکن....." مسز جہانگیر خاموش ہو گئی۔ پھر چند لمحے بعد شوخ لہجے میں بولی۔ "بتاؤ وہ کون تھا؟"

"طارق....." میں نے جواب دیا اور وہ ہنس پڑی۔

"اپنے شکار کو نہ پہچانو گے تو پھر کسے پہچانو گے۔"

"مگر آپ کی ملاقات کیسے ہو گئی؟"

"طلب کیا گیا تھا' بگ باس کی کوٹھی پر..... وہیں بیٹھ کر موت کا انتظار کیا جا رہا تھا۔" لیڈی جہانگیر نے کھلنڈرے انداز میں کہا۔

"آپ کو کیوں طلب کیا گیا تھا؟"

"ضرورتاً۔ کچھ تجربے بھی کرنے تھے۔ اپنی حیثیت کا اندازہ کرنا بھی مقصود تھا۔ میں نے مایوس نہیں ہونے دیا میری طرف سے بھی تشویش تھی۔ مگر منصور فون پر ہی ساری گفتگو ہو جائے گی آؤ گے نہیں؟"

"فون مخدوش تو نہیں ہے؟"

"ہو بھی سکتا ہے۔ تمہیں خود اندازہ ہے۔" وہ بولی۔

"اچھی بات ہے میں آ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔ خطرہ مول لینا مناسب نہیں تھا سیٹھ جبار کے ہاتھوں کی لمبائی اچھی طرح ناپ چکا تھا۔ کون جانے اس کے وفادار کہاں کہاں موجود ہوں اس لئے فون پر زیادہ گفتگو کسی طور مناسب نہیں تھا۔ لیڈی جہانگیر کی رپورٹ بھی خاصی دلچسپ تھی اسے بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد میں لیڈی جہانگیر کی کوٹھی میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ میری منتظر تھی۔ مجھے دیکھ کر کھل اٹھی۔ رسمی باتوں کے بعد پوچھنے لگی۔ "کیا پیو گے؟"

"جو دل چاہے پلا دو۔" میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اور لیڈی جہانگیر نے ملازمہ کو طلب کر کے کولڈ کافی کا حکم دے دیا پھر میرے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر نمایاں تبدیلی نظر آ رہی تھی۔ پہلے چہرے پر ایک سوگوار سی خاموشی طاری رہتی تھی جسے بیک نگاہ تمکنت اور وقار کا نام دیا جا سکتا تھا لیکن درحقیقت وہ مظلومیت اور بے بسی ہوتی تھی۔ جوانی اور ملاحت اس بے بسی کے پیچھے چھپی تھی اور اب جب مظلومیت اور بے بسی کا پردہ سرک گیا تو اس کی اصل شخصیت اجاگر ہو گئی تھی۔ دفعتاً مجھے ایاز کی بات یاد آ گئی اور میں نے چونک کر لیڈی جہانگیر کو دیکھا۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں الجھن سی پیدا ہو گئی۔ لیکن پھر میں نے خود کو مطمئن کر لیا کہ اگر لیڈی جہانگیر کے ذہن میں کوئی ایسا احمقانہ خیال موجود ہے تو میں اس کی پذیرائی نہیں کر سکتا۔

"ہاں تو ہماری گفتگو کا سلسلہ کہاں سے منقطع ہوا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"آپ طارق سے ملاقات کا تذکرہ کر رہی تھیں۔"

"فون کیا تھا اس نے مجھے کہ وہ ایک حادثے کا شکار ہو گیا ہے۔ میں اس سے سیٹھ جبار کی کوٹھی پر ملاقات کروں۔ بہرحال میں وہاں جا پہنچی۔ سیٹھ جبار کی کوٹھی پر پہلی بار گئی تھی۔ طارق وہاں موجود تھا۔ بہت دبلا اور زرد نظر آ رہا تھا۔ ایک ہاتھ شانے کے پاس سے غائب تھا۔ میں نے رسمی ہمدردی کا اظہار کیا تو اس نے حادثے کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ نشے میں کار ڈرائیو کر رہا تھا اور کار الٹ گئی' خود تو باہر نکل گیا لیکن ایک ہاتھ دبا رہ گیا اور اس کی ہڈی چور چور ہو گئی نتیجے میں ہاتھ کٹ گیا۔ منصور! میں نے اس کی آنکھوں میں بے بسی دیکھی تو مجھے بے حد روحانی سکون محسوس ہوا۔ وہ جو دوسروں کو بے بس دیکھنے کا عادی تھا۔ خود درد و کرب کا شکار نظر آ رہا تھا۔ بہرحال' پھر اس نے تمہارے بارے میں پوچھا کہ تم نے میری طرف کا رخ تو نہیں کیا۔ اس نے خدشہ ظاہر کیا کہ تم اب مجھے بھی پریشان کرو گے۔ اس پر میں نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کی تو اس نے مشورہ دیا کہ ہر وقت پستول ساتھ رکھوں اور تمہیں دیکھتے ہی بے دریغ گولی مار دوں۔ اس کے بعد طارق نے کہا کہ وہ مجھ سے چند اور کام لینے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ مجھے ان کاموں کی تفصیل نہیں بتائی گئی اور کہا گیا کہ مناسب موقع پر سب کچھ بتا دیا جائے گا۔ لیکن منصور اصل بات میں سمجھتی ہوں۔ وہ صرف ایک امتحان تھا کہ مجھے اصل واقعات کی ہوا تو نہیں لگ گئی ہے۔ بہرحال' میں اس سلسلے میں اسے مطمئن کر کے آئی ہوں۔"

"خوب۔ سیٹھ جبار تو نظر نہیں آیا؟"

"نہیں۔ وہ شاید موجود ہی نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا مصروفیات رہیں؟"

"فرحت اللہ بیگ کے گھر گئی تھی۔ بڑے عجیب سے تاثرات لے کر آئی ہوں

ان لوگوں کے بارے میں۔ اعتراف کرتی ہوں کہ وہ خود دار لوگ میرے جال میں نہیں پھنسے۔"

"اوہ' کیا مطلب؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میں نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔ خاص منصوبے کے تحت گئی تھی' ان لوگوں کے پاس۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ لوگ مجھے بھول گئے ہیں میں ان کی بہت دور کی عزیز ہوں۔ چھوٹے رشتے تھے کیا یاد آتے لیکن اس کے باوجود انہوں نے میری پذیرائی کی اور پوچھا کہ وہ میری کیا خدمت کر سکتے ہیں جس پر میں نے اپنا مافی الضمیر ظاہر کر دیا۔"

"کیا کہا آپ نے گل؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے کہا کہ مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے کاش آپ لوگ مجھے پہچان لیتے تو میں آپ سے درخواست کرتی کہ اب مجھے تنہا نہ چھوڑیں۔ جس پر فرحت اللہ صاحب نے کہا کہ یہ گھر بہت چھوٹا ہے اگر تم محسوس کرتی ہو کہ اس گھر کے کسی گوشے میں گزر کر لو گی تو..... رقیہ کی جگہ خالی ہے۔ اب بتاؤ منصور اس کے بعد میرے لئے کتنی مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ تاہم میں نے مزید کوشش کی اور کہا کہ میرا گھر موجود ہے اور وہ لوگ مجھے خدمت کا موقع دیں۔ فرحت اللہ صاحب نے معذرت کر لی اور کہا کہ وہ اپنا گھر نہیں چھوڑ سکتے۔ اب بتاؤ منصور اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟"

"ٹھیک ہے۔ کل کا دن بہت اہم ہے۔ کل عظمت رہا ہو رہا ہے۔ میں پروگرام کے مطابق اس سے ملوں گا اور دیکھوں گا کہ اسے کس طرح تیار کر سکتا ہوں۔"

لیڈی جہانگیر نے رات کے کھانے کے بعد ہی مجھے واپس آنے دیا تھا۔ میں اپنی رہائش گاہ واپس پہنچا تو ایاز ابھی نہیں آیا تھا۔ تھوڑی دیر حسینہ سے گپ شپ ہوتی رہی جو بڑی سدا بہار لڑکی تھی اس کی موجودگی میں بس ہنستے رہنے کو ہی جی چاہتا تھا۔

رات کو بستر پر لیٹ کر دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ دوسرے روز عظمت کا استقبال کرنا تھا اتنے میں' میں نے چند پروگرام ترتیب دے لئے تھے۔

○

صبح کو ناشتے پر ایاز ملا تو حسب معمول میک اپ میں تھا اسے دیکھ کر مجھے آگئی۔ "تم تو پورے جاسوس بن گئے ہو ایاز۔ یوں لگتا ہے' جیسے کسی جاسوسی فلم کا کردار ہو۔"

"جیسا بھی لگتا ہوں بھیا۔ میں تو بس اپنے کام میں مصروف ہوں۔"

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ "آج پھر جاؤ گے؟" میں نے پوچھا

"ہاں بورڈ آفس جانا ہے۔ دیکھتا ہوں وہاں کیا کر سکتا ہوں۔ فریدہ کی تصویر بہت سے کام لینے ہیں' بس خدا کرے مل جائے۔" ایاز نے کہا اور ناشتے کے بعد رخ ہو گیا۔

میں نے عظمت کے سلسلے میں ایاز کو اپنے ساتھ رکھنا مناسب نہیں سمجھا تھوڑی دیر بعد میں بھی تیار ہو کر گھر سے نکل آیا۔ مجھے چاروں طرف کا خیال رکھنا تھا۔ بھی اور اپنے دشمنوں کا بھی .....چنانچہ ایاز کی طرح میں نے بھی اپنے چہرے پر وقت وہی حماقت پھیلالی تھی یعنی وہی ایک۔ میک اپ جو میں پہلے بھی کر چکا تھا اور جس حسینہ کو دھوکا دیا تھا۔ آج بھی وہی دلچسپ اتفاق ہوا۔ جب میں مکان کے بیرونی حصے میں تو حسینہ نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ دوڑتی ہوئی میرے پاس پہنچی اور پھر اس نے میرا گریبان تھ لیا۔

"ارے ارے۔" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور پیچھے ہٹنے لگا۔

"اس دن تو نکل گئے تھے خاموشی سے آج جاؤ تو جانیں۔"

وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ بولی اور میں اس سے اپنا گریبان چھڑانے لگا میرا.....میرا گریباں تو چھوڑ دو پھٹ جائے گا۔ میں نے کہا۔ "میں تو تمہارا سر پھاڑوں گی بتاؤ تم اس طرح اس گھر میں کیوں گھس آئے تھے۔ اس روز مجھے بے وقوف بنا کر چلے گ اور آج پھر گھس آئے.....کون ہو تم؟"

"منصور کا ایک دوست ہوں اسی سے ملنے آتا ہوں مگر کیا کروں وہ ملتا ہ نہیں۔"

"ملنے کا طریقہ ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ منہ اٹھایا اور گھس آئے۔ دروازے پر کس سے کہتے' منصور کو بلواتے' ہمیں بتاتے' لیکن یوں لگتا ہے کہ جیسے کہیں کھلے بندھے ہ

نہیں ہو۔ بس گھس آئے گھر میں' جیسے باواجی کا مکان ہو۔"

"اچھا اب معاف کر دو۔ آئندہ اس طرح کبھی گھسنے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"معافی مانگتے ہو تو چھوڑے دیتے ہیں۔ جاؤ دروازے پر جا کر ہم سے کہو کہ منصور کو بلا کر لائیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ حسینہ میرے پیچھے پیچھے ہی آئی تھی۔ اس مصیبت سے جان چھڑا لینا.....آسان بات نہیں تھی۔ میں نے دست بستہ اس سے عرض کیا "خاتون آپ کو زحمت تو ہوگی ذرا جا کر منصور صاحب کو بلا لائیے۔"

"ٹھیک ہے لاتے ہیں' یہیں کھڑے رہو۔" حسینہ نے کہا اور اندر چلی گئی۔

جونہی وہ نگاہوں سے اوجھل ہوئی' میں گاڑی میں آ بیٹھا اور اسے اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ مجھے حسینہ کی حرکتوں پر ہنسی آ رہی تھی بڑی ہی باغ و بہار لڑکی تھی۔ دیر تک نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا۔ گیارہ بجنے میں ابھی دیر تھی۔ چمن نے کہا تھا کہ عظمت اللہ کو ٹھیک گیارہ بجے رہا کیا جائے گا۔ اس لئے ٹھیک گیارہ بجے کے بعد مجھے جیل کے دروازے پر پہنچنا تھا۔ لیکن میں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ عظمت اللہ سے فوراً ملاقات نہیں کروں گا۔

"میرا یہ فیصلہ اچھا ہی ثابت ہوا۔" ٹھیک گیارہ بج کر دس منٹ پر میں نے عظمت کو جیل کے دروازے سے باہر آتے دیکھا اسے رہائی مل گئی تھی اسے دیکھ کر چمن کے بارے میں یہ احساس ہوتا تھا کہ بلاشبہ وہ بڑے رسوخ کا مالک ہے۔ ہر جگہ کچھ نہ کچھ کر ہی لیتا ہے۔ اس نے عظمت اللہ کے لئے بھی بہت بڑا کام کیا تھا۔ جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

عظمت اللہ کاندھے پر سوئیٹر ڈالے لاپرواہی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اچھی شکل و صورت کا تنو مند نوجوان تھا' بے چارے کو میری طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن وہ مجھ سے کہیں خوش نصیب تھا۔ کم از کم اس کا باقی گھرانا تو محفوظ تھا۔

آہستہ آہستہ میری کار آگے بڑھ رہی تھی اور میں عظمت کا تعاقب کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ابھی تک وہ اس تعاقب سے بے خبر ہے۔ دفعتاً عظمت نے ایک رکشہ روکا اور میں نے سکون کی سانس لی۔ رکشہ چل پڑا اور میری کار مناسب رفتار سے اس کے پیچھے لگ گئی۔

میں عظمت کا تعاقب کرتا رہا لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے اپنے علاقے کا رخ کرنے کے بجائے اور ہی سمت کا رخ اختیار کیا تھا اور پھر اس نے ایک ہوٹل کے سامنے رکشہ رکوا دیا۔ رکشے سے اتر کر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پرس سے کچھ رقم نکال کر رکشہ والے کو دی۔ پھر وہ ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کہ عظمت گھر

کے بجائے یہاں کیوں آیا ہے؟ میں کار ایک طرف کھڑی کر کے نیچے اتر آیا میں اس وقت بھی میک اپ میں تھا۔ اس لئے مجھے یقین تھا کہ اگر عظمت کو میرا چہرہ یاد بھی رہا تو اس وقت نہیں پہچان سکتا۔ میں بھی ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ وہ کاؤنٹر پر کھڑا رجسٹر پر اندراج کر رہا تھا پھر وہ آگے بڑھا تو میں کاؤنٹر پر پہنچ گیا اور میں نے کاؤنٹر کلرک سے کمرے کے لئے کہا۔

"جی ہاں کمرہ مل سکتا ہے۔ آپ تنہا ہیں؟" کاؤنٹر کلرک نے پوچھا۔

"مجھے ایک سنگل روم چاہیئے۔" اور کاؤنٹر کلرک نے پھر رجسٹر کھول لیا اس نے رجسٹر میں روم نمبر دیکھا اور پھر قلم میرے ہاتھ میں پکڑا کر رجسٹر آگے کر دیا میں نے فرضی نام اور فرضی پتہ لکھ دیا لیکن میرا مسئلہ آسانی سے حل ہو گیا۔ عظمت کا کمرہ نمبر سات تھا اور مجھے کمرہ نمبر آٹھ مل گیا تھا۔ عظمت نے بھی اپنا نام و پتہ صحیح نہیں لکھوایا تھا۔ اس نے اپنا نام جمیل الدین درج کیا تھا اور ٹھٹھہ سے آنے کا تذکرہ کیا تھا۔ میں نے اپنا نام وہ پتہ لکھ کر پیشگی رقم نکالی اور کمرے کی چابی حاصل کر لی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ویٹر نے مجھے کمرہ نمبر آٹھ کے سامنے پہنچا دیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جسے کسی بھی طرح چالیس روپے روز کا کمرہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اب اس کے علاوہ میں اور کیا کر سکتا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا رکھوں اور برابر کے کمرے پر نگاہ رکھوں۔

ٹھیک ایک بجے ویٹر میرے کمرے میں آ گیا۔ "کھانا تیار ہے صاحب۔"

"کمرہ نمبر سات میں کھانا نہیں دیا۔؟" بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔

"پوچھا تھا۔ صاحب نے منع کر دیا ہے۔"

"اوہ۔ کہیں جانے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے؟

"پتہ نہیں صاحب' لیٹے ہوئے تھے۔ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ آپ کے کمرے کی طرح۔" ویٹر نے جواب دیا۔

"کیا ہے کھانے میں؟" میں نے پوچھا اور ویٹر نے فہرست دہرا دی۔ اگر جلدی لا سکتے ہو تو بھنڈی گوشت لے آؤ مجھے جانا ہے۔" میں نے کہا اور ویٹر چلا گیا۔

کھانا بھی کمرے کی طرح نہایت گھٹیا اور بد مزہ تھا۔ میں نے اسے جلدی جلدی زہر مار کیا کہ نہ جانے عظمت کے ساتھ ساتھ کہاں کہاں مارے مارے پھرنا پڑے اور کھانے کا موقع بھی ملے یا نہ ملے۔ ویٹر خالی برتن اور بل لے کر چلا گیا تو میں نے سکون کی سانس لی۔ اچانک میں نے عظمت کے دروازے پر آہٹ سنی تو دروازے سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ عظمت اپنا دروازہ مقفل کر رہا تھا اس کے آگے بڑھ جانے کے بعد میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ عظمت نے نیچے آ کر رکشہ لیا اور چل پڑا۔ میری کار اس سے دور کیوں رہتی۔

رکشہ دوڑتا رہا اور پھر وہ چھوٹی چورنگی کے ایک حصے میں پہنچ کر رک گیا۔ عظمت نے رکشہ چھوڑ دیا۔ چھوٹی چورنگی کا یہ حصہ بدنام لوگوں کی آبادی میں شمار ہوتا تھا۔ نہ جانے عظمت یہاں کیوں آیا تھا۔

میں نے نیچے اتر کر نہایت کامیابی سے اس کا تعاقب کیا۔ عظمت مکانوں کے درمیان چل رہا تھا۔ پھر اس نے ایک مکان کے دروازے پر دستک دی ایک بھدی سی شکل کے آدمی نے دروازہ کھولا..... وہ عظمت کو اپنے ساتھ اندر لے گیا اور میں انتظار کرتا رہا۔ تقریباً پون گھنٹے بعد عظمت باہر آیا تو اس کے بازو پر ایک میلی سی چادر پڑی ہوئی تھی۔ وہ بھدی شکل کا شخص اسے باہر چھوڑنے آیا تھا۔ عظمت باہر آ کر شاید رکشہ کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ رکشہ مل گیا اور میں نے پھر اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

عظمت اللہ کا رخ اس بار یقیناً اپنے گھر کی طرف تھا۔ میں بدستور اس کے پیچھے لگا رہا۔ اس کی تمام حرکات مشکوک تھیں۔ نہ جانے اس کی ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی تھی لیکن میں بھی تہیہ کر چکا تھا کہ اسے کسی طور کوئی احمقانہ قدم نہیں اٹھانے دوں گا۔ اس نے گھر سے بہت دور رکشہ رکوایا اور نیچے اتر کر پیسے ادا کر دیئے پھر جب رکشہ دور چلا گیا تو اس نے ایک گوشے میں پہنچ کر بغل میں دبی ہوئی میلی سی چادر اوڑھ لی یقیناً اس نے چادر سے اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کی تھی پھر وہ آگے بڑھا تو اس کی چال میں..... لنگڑاہٹ تھی۔ گویا اس نے خود کو بدل لیا تھا۔ اس طرح وہ اپنے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔

میں اس سے کوئی پچاس گز دور تھا اس نے دروازے پر دستک دی اور چند ساعتوں بعد دروازہ کھلا۔ عظمت کا چھوٹا بھائی تھا۔ نہ جانے عظمت اس سے کیا باتیں کرتا رہا۔ اس نے اپنا چہرہ کچھ اور چھپا لیا تھا۔ بچہ واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد بچہ واپس آیا اور اس نے چند روٹیاں عظمت کو دے دیں۔ روٹیوں پر سالن بھی رکھا ہوا تھا۔ عظمت چند لمحے روٹیوں کو ہاتھوں پر سنبھالے انہیں گھورتا رہا..... پھر گردن جھکائے واپس چل دیا۔ عظمت کے ذہن کا ایک ایک احساس' الفاظ کی شکل میں میرے کانوں میں گونج رہا تھا۔ میں اس کی تمام تر دلی کیفیات سے آگاہ تھا۔

میں اس کا تعاقب کرتا رہا پھر میں نے عظمت کو ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر وہ روٹیاں کھاتے دیکھا تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عظمت اگر چاہتا تو ہوٹل میں بھی کھانا کھا سکتا تھا۔ لیکن یہ اس کے جذبات تھے۔ اس نے عہد کیا ہو گا کہ اپنی ماں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائے گا چنانچہ اس نے بھکاریوں کی طرح یہ کھانا مانگ کر کھایا تھا لیکن اس نے خود کو ظاہر کیوں نہیں کیا؟

وہ کھانا کھا کر اپنی جگہ سے اٹھا ایک نل سے پانی پیا اور آگے بڑھ گیا۔ اس نے

چادر اتار کر پھر بغل میں دبالی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ رکشہ کر کے پھر چل پڑا۔ رخ ہو
کی طرف تھا۔

میں بھی اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو عظمت
سینے میں انتقام کا جہنم سلگ رہا تھا۔ وہ شیخ جمال سے انتقام لینے کا خواہاں تھا اسی لئے اس
گھر میں قدم نہیں رکھا تھا۔ میں نے اپنے تمام پروگرام ملتوی کر دیئے۔ میرے لئے
سے زیادہ اہم کام اور کوئی نہیں تھا۔ میں خود جن حالات سے گزر چکا تھا' عظمت کو ان
نہیں گزرنے دینا چاہتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے میرے وطن کے ہر چوتھے نوجوان کی کہا
میری کہانی ہو۔ دولت کے ان پجاریوں نے زندگی گزارنا کس قدر کٹھن کر دیا تھا۔ جینے
حق چھین لیا تھا انہوں نے غریبوں سے۔ میں نے رات تک عظمت کی کڑی نگرانی کی۔

نو بجے وہ باہر نکل آیا اور میں نے بھی افراتفری کے عالم میں ہوٹل چھوڑ د
ایک بار پھر میری کار اس کے رکشہ کا تعاقب کر رہی تھی۔ پھر رکشہ ایک متمول رہا
علاقے کے بازار میں رکا۔ وہاں عظمت اتر کر پیدل چل پڑا۔ بازار کے عقب میں رہا
کوٹھیاں تھیں اور انہیں میں ایک کوٹھی کے درختوں سے گھرے ہوئے گیٹ پر شیخ جما
لکھا نظر آ رہا تھا۔

بس اس کے بعد سے خطرناک حدود شروع ہوتی تھیں۔ عظمت اس کوٹھی
عقب میں جا رہا تھا۔ میں نے رفتار تیز کر دی عظمت نے شاید میرے قدموں کی چاپ
لی اور وہ رک گیا۔ مجھے نزدیک آتے دیکھ کر وہ چوکنا ہو گیا۔ میں اس کے سامنے پہنچ گ
"کیا بات ہے؟" عظمت کی کرخت آواز ابھری۔

"مجھے تم سے کچھ کام ہے' نوجوان۔"

"کون ہو تم۔ میں تمہیں نہیں جانتا۔"

"مگر میں تمہیں جانتا ہوں۔"

"میں فضول لوگوں کے ساتھ وقت برباد نہیں کرتا۔ اگر تم مجھ سے کچھ
چاہتے ہو تو مجھے افسوس ہے۔"

"میں تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تم جو کچھ کرنے جا رہے
عظمت! یہ وقت اس کے لئے مناسب نہیں ہے۔ ابھی صرف دس بجے ہیں۔"

میرے یہ الفاظ عظمت کے لئے دھماکے سے کم نہیں تھے۔ وہ بھونچکا رہ گیا
صرف ایک لمحے کے لئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ پیچھے ہٹا اور دفعتاً اس نے اپنے لباس
پستول نکال لیا۔ پستول کا رخ میری طرف کر کے اس نے کہا۔ "تو شیخ جمال نے مجھ پر
نگاہ رکھی ہے لیکن اب وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود زندہ نہ بچ سکے گا۔"

یہ لمحات میرے لئے بڑے سنسنی خیز تھے۔ جیل سے نکلنے کے بعد سے اب

عظمت میری نگاہوں کے سامنے رہا تھا۔ اس کے پاس پستول کہاں سے آ گیا۔ اس کے
پاس..... لیکن دوسرے لمحے میرے ذہن نے ہی اس کا جواب بھی دے دیا۔ چھوٹی چورنگی کا
وہ مکان جہاں عظمت نے کچھ وقت گزارا تھا اور وہ بھدی شکل کا آدمی جو صورت ہی سے
جرائم پیشہ لگتا تھا۔ پستول یقیناً وہیں سے حاصل کیا گیا تھا۔ "کیا چاہتے ہو۔ اب بتاؤ؟" وہ
غرایا۔

"پستول واپس اپنے لباس میں رکھ لو اور میرے ساتھ آؤ۔" میں نے قدرے
سخت لہجے میں کہا۔

"یہ احکامات شیخ جمال کی طرف سے ہیں؟"

"پولیس کی طرف سے بھی ہو سکتے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ شیخ جمال' پولیس
سے رابطہ قائم کر کے یہ درخواست نہیں کر سکتا کہ اسے تم سے زندگی کا خطرہ ہے اس لئے
تم پر نگاہ رکھی جائے۔ جیل سے نکلنے کے بعد تم نے اس کا خیال نہیں رکھا مسٹر عظمت .....
میں تمہیں تمہاری دن بھر کی مصروفیات بتاؤں۔ گیارہ بج کر دس منٹ پر تم جیل کے
دروازے سے نکلے....." اور پھر میں نے اسے سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔ "کیا خیال ہے'
میں نے کوئی لفظ غلط تو نہیں کہا؟" یہ کہتے ہوئے میں غیر محسوس انداز میں آگے سرکتا رہا تھا
اور عظمت کو حیرت زدہ کر کے میں نے اسے پستول کی طرف سے بے خبر کر دیا تھا۔ اب
اس کا پستول میری زد میں تھا۔ چنانچہ میں نے ٹانگ گھمائی اور اس کی ضرب پوری قوت سے
پستول والے ہاتھ پر پڑی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں بلند ہوا اور میں نے
اطمینان سے اسے کیچ کر لیا۔ عظمت تڑپ کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر وحشت کے آثار
نمودار ہو گئے۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"تو..... تمہارا تعلق پولیس سے ہے؟" وہ بڑبڑایا۔

"نہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہارا ایک ہمدرد ہوں' ایک مخلص اور بے
غرض دوست ہوں تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ شیخ جمال کو یا
تمہارے والدین کو ابھی تمہاری رہائی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے اگر تم شیخ جمال کو
قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو ضرور کر دینا لیکن آج نہیں کل....."

"کیا مطلب؟" وہ چونک پڑا۔

"ہاں میرے دوست۔ میری خواہش ہے کہ یہ ایک رات تم میرے ساتھ گزار
لو۔"

"مگر تم کون ہو؟"

"وہی جو تم سے جیل میں ملا تھا۔ اور جس نے کہا تھا کہ رہا ہو کر تم اس سے
ملاقات کر لینا لیکن تم نے وعدہ پورا نہیں کیا۔ حالانکہ میں نے تمہیں جیل میں دو ماہ نہیں

گزارنے دیئے اور چند روز میں تمہیں جیل سے نکال لایا ہوں۔"

"اوہ.... اوہ' یہ بات مجھے بتائی گئی تھی کہ ایک خاص سفارش پر میری سزا معاف کر دی گئی ہے۔"

"میں نے ہی اس سفارش کے لئے تگ و دو کی تھی۔"

"مگر تمہارا چہرہ۔ تم وہ تو نہیں ہو۔"

"آواز پہچاننے کی کوشش کرو۔ چہرہ بدلا ہوا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

عظمت گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ پھر بولا۔ "اگر تم واقعی دوست ہو تو میری زندگی کی پہلی اور آخری خواہش پوری ہو جانے دو۔ میں ان دونوں باپ بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اگر تم کہو تو اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن اتار کر تمہارے سامنے رکھ دوں گا۔"

"مجھے تمہاری گردن کی نہیں' تمہاری زندگی کی ضرورت ہے عظمت۔ ایسے ہزاروں واقعات اخبارات کی زینت بنتے ہیں کہ جوش انتقام میں فلاں نے فلاں کو ہلاک کر دیا۔ کیا تم تعلیم یافتہ انسان ہو کر جہالت کی وہی مثال قائم کرو گے؟ اسے انتقام نہیں دیوانگی کہتے ہیں۔ شیخ جمال مر جائے گا۔ کہانی ختم ہو جائے گی۔ موت کے بعد یہ کھیل ختم ہو جائے گا لطف تب ہے کہ کھیل جاری رہے۔ انتقام کا مزا تو اسی میں ہے کہ دشمن اذیت میں مبتلا موت کا آرزو مند ہو اور تم اس سے موت بھی چھین لو۔ تم شیخ جمال کو قتل کر دو گے تو پولیس کا شبہ تمہاری طرف ہی جائے گا۔ تم روپوش ہو جاؤ گے تو تمہارے اہل خانہ کو پریشان کیا جائے گا۔ گرفتار ہو جاؤ گے تو موت کی سزا مل جائے گی۔"

"پھر اور کیا کر سکتا ہوں میں؟" عظمت بولا۔

"ذہانت کا استعمال کرو۔ سوچو اس موضوع پر....."

"اور تم میرا ساتھ دو گے؟" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"ہاں۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"کیوں.....؟" اس کے لہجے میں بدستور طنز تھا۔

"اس کا جواب ابھی ممکن نہیں ہے۔ فی الحال جہاں میں کہوں میرے ساتھ چلو۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بات سن لو۔ لفظ "خلوص" احمق بنانے کا ایک گر ہے۔ یہ بات میرا ایمان بن چکی ہے۔ میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے کوئی کام ہو گا اور اب میں تمہارا آلہ کار بننے کے لئے مجبور ہوں۔ کیوں کہ تم مجھے بے بس کر چکے ہو۔"

ایک لمحے کے لئے میرا ذہن کھول کر رہ گیا لیکن پھر میں نے اپنی ذہنی کیفیت کا تجزیہ کیا تو عظمت کو معاف کر دیا۔ میں واپس چل دیا تو عظمت میرے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

میں اپنی کار کے پاس پہنچ کر اس کا دروازہ کھولنے لگا تو عظمت نے کہا۔ "اوہ۔ یہ کار میں نے دن میں کئی مرتبہ دیکھی لیکن توجہ نہیں دی تھی۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کار میں بیٹھ کر میں نے پستول عظمت کو واپس کر دیا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ عظمت پستول لے کر ہکا بکا رہ گیا۔ اسے غالباً اس کی توقع نہیں تھی۔ راستے میں ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ عظمت البتہ بار بار چونک کر مجھے دیکھنے لگتا۔ پستول کی وجہ سے اس کا ذہن بری طرح الجھ گیا تھا۔

اپنی رہائش گاہ میں داخل ہونے سے قبل میں نے کار روکی اور اپنے چہرے سے میک اپ اتار دیا۔ اس وقت موڈ بے حد خراب ہو گیا تھا اس لئے حسینہ وغیرہ کا کوئی جھگڑا بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ صدر دروازے پر ایاز موجود تھا۔ غالباً کار کو اندر آتے دیکھ کر آ گیا تھا۔ میں نیچے اتر آیا۔ عظمت میرے ساتھ چلتا ہوا اندر آ گیا۔ "یہ عظمت اللہ ہیں۔" میں نے بھاری لہجے میں ایاز سے اس کا تعارف کرایا۔

"اوہ' رہا ہو گئے؟"

"ہاں۔" میں نے کہا اور پھر ایاز سے بولا۔ "تم کھانا کھا چکے ہو یا نہیں؟"

"ابھی نہیں۔ حالانکہ سخت بھوک لگ رہی تھی لیکن وہ بلائے بے درماں کھانا دینے پر تیار نہیں ہوئی۔ سخت غصے میں ہے کہتی ہے پوچھ کر رہوں گی کہ یہ کھانا گھر میں کیوں نہیں کھایا جاتا۔"

"حسینہ؟" میں نے پوچھا۔

"ایک ہی تو قہر خداوندی ہے اس گھر میں۔ لیجئے نازل ہو گیا۔" ایاز بولا۔

حسینہ ہم سے چند گز دور کمر پر ہاتھ رکھے آ کھڑی ہوئی تھی۔ "یہ گھر آنے کا وقت ہے؟" اس کی آواز ابھری۔

"حسینہ..... جاؤ آرام کرو۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"آرام کروں' ارے جینا حرام کر دوں گی تمہارا' کیا سمجھ رکھا ہے' تم لوگوں نے؟ جب دیکھو گھر سے باہر' جب دیکھو گھر سے باہر جیسے میں پاگل ہوں کھانا پکائے بیٹھی انتظار کرتی رہوں اور کھانے کے لئے کوئی نہ آئے۔ سارے کا سارا کھانا ضائع جائے گا' میں مرتی ہوں رزق کی پروا بھی ہے' تم لوگوں کو یا نہیں؟"

"حسینہ' تم دیکھ رہی ہو کہ میرے ساتھ ایک مہمان ہے۔ اس کے باوجود تم الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہو۔"

"ہاں پاگل ہو گئی ہوں' دماغ خراب ہو گیا ہے میرا تو' مہمان ہیں تو میں کیا کروں' ان مہمانوں کے ساتھ ہی زندگی گزارو گے؟ گھر آنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"ایاز' اس سے کہہ کہ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

ایاز بوکھلا سا گیا۔ "حسینہ حسینہ تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ چلو جاؤ اپنے کمرے میں....."

"ٹھیک ہے جا رہے ہیں' اس گھر سے ہی چلے جائیں گے۔ ہمیں نہیں کرنی ایسی نوکری....." حسینہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

میں قدرے جھنجلاہٹ محسوس کر رہا تھا لیکن حسینہ کے الفاظ قابل توجہ تھے۔ بس بے وقوف لڑکی پاگل پن کا شکار ہو گئی تھی۔ ہماری محافظ بن بیٹھی تھی' مجھے یاد تھا کہ کس طرح میری خدمت کر کے خوش ہوتی ہے۔ چنانچہ میرا ذہن زیادہ خراب نہ ہو سکا اور میں عظمت کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ عظمت اس ماحول کو گہری نگاہ سے دیکھ رہا تھا' سمجھ رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا۔

"سنایئے عظمت صاحب کیسے حال ہیں' ضمانت کے بعد زندگی کیسی پائی آپ نے؟" ایاز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

عظمت کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "جو زندگی مسلط کر دی جاتی ہے' اس پر سوچا نہیں جاتا۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا نہیں منصور بھیا۔" ایاز نے تعجب سے پوچھا۔

"عظمت صاحب ہی تمہیں تفصیل بتا سکیں گے۔ سنو ایاز وہ بے وقوف لڑکی تو شاید روٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی ہے۔ تم کھانے وغیرہ کا بندوبست کرو' عظمت صاحب کے لئے..... اگر یہ پسند کریں تو ان کے قیام کا بندوبست بھی کر دو اور اگر جانا چاہیں تو انہیں رخصت کر دینا۔ یہاں آ کر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ شاید میں نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ چنانچہ میں انہیں یہاں رکنے پر مجبور نہیں کروں گا۔ تم انہیں اٹینڈ کرو' دل چاہے اور اگر یہ پسند کریں تو انہیں میرے بارے میں بھی بتا دینا' میں ان سے کچھ نہیں چھپانا چاہتا' سب کچھ جاننے کے بعد بھی اگر یہ جانا پسند کریں تو میری طرف سے انہیں اجازت ہے۔"

"آپ' آپ کہاں چلے بھیا؟" ایاز نے پوچھا۔

"میں آرام کروں گا۔ طبیعت کچھ ست ہو گئی ہے۔"

"کھانا نہیں کھائیں گے آپ؟"

"نہیں یار' بھوک نہیں ہے۔" میں نے کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کمرے میں آ کر میں لباس تبدیل کر کے بستر پر لیٹ گیا اور میرا ذہن خیالات کے بھنور میں پھنس گیا۔ اندر سے ایک عجیب سی گھبراہٹ ابھر رہی تھی' حالانکہ اس کی کوئی خاص وجہ

نہیں تھی۔ بس عظمت کے الفاظ سے طبیعت کسی قدر مکدر سی ہو گئی تھی۔ واقعی اس دور میں مخلص ہونا بھی حماقت ہی ہے۔ عظمت کا کہنا بھی غلط نہیں تھا۔ میں خود بھی اس سے متنفر تھا لیکن اپنے خلوص کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

معاً دروازے سے ایاز کی آواز سنائی دی "منصور بھیا سو گئے آپ؟"

"نہیں ایاز آؤ۔" میں نے کہا اور ایاز دروازہ دھکیل کر اندر آ گیا۔ ایاز کے پیچھے عظمت بھی تھا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ عظمت کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "کھانا کھا لیا تم لوگوں نے؟"

"نہیں بھیا۔ میں نے عظمت صاحب سے کہا لیکن انہوں نے منع کر دیا' میں نے بھی نہیں کھایا۔ کوئی خاص بھوک بھی نہیں ہے۔"

"کیا خیال ہے عظمت صاحب' آپ یہاں رہیں گے یا جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

عظمت ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ "یہاں تو مسئلہ ہی دوسرا نکل آیا منصور صاحب! میں معذرت کرنے آیا ہوں۔ سخت شرمندہ ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ بھی مجھے بے قصور سمجھیں گے۔ کیونکہ حالات نے جو مذاق میرے ساتھ کیا ہے وہ آپ کے علم میں ہے۔"

"شاید ایاز نے تمہیں میری کہانی سنا دی ہے؟" میں نے بغور عظمت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ایاز صاحب نے مجھے وہ دلدوز داستان سنائی ہے اور اس کے بعد میرے اندر اتنی سکت نہیں کہ میں آپ کے کسی حکم سے انکار کروں' بلاشبہ میرے الفاظ نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہو گی لیکن منصور صاحب! آپ کے سینے میں بھی وہی درد جاگزیں ہے جو میرے سینے میں ہے' درد کو درد بخوبی سمجھتا ہے اور میں اسی درد کے ناتے آپ سے معافی کا خواست گار ہوں۔"

"نہیں عظمت! معافی کی ضرورت نہیں' میں جانتا ہوں۔"

"اگر آپ جانتے ہیں تو مجھے معاف کر دیں۔" عظمت کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

میرا ذہن ایک دم کھل گیا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور عظمت کے قریب پہنچ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "ہاں عظمت درد مشترک ہے ہم دونوں میں سے کوئی بھی قصور وار نہیں۔ بہرصورت خدا کا شکر ہے کہ حقیقت سمجھ چکے ہو۔ نکال دو ذہن سے وہ ساری باتیں جو تکدر کا ذرا سا بھی نشان چھوڑتی ہیں' آؤ بیٹھو باتیں کریں گے۔ مستقبل کے فیصلے کریں گے تم میرے بارے میں جان چکے ہو میں تمہارے بارے میں جاننا چاہوں گا۔"

"منصور بھیا آپ کی کہانی سننے کے بعد میرے دل کو بڑی ڈھارس ملی ہے۔ انتقا سے ہماری منزل ایک ہی ہے۔ انشاء اللہ آپ عظمت کو کسی طور اپنے سے دور نہیں پائیں گے۔ میں آپ کی ان تمام ہدایات پر عمل کروں گا جو آپ مجھے دیں گے۔ یقین کریں منصو بھیا میرا ہر قدم وہی ہو گا جو آپ کی منشا ہو گی۔"

"عظمت میں چاہتا ہوں کہ تم میرے کسی معاملے میں ملوث نہ ہو بس اپنے مسئ کو اس انداز میں حل کر لو کہ تم معاشرے کا کوئی برا کردار نہ بننے پاؤ۔ میرے ایک دوس ہیں پروفیسر شیرازی' میں تمہیں ان کے بارے میں کیا بتاؤں' وہ عظمت کی ایک زندہ مثال ہے۔ وہ معاشرے میں اچھائیاں دیکھنے کے خواہش مند ہیں لیکن ایسے ٹوٹے ہیں کہ شاید اب کبھی نہ جڑ سکیں۔ عظمت میں بس یہ چاہتا ہوں کہ بیمار فرحت اللہ صاحب بے کسی کی موت کا شکار نہ ہو جائیں۔ میں تمہیں مجرم نہیں دیکھنا چاہتا' ورنہ میں تمہیں یہ پیش کش کر دیتا کہ میرے ساتھ رہو۔ میرے ساتھ مل کر کام کرو۔"

"مگر منصور بھیا میں تو مجرم بن چکا ہوں جیل میں تین سال گزارے ہیں میں نے۔ چوری کا الزام تھا مجھ پر' اور بھی چند الزامات لگائے گئے تھے اس کے بعد اگر میں کوئی باعزت شخص بننا بھی چاہوں تو یہ میرے بس کی بات کہاں ہے۔ جیل میں رہنے والا شخص نہ تو نوکری حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی معاشرہ اسے کوئی باعزت مقام دیتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اہل محلّہ اب ہمارے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یقینی طور پر ہم وہاں بدنام ہو چکے ہوں گے اور بدنامی کی یہ زندگی مجھے کبھی کوئی صحیح راستہ اختیار نہیں کرنے دے گی۔ میں مجرم نہیں تھا منصور بھیا۔ لیکن معاشرے نے ایک مجرم تشکیل کر دیا ہے اب بتایئے میں کیا کروں؟"

"ہم اس معاشرے سے انتقام ضرور لیں گے عظمت لیکن ہم ذہین ہیں' بے وقوفوں کی طرح لاٹھی لے کر میدان میں کیوں نکل آئیں؟ اس بات کو تو بالکل ذہن میں اتار لو کہ شیخ جمال کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ ہم اس ظالم شخص سے خوفزدہ ہو کر خاموش نہیں بیٹھیں گے بلکہ اس کے لئے تانا بانا تیار کرتے رہیں گے۔ میں تمہارے لئے راہیں متعین کروں گا۔ ایک بات بتاؤ عظمت تم نے گریجویشن کیا ہے؟"

"ہاں....." اس نے جواب دیا۔

"ظاہر ہے کوئی ایسی ملازمت پسند کرو گے جو ایک گریجویٹ کے لئے ہونی چاہیئے۔"

"ہرگز نہیں۔ میری پسند ناپسند کا اب کوئی سوال نہیں ہے۔ میرا مستقبل اب آپ کے سامنے ہے منصور بھیا اور میں آپ کی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔"

"ڈرائیونگ آتی ہے؟"

"ہاں اچھی طرح۔ میں نے باقاعدہ سیکھی تھی۔"

"میں تمہیں ڈرائیور کی ملازمت دلواؤں گا' مگر یہ ملازمت برائے ملازمت نہیں ہو گی۔ بلکہ اس کا کچھ اور مقصد ہو گا۔"

"میں نے اب خود کو آپ کے حوالے کر دیا ہے منصور بھیا! یقین کرو جتنی بداعتمادی تھی' اب اتنا ہی پراعتماد ہو گیا ہوں۔ یہ کایا پلٹ چند لمحات میں ہی ہوئی لیکن بعض شخصیتیں ہی ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کی زندگی ہی بدل کر رکھ دیتی ہیں' آپ ان میں سے ہی ایک ہیں۔ میں اب آپ پر مکمل طور پر اعتماد کرتا ہوں میرے لئے جو راستہ آپ متعین کریں گے میں اب اسی پر چلوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ عظمت' یوں سمجھ لو کہ اب تم بھی میرے خاص ساتھیوں میں شامل ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے' چنانچہ اب یہ موضوع ختم' رات کو میں یہیں رہوں گا۔ کل صبح میں آپ سے ہدایات لینے کے بعد دوسرا قدم اٹھاؤں گا۔"

دفعتاً دروازہ دھڑ سے کھلا اور حسینہ اندر آ گئی۔

"الٰہی خیر۔" ایاز کے منہ سے نکلا۔ حسینہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ فرش پر بیٹھ کر رونے لگی۔ "مر جائیں ہم' ستیاناس ہو جائے ہمارا' کبھی کبھی بس دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ ارے معاف کر دو۔ ارے معاف کر دو تم لوگ۔ تم لوگ ہمیں معاف کر دو بس۔ بھائی مہمان صاحب تم بھی ہمیں معاف کر دو' بس ہم پاگل ہیں ذرا سے۔ اپنی حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ ٹھیک ہی تو کہا تھا اس موٹے نے کیا نام ہے اس کا۔ ہاں ایاز ہر وقت سرخی پاؤڈر لگاتا رہتا ہے۔ کہتا تھا تم اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں' لیکن اب کیا کریں آدمی جب بڑھ جائے تو واپس کیسے آئے۔ تم ہی بتا دو' بس معاف کر دو ہمیں۔ آئندہ ہم اپنی حد سے آگے نہیں بڑھیں گے۔"

ہم لوگوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ہمارے ہنسنے پر ایک لمحے کے لئے رک کر اس نے ہماری شکل دیکھی اور پھر مزید زور سے چیخنے لگی۔ "ہنس رہے ہو' ہائے ہنس رہے ہو۔ ہنس پاگل جو ہیں ہم' ٹھیک ہے پاگلوں پر ہنسا ہی تو جاتا ہے۔ ہم پاگل نہ ہوتے تو یہاں کیوں جھک مارتے ہوتے کہیں ملکہ بنے بیٹھے ہوتے۔ ملکائیں پاگل تھوڑی ہوتی ہیں۔"

"ارے ارے حسینہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"کہہ تو دیا پاگل ہو گئے ہیں اور کیا ہوا ہے' پہلے ہی سے پاگل تھے۔ پاگل نہ ہوتے تو سب کو اپنا کیوں سمجھ بیٹھتے۔ بتاؤ گھر جائیں گے تو ہمارا ستیاناس ہو جائے گا۔ ہماری ماں وہی پٹائی لگے گی۔ کام دھندہ الگ کرنا پڑے گا۔ تم سوچو بابا کیا کہے گا۔"

"حسینہ ! بے وقوف ! تجھے یہاں سے کون نکال رہا ہے۔" میں نے اسے دلار دیتے ہوئے کہا۔

"نکال تو نہیں رہے پر ناراض ہو گئے تو ہمارا یہاں کیا کام ہو گا۔ ہم حرام کی کھاتے نہیں' یہ تم لوگوں کو اچھی طرح پتہ ہے خوب محنت کرتے ہیں اور اپنی روزی حلال کر لیتے ہیں۔ ارے اب کیا ہمیں حرام کی کھانا پڑے گی؟ ارے تم لوگ ہمارے ہاتھوں کی روٹی نہیں کھاؤ گے تو پھر ہمارا یہاں کام کیا ہو گا۔"

"جلدی کر کھانا نکال بھوک سے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔" میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ایں۔" حسینہ روتے روتے ایک دم چونک پڑی وہ بے یقینی کے انداز میں میری صورت دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ایاز کو دیکھا' پھر عظمت کو اور پوچھا۔ "مہمان صاحب تم بھی کھانا کھاؤ گے نا؟"

"ہاں حسینہ بی بی ! آپ کھلائیں گی تو ضرور کھائیں گے۔" عظمت نے جواب دیا۔

"اور حسینہ بی بی" خوشی سے مسکرانے لگی۔ روتے روتے ہنس دینے کا یہ انداز بڑا ہی دلکش تھا۔ "تت تو.... تو میں کھانا نکال لاؤں؟"

"ہاں ہاں' جلدی کرو' بھوک کے مارے دم نکلا جا رہا ہے نہ جانے کیا کیا پکایا ہو گا تو نے؟"

"دوپہر کو بھی پکایا تھا' شام کو بھی پکایا ہے۔ بہت ساری چیزیں ہیں بس ابھی نکال کر لا رہی ہوں تم ہاتھ دھو لو۔" حسینہ اٹھی اور باہر بھاگ گئی۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" عظمت نے سوال کیا۔

"بس ایک مجبوری ہے' بے بسی ہے' دیکھ لو عظمت' انسان کس کس طرح نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔ اچھا لباس پہن لے' میک اپ کر لے تو کسی بڑے گھرانے کی فرد معلوم ہو گی۔ لیکن یہ بدنصیب زندگی کا بوجھ اٹھائے وقت گزار رہی ہے۔"

حسینہ نے کھانا لگانے کی اطلاع دی اور ہم سب کھانا کھانے چلے گئے کھانے کے دوران حسینہ ہمارے پاس ہی کھڑی رہی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "حسینہ تم نے بھی کھانا کھایا۔"

"نہیں کھایا' غصہ آ رہا تھا دوپہر سے' اب تم کھا رہے ہو تو ہمیں بھی بھوک لگ رہی ہے۔"

"تو کھانا کھا لو۔"

"تم لوگ کھا لو پھر کھا لیں گے۔" حسینہ نے کہا۔

"نہیں نہیں حسینہ ہم کھا لیں گے۔ جاؤ تم بھی کھانا کھا لو پھر بعد میں برتن اٹھا لینا۔" میں نے اسے چمکارتے ہوئے کہا اور وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

دوسری صبح ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں نے ان لوگوں سے تھوڑی دیر کے لئے اجازت طلب کی اور ٹیلی فون کے کمرے میں پہنچ گیا۔ میں مسز جہانگیر کو فون کرنا چاہتا تھا۔ اس نے عظمت کے گھر والوں کے بارے میں بھی پوچھنا تھا۔ چنانچہ میں نے ٹیلی فون پر مسز جہانگیر کا نمبر ڈائل کیا اور وہ شاید ابھی دفتر جانے کی تیاری ہی کر رہی تھیں۔ ملاقات ہو گئی۔

"خادم بول رہا ہے۔" میں نے کہا۔

وہ میری آواز پہچان گئیں۔ "ہیلو منصور کیسے مزاج ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔ ان لوگوں کے لئے کیا رہا؟ میرا مقصد فرحت اللہ سے ہے۔"

"منصور میں انتہائی کوشش کر چکی ہوں۔ ان لوگوں نے میرا خلوص تو قبول کر لیا لیکن میرے ساتھ اس گھر سے منتقل ہونے پر تیار نہیں ہوئے اور میری مدد بھی قبول نہیں کی۔ تم نے کہا تھا کہ عظمت چار پانچ روز میں رہا ہو جائیں گے۔"

"ہاں' وہ رہا ہو چکے ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔"

"اوہو۔ تو تم نے اس شخص کے بارے میں کیا اندازہ لگایا؟"

"بالکل میرے ہی جیسے حالات ہیں۔ بہرحال' میں نے اس کے لئے ایک فیصلہ بھی کر لیا ہے گل۔"

"وہ کیا؟" لیڈی جہانگیر نے پوچھا۔

"آپ کو یقیناً ڈرائیور کی ضرورت ہو گی۔ میں عظمت کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔"

"مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ گریجویٹ ہے۔"

"ہاں یہ درست ہے لیکن وہ آپ کے ڈرائیور کی حیثیت سے ہی ٹھیک رہے گا۔"

"آخر کیوں؟"

"بس گل ! میں چاہتا ہوں کہ میرا ایک آدمی آپ کے اس قدر قریب رہے کہ اگر میں آپ سے براہ راست رابطہ قائم نہ کر سکوں تو اس کے ذریعے کرتا رہوں۔"

"ویری گڈ یہ تو اچھا خیال ہے۔ عظمت سے بات کر لی ہے؟"

"ہاں بس ٹھیک ہے عظمت آج کل یا پرسوں آپ کے پاس پہنچ جائے گا اس کے بعد ان لوگوں کے حالات بھی آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" میں نے کہا اور رسمی گفتگو

کے بعد فون بند کر دیا۔

اس گفتگو سے فارغ ہو کر میں، عظمت اور ایاز کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ "بس عظمت اب تم جاؤ۔ اپنے والدین سے ملو انہیں تسلی دو ایک آدھ دن ان کے ساتھ گزارو اور پھر اپنی ملازمت پر چلے جاؤ۔"

"ملازمت؟" وہ چونک پڑا۔

"ہاں، بات ہو گئی ہے تم جب چاہو اپنی ڈیوٹی پر جا سکتے ہو۔" میں نے پرسکون انداز میں کہا اور پھر میں نے ایاز سے کہا۔ "ایاز، عظمت کا پستول کہاں ہے؟"

"لے آؤں؟" ایاز نے پوچھا اور میں نے گردن ہلا دی۔ جونہی ایاز گیا میں نے جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی۔ پچاس پچاس کے سو نوٹ تھے۔ وہ گڈی میں نے عظمت کی جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ "اس دوران کچھ لوگوں کے قرض بھی ہوں گے اس کے علاوہ کچھ ضروری کام تمہاری غیر موجودگی کی وجہ سے رک گئے ہوں گے۔ اگر مزید ضرورت پڑے تو سیدھے یہاں آ جانا۔"

"منصور بھیا، یہ...... یہ...... !" عظمت کی آواز پھنسنے لگی۔

"اس کی گنجائش باقی ہے عظمت۔ ہمیں مل جل کر زندگی کے بے شمار مسائل حل کرنے ہیں کیا ہم ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر سوچیں گے؟"

"نہیں منصور بھیا۔" عظمت کی گردن جھک گئی۔

ایاز واپس آ گیا۔ میں نے پستول لے کر عظمت کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ پستول ان لوگوں کو واپس کر دو۔ ویسے وہاں کا پتہ تمہیں کہاں سے ملا تھا؟"

"جیل سے۔ سیدو، رحیمو نامی دو جرائم پیشہ آدمی جیل میں ملے تھے۔ سات سال کی سزا کاٹ رہے ہیں دونوں۔ مجھے کچھ کام بتائے تھے اور پتہ دے دیا تھا۔ وہاں سے میں نے دو سو روپے بھی لئے تھے۔"

"واپس کر دو جا کر۔ کام کیا تھے۔"

"چند چیزیں ایک جگہ سے لے کر دوسری جگہ پہنچانی ہیں۔ کوئی خاص کام نہیں ہے۔"

"کام تو خاص ہی ہے کون جانے وہ چیزیں کیا ہوں۔ بہرحال وعدہ کر آئے ہو۔ وعدہ خلافی اچھی بات نہیں ہے ان لوگوں کو اطمینان ہو گیا ہو گا۔ ان کا کام کر دینا۔"

"ٹھیک ہے۔" عظمت نے گردن ہلا دی۔

اسے رخصت کر کے میں نے ایاز سے پوچھا۔ "تمہاری مصروفیت کیسی رہی، ایاز کوئی کام بنا؟"

"خداوند میری بہن کو جلد مجھ سے ملوا دے گا۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"اس کی تصویر شمو کو دکھاؤں گا اور کہوں گا کہ بہت جلد میری امی اور بہن اس کا رشتہ مانگنے آئیں گی۔"

میرے دل میں ہوک سی اٹھی۔ ذہن پر دیوانگی سوار ہونے لگی۔ لیکن میں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ ایاز نے مجھے پرسکون دیکھا تو بولا۔ "اگر مجھ سے کوئی خاص کام نہ ہو بھیا تو میں اپنی مہم پر چلا جاؤں؟"

میں نے اسے اجازت دے دی۔ اس کے جانے کے بعد میں دیر تک سوچتا رہا اور پھر تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ کار لی اور چل پڑا۔ رخ سیٹھ جبار کی کوٹھی کی طرف تھا۔ میں نے چہرہ بھی نہیں بدلا تھا بس ایک جنون سوار تھا مجھ پر۔

"سیٹھ جبار کی کوٹھی کے گرد میں نے کئی چکر لگائے۔ پھر کار ایک جگہ کھڑی کر کے نیچے اتر آیا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اندر جا کر قتل عام شروع کر دوں، جو سامنے آئے اسے گولی مار دوں۔ طارق اندر موجود تھا۔ زندہ تھا اور اسے میری امی اور فریدہ کے بارے میں معلوم تھا۔ آنکھوں میں خون اتر رہا تھا لیکن سیٹھ جبار کی کوٹھی میں گھسنا ٹھیک نہیں تھا...... عظمت کو جذباتیت سے روکا تھا اور خود جہنم میں جا رہا تھا۔ مجھے بھی صبر سے کام لینا چاہئے۔ واقعی صبر سے کام لینا چاہئے۔" چند ساعت بے چینی کے عالم میں وہاں رکا اور پھر واپس اپنی کار کی طرف چل پڑا۔ کار اسٹارٹ کر کے واپس موڑی ہی تھی کہ کوٹھی سے ایک خوبصورت کار نکلتی نظر آئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر اینجل موجود تھی۔ کار برق رفتاری سے، میرے سامنے سے گزر گئی اور نہ جانے کیا سوچ کر میں نے بھی اپنی کار اس کے پیچھے لگا دی۔ اینجل بہت تیز ڈرائیو کر رہی تھی۔ میں اس کے پیچھے لگا رہا اور تھوڑی دیر بعد کار ایک خوبصورت ہوٹل کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ اینجل نے نیچے اتر کر اسے لاک کیا اور اندر چلی گئی۔ میں نے بھی اس کا تعاقب ترک نہیں کیا اور اس کے پیچھے ہی ہوٹل میں پہنچ گیا۔ وہ ہال میں نظر آئی اسی وقت ایک خوبصورت سے نوجوان نے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا۔ اینجل اس کی طرف بڑھ گئی۔ میں لاپرواہی سے آگے بڑھتا ہوا ان لوگوں کے قریب ایک میز پر پہنچ گیا اور پشت ان کی طرف کر کے بیٹھ گیا۔ "کنول کہاں ہے؟" اینجل نے پوچھا۔

"بے ہودہ اور وعدہ خلاف لڑکی ہے۔ پھر گول ہو گئی۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"مجھے اتنا اصرار کر کے یہاں بلایا اور خود غائب ہو گئی۔ جبکہ اسے علم ہے کہ میں ایسے گھٹیا ہوٹل میں پانی پینا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"مجھے احساس ہے مس اینجل۔ ایسی لڑکیوں سے تو دوستی بھی نہیں رکھی جا سکتی۔"

"سوری مسعود صاحب۔ مجھے اجازت دیں۔"

"مس اینجل۔ میں آپ کو روکنے کا کوئی حق نہیں رکھتا لیکن بس ا
درخواست ہے آپ چاہیں تو اسے رد کر دیں۔ یہ لنچ میری طرف سے قبول فرمالیں۔"

"اوہ اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں نے کہا نا۔ بس ایک خواہش ہے۔ آپ اسے رد بھی کر سکتی ہیں۔"

میں نے کھانا منگوا لیا اور اسی دوران' ان کی چھوٹی موٹی باتیں سنتا رہا۔ خاص بات معلوم نہ ہو سکی اس لئے میں نے مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور و سے اٹھ گیا۔ واپس گھر پہنچا تو حسینہ کچھ اداس نظر آئی۔ میں اس اداسی کی وجہ جانتا لیکن اس وقت لطف اندوز ہونے کو جی نہ چاہا۔ دل میں ویرانی سی بسی ہوئی تھی۔

"صاحب جی۔ کھانا لے آئیں؟" حسینہ نے پوچھا۔

"نہیں حسینہ' بھوک نہیں ہے۔ ایاز تو نہیں آیا؟"

"نہیں جی۔ ہاں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی۔ کوئی پینی بول رہی تھی آپ کو پوچ میں نے کہا کہ نہیں ہیں۔ کہنے لگی اگر آ جائیں تو کہہ دینا پانچ بجے بولے گی اور اگر بجے بھی نہ آئے تو نو بجے بولے گی۔"

"ٹھیک ہے حسینہ۔ تم نے کھانا کھا لیا؟"

"جی صاحب جی۔" اس نے کہا اور واپس چلی گئی۔

شام کو ٹھیک پانچ بجے پینی نے فون کیا۔ میں اس کے فون کا انتظار ہی کر رہا تھ میں نے ریسیور اٹھا لیا اور دوسری طرف سے پینی کی آواز پہچان کر بولا۔ "ہاں پینی' میں بو رہا ہوں۔"

"ٹھیک تو ہو منصور؟"

"ہاں' تم نے فون کیا تھا؟"

"چند اطلاعات جمع ہو گئی تھیں۔"

"قرب و جوار کا ماحول ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل۔ اس کی فکر مت کرو۔ میں بہت چالاک ہوں۔" پینی نے کہا۔ "بگ ہ واپس آ گیا ہے۔ افضال خان کی خبر اسے مل گئی جسے سن کر اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا بل خاموش ہو گیا۔ طارق کی حالت بالکل ٹھیک ہے۔ تمہارا نام لیتے ہوئے اس کی آنکھوں م خون اتر آتا ہے کہہ رہا ہے کہ لونڈا ہے۔ میں نشے میں سونے کی وجہ سے مار کھا گیا ورنہ ا اتنا زبردست نہیں ہے۔ خاص طور پر وہ اپنی رہائش کے مسئلے پر فکر مند ہے۔"

"کیا مطلب پینی؟"

"فوزی نامی ایک لڑکی یہاں رہتی ہے۔ طارق کی دوستوں میں سے ایک ہے ا طارق کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے۔ طارق کہہ رہا تھا کہ اس نے فوزی سے بات ک

ہے اس نے کسی کو اس کی رہائش گاہ کے بارے میں نہیں بتایا اور نہ ہی اینجل نے ایسی کوئی حرکت کی ہے اس کا خیال ہے کہ یہ دونوں سچ بول رہی ہیں پھر اس نے کہا کہ میرے ذہن میں ایک شبہ سر ابھار رہا ہے پینی! جب میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا کہ ممکن ہے ان لوگوں میں سے کوئی ہو جو میرے شکار ہیں اور ان میں لیڈی جہانگیر سرفہرست ہے میں نے جب اس شبہ کی وجہ پوچھی تو الجھے ہوئے انداز میں بولا کہ منصور' لیڈی جہانگیر کا ڈرائیور تھا۔ ہر چند کر لیڈی جہانگیر نے میرے کہنے پر اس کے خلاف کیس بنا دیا لیکن یہ کوئی گہری چال بھی ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے لیڈی جہانگیر میری دشمن ہے' دوست نہیں ہے۔"

"گڈ پھر کیا ہوا پینی؟"

"بس اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ بس یہی اطلاع تھی منصور! کیا تمہارے لئے اہم نہیں ہے؟"

"بہت اہم ہے پینی۔ لیکن اب ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے تم منظور کر لو گی۔"

"میں.....؟" پینی نے متعجبانہ انداز میں کہا۔ "کیا بات ہے؟"

"اس کے بعد تم مجھے کوئی فون نہیں کرو گی۔ اس وقت تک' جب تک کہ میں خود تم سے رابطہ قائم نہ کروں۔"

"کیوں..... اگر کوئی اہم اطلاع ہوئی تو؟"

"کسی نہ کسی ذریعے مجھ تک پہنچ ہی جائے گی۔ تم اس کی بالکل فکر مت کرو۔"

"مگر کیوں۔ تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟"

"طارق بالکل ہی گھامڑ نہیں ہے۔ مجرمانہ ذہنیت کا مالک ہے۔ اس کا شبہہ تم پر بھی جا سکتا ہے۔ پینی تم سب سے زیادہ مخدوش حالت میں ہو میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔"

پینی چند لمحات خاموش رہ کر بولی۔ "اس بیکار زندگی کا ایک ہی مصرف تو سامنے آیا ہے منصور۔ تم اس سے بھی منع کر رہے ہو۔ پھر کروں گی کیا؟ میرا خیال ہے تم مجھے اس کے لئے منع نہ کرو۔"

"پینی یہ میری درخواست ہے۔ زندگی کبھی بے مصرف نہیں ہوتی۔ حالات ہمارے لئے بے شمار راستے منتخب کرتے ہیں ممکن ہے تم میری زندگی کے کسی اہم مسئلے میں میرے لئے کار آمد بن جاؤ..... مجھے کتنی ڈھارس رہے گی کہ میرا ایک ساتھی ان کے درمیان موجود ہے۔"

"اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو ٹھیک ہے منصور۔" پینی نے کہا اور میں نے خدا

حافظ کہہ کر فون بند کر دیا لیکن اب میرے ذہن میں ایک اور تشویش نے سر ابھارا تھا..... کہ طارق کے شبے کو کہیں سے تقویت نہ مل جائے۔ لیڈی جہانگیر کسی نئی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ کیا کرنا چاہیئے' لیڈی جہانگیر کو اس خدشے سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ وہ کہیں دھوکا نہ کھا جائے لیکن اس کا ایک غلط نتیجہ بھی نکل سکتا ہے۔ لیڈی جہانگیر اس بات سے خوف زدہ ہو جائے گی اور خوف کے عالم میں وہ کوئی حماقت نہ کر بیٹھے لیکن اس سے اس کی امید کم تھی۔ وہ سمجھ دار عورت تھی۔ دنیا ساز اور زمانہ دیکھے ہوئے بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ اس سے ملاقات کر کے اسے صورت حال سے آگاہ کر دوں گا لیکن اب اس سے ملاقات بھی خطرناک تھی۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑے گا۔ اب اس کی آزادی سے فون بھی نہیں کیا جا سکتا طارق بستر پر ضرور ہے لیکن اس کے گرگے اس کے احکامات کی تعمیل کر رہے ہوں گے۔ لیڈی جہانگیر کا فون ٹیپ کیا جا سکتا ہے..... احتیاط لازمی تھی..... عظمت جلدی سے لیڈی جہانگیر کے پاس پہنچ جائے اس کے بعد آسانیاں ہو جائیں گی۔

سات بجے عظمت آ گیا۔ شلوار قمیض پہنے ہوئے تھا اور بہت پاکیزہ صورت نظر آ رہا تھا۔ میں نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔ "چائے پیوں گا منصور بھیا! دعائیں مانگتا آیا تھا کہ آپ گھر پر ہی ملیں۔"

"ابھی لو۔" میں نے کہا اور حسینہ کو بلا لیا۔ "حسینہ' یہ عظمت چائے مانگ رہے ہیں۔"

"ابھی لائی صاحب جی۔" حسینہ چلی گئی۔

"فرحت اللہ صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟"

"خراب تھی مجھے دیکھ کر ایک دم کایا پلٹ ہو گئی۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا منصور بھیا کہ مجھے اپنی قید کے دن ٹھیک سے یاد بھی نہیں تھے لیکن ان لوگوں نے ایک ایک دن کا حساب رکھا۔ خلاف توقع مجھے دیکھ کر شدید حیران ہوئے۔ انہیں خدشہ ہو گیا کہ کہیں میں جیل سے بھاگ کر تو نہیں آیا۔ بڑی مشکل سے انہیں یقین دلایا ہوں۔ بس ان لوگوں کی حالت کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔"

"ہاں عظمت۔ تم بوڑھے والدین کا بہت بڑا سہارا ہو۔ خدا تمہیں آفات سے محفوظ رکھے۔ نوکری کے بارے میں کیا خیال ہے عظمت؟"

"میں نے ابو سے بھی بات کر لی ہے۔ گھر کے حالات واقعی خراب تھے۔ آپ کی دی ہوئی رقم نے ہماری زندگی کو بہت بڑا سہارا دیا ہے۔ ہر چند کہ وہ لوگ ابھی یہ نہیں چاہتے کہ میں ایک لمحے کے لئے بھی ان سے جدا ہوں لیکن میں نے ان سے کہا ہے کہ زندگی مشقت طلب کرتی ہے۔ یہ سب کچھ کرنا ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہا تم نے۔ وہ تیار ہو گئے؟"

"ہاں۔" عظمت نے جواب دیا۔

"تو پھر تم کب سے ڈیوٹی پر جاؤ گے؟"

"جب آپ حکم دیں گے۔"

"شیخ جمال کے بارے میں اب فرحت اللہ صاحب کا کیا خیال ہے؟"

"وہی جو ہر بے بس انسان کا ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اب شیخ جمال کا مسئلہ اس سب سے بڑے محاسب پر چھوڑ دیا جائے جو سب سے قوی و برتر ہے۔ میں ان کے سامنے خاموش ہو گیا تھا۔ حشمت اور صوفیہ کا مسئلہ بھی تو ہے۔ بہرحال ان لوگوں کو میں نے کسی تشویش کا شکار نہیں ہونے دیا۔"

"بہت اچھا کیا تم نے۔ اب چائے پینے کے بعد تم ایک کام کرو عظمت۔"

"جی بھیا.....؟"

"میں جہانگیر لمیٹڈ کی لیڈی جہانگیر کے لئے تمہیں ایک خط دوں گا۔ ان کی کوٹھی پر چلے جانا۔ موجود نہ ہو تو انتظار کر لینا۔ مل کر ہی آنا۔ ان سے خط کا جواب لانا ہے۔ تمہیں انہیں کے پاس کام کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" عظمت نے گردن ہلا دی۔ چائے پینے کے بعد میں نے عظمت سے اجازت لی اور دوسرے کمرے میں جا کر لیڈی جہانگیر کو مفصل حالات لکھ کر آئندہ کے لئے ہدایات جاری کیں اور پھر عظمت کو روانہ کر دیا۔

اسی دوران ایاز آ گیا۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ ساڑھے نو بجے عظمت واپس آ گیا۔ کسی قدر الجھا ہوا تھا۔ اس نے لیڈی جہانگیر کا جواب مجھے دے دیا اور میں اسی وقت اسے پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"تمہارا خیال درست ہے منصور۔ دشمن کے مقابلے کے لئے ہمیں بہت محتاط ہونا پڑے گا۔ میں تمہاری تمام ہدایات کی پابندی کروں گی' یہ عمدہ بات ہے کہ عظمت فوری طور پر کام کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ ہمارے درمیان رابطے کا ذریعہ رہیں گے۔ فرحت اللہ صاحب کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسے عظمت ہیں۔ ویسے یہ میری پیش کش پر حیران ہیں انہیں ٹھیک کر لینا۔ میں محتاط رہوں گی۔

گل۔

خط پڑھ کر میں نے پھاڑ دیا اور پھر عظمت سے پوچھا۔ "نوکری کی بات ہوگئی؟"

"وہ نوکری ہے منصور بھیا؟"

"کیا مطلب؟"

"بس عنایت ہے آپ کی۔ ڈرائیور کی تنخواہ ڈھائی ہزار روپے؟ اور مکان الگ..... انہوں نے میرے افراد خانہ کے بارے میں پوچھا پھر خود ہی اخراجات کا تخمینہ لگا کر تنخواہ متعین کر دی۔ ڈھائی ہزار روپے۔" عظمت ہنس پڑا۔

"اس میں کسی تعرض کی گنجائش نہیں ہے عظمت۔ اس بارے میں تم کچھ نہیں سوچو گے مکان کا کیا معاملہ ہے؟"

"کیجل روڈ پر فراست منزل کے گراؤنڈ فلور کا فلیٹ نمبر دس ہمیں الاٹ کر دیا گیا ہے۔ چھ کمروں کا فلیٹ ہے۔" عظمت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کب منتقل ہو گے؟"

"فلیٹ ساری ضروریات سے آراستہ ہے۔ اگر ہم چاہیں تو کل ہی منتقل ہو سکتے ہیں۔" عظمت نے کہا اور ہنس پڑا۔

"آخر اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"بڑی زبردست نوکری ملی ہے منصور بھیا۔ خدا ہر بے روزگار کو ایسی ہی نوکری عطا فرمائے۔"

"اچھا بس بے کار باتیں بند۔ کل سے ڈیوٹی جوائن کر لو گے اور دو تین دن کے اندر اندر شفٹ ہو جاؤ گے۔"

"تعمیل ہو گی۔ ویسے مکان کا مسئلہ بہت عمدہ ہو گیا بھیا۔ اب اس گھر میں تو داخل ہونے کو جی نہیں چاہتا۔ یوں بھی محلے والوں کی نگاہوں میں وہ گھر عجیب ہو گیا ہے اگر ہم اتنے نیک نام نہ ہوتے تو لوگ شاید کھلے عام ایسی باتیں کرنے لگتے جو نا قابل برداشت ہوتیں....."

"لیڈی جہانگیر کافی دنوں سے اس تاک میں تھیں کہ فرحت اللہ صاحب کو اس مکان سے لے جائیں لیکن وہ لوگ تیار نہ ہوئے بالآخر اس طرح کام بن گیا۔"

"کیا مطلب؟" عظمت چونک پڑا۔

"وہ تمہاری زبردستی کی رشتے دار بن کر تمہارے گھر جاتی رہی ہیں۔ یہ بات میں نے تمہیں اس لئے بتا دی ہے کہ نئے مکان میں منتقل ہونے کے بعد تم اس کا خیال رکھو اور لیڈی جہانگیر کو شرمندہ نہ ہونے دو۔"

"خدا کی پناہ۔ امی نے مجھے ان خاتون کے بارے میں بتایا تھا جو ہم پر احسان کرنا چاہتی تھیں۔ ویسے ان کا رشتہ آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔"

"وہ در دانہ گل ہی تھیں۔"

"لیکن منصور بھیا۔ ہمارا ان سے کیا تعلق ہے؟"

"بہت گہرا تعلق ہے۔ آہستہ آہستہ معلوم ہو جائے گا....." میں نے جواب دیا اور عظمت سوچ میں ڈوب گیا پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "بہرحال آپ نے جو بہتر سمجھا کیا۔ اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ویسے میرے لئے اب کیا حکم ہے؟"

"بس گھر جاؤ۔ وہ سب انتظار کر رہے ہوں گے۔ ابھی ان کے دلوں میں دہشت ہے۔ پہلی فرصت میں مکان شفٹ کر لو۔"

"او۔ کے سر۔" عظمت نے کہا اور سلام کر کے چلا گیا۔ میں نے اسے کھانے کے لئے نہیں روکا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کے والدین کے جذبات کیا ہوں گے۔ نسیمہ نے کھانا لگایا..... میں اور ایاز کھانے میں مصروف ہو گئے۔ ایاز آج بھی کوئی خاص خبر میں لا سکا تھا۔ میں نے اس سے اس کی آج کی مصروفیت کے بارے میں پوچھ لیا۔

"بھیا۔ شہر میں شاید ہی کوئی ایسی ریکروٹنگ ایجنسی بچی ہو جہاں میں نہ ہو آیا ہوں۔ میں نے سب سے رجسٹریشن کرا لیا ہے۔ کہیں میں موٹر مکینک تھا۔ کہیں ریفریجریٹر مکینک اور کہیں الیکٹرک ویلڈر۔ رجسٹریشن فیس بھی ہر جگہ جمع کی ہے اور ان لوگوں کو ائے وغیرہ پلا کر ان کے چھ سال تک کے اندراجات بھی دیکھے ہیں..... لیکن....."

"ممکن ہے ایاز' ایسی بات ہی نہ ہو۔"

"ہاں بھیا۔ اس طرف سے اطمینان ہو گیا ہے۔"

"ویسے ہماری کاوشیں ست پڑ گئی ہیں ایاز۔ طارق ٹھیک ہو چکا ہے۔ اسے دیا ہوا نت بھی کبھی کا نکل چکا ہے اور ہم اب تک کچھ نہیں کر سکے۔ فریدہ اور امی تو اب ایک رت بن گئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں ایاز کہ شیخ جمال سے بھی جلد حساب کتاب کر لیا جائے۔ ے کمینے لوگ زیادہ عرصے تک عیش و عشرت میں نہیں رہنے چاہئیں۔"

"مجھے میری ڈیوٹی بتاؤ بھیا.....؟"

"کل صبح سے تم شیخ جمال کی نگرانی کرو گے۔ مجھے اس کے اور اس کے بیٹے کے ے میں مکمل معلومات درکار ہیں' ان لوگوں کے کیا مشاغل ہیں۔ اٹھنا بیٹھنا کہاں کہاں ، وغیرہ....."

"کل سے شروع۔" ایاز نے مستعدی سے کہا۔

"جس قدر تفصیلات مہیا ہو سکیں' تصویریں وغیرہ بھی حاصل کرنے کی کوشش و۔"

"ٹھیک ہے۔" ایاز نے کہا۔ میں نے مختصراً ایاز کو عظمت کے بارے میں بتایا اور اس نے بھی اطمینان کا اظہار کیا پھر مجھے چمن کا خیال آ گیا۔

"یہ چمن کہاں غائب ہے آج کل؟"

"اس کا نام اس طرح نہ لے لیا کرو منصور بھیا۔ میرے سارے خواب ٹوٹ جاتے ہیں اور دل میں ایک خوف پیدا ہو جاتا ہے۔"

"خوف کیسا؟"

"یہی کہ کہیں دوبارہ اس کے چنگل میں نہ پھنس جاؤں۔"

"چمن کا رویہ عجیب ہے ایاز۔"

"وہ کیسے؟"

"ابھی تک وہ کھل نہیں سکا۔ اس کے ذرائع آمدنی ناجائز ہیں۔ بہت سے غنڈے پال رکھے ہیں اس نے۔ بہترین تعلقات کا مالک ہے۔ کہتا ہے کہ سیٹھ جبار پر اس کا کچھ قرض ہے اور وہ اس کے کشتگان میں سے ہے لیکن... ابھی تک اس کا کوئی عمل سامنے نہیں آیا۔ اس کی مجھ پر اس قدر مہربانی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ ہم تو بے بس تھے ایاز اس لئے ہم نے اس کا سہارا قبول کر لیا لیکن وہ ہماری طرح بے بس نہیں ہے اگر وہ سیٹھ جبار کے خلاف ہے تو وہ کیا کر رہا ہے؟"

"بہت گہرا انسان ہے۔ بڑی مشکل سے کھلتا ہے۔" ایاز نے کہا۔

"لیکن کچھ تو کھلنا چاہیئے۔ سیٹھ جبار کے خلاف اگر کوئی محاذ ہی بنانا ہے تو کیا ہمیں اس میں شامل نہیں کرے گا؟"

"خدا جانے۔"

"کیا خیال ہے اس سے بات کی جائے؟"

"جیسا مناسب سمجھو۔"

"نہیں تم خود بتاؤ۔ کئی دن ہو گئے اس سے ملاقات ہوئے۔ اس نے بھی خبر نہیں لی۔ اس طرح عنایت کر کے بھول جانا کچھ ہضم نہیں ہو رہا۔"

"بات کر لو اس سے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔" ایاز نے کہا اور میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ چمن واقعی پراسرار کردار تھا۔

دوسرے دن ایاز کو اس کی ڈیوٹی پر روانہ کر کے میں چمن کے اڈے کی طرف چل پڑا۔ چمن موجود تھا اور حسب معمول اپنی دکان سجائے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور پھر بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

"کہو شہزادے کیا عیش ہو رہے ہیں؟"

"اوہ۔ خیریت شہزادے؟ کیسی الجھن ہے؟"

"مجھے اس عمارت میں پہنچا کر تم بالکل ہی خاموش ہو کر بیٹھ گئے؟"

"تو اور کیا کروں؟"

"ملاقات بھی نہیں ہوتی؟"

"احتیاط شہزادے۔ احتیاط۔ تم جانتے ہو..... اچھی طرح جانتے ہو کہ جبار سیٹھ اپنے دشمنوں سے غافل نہیں رہتا۔ تمہارا کیا خیال ہے' اسے چمن کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟ شہزادے وہ ہزار آنکھیں رکھتا ہے۔"

"اس کے باوجود اس نے تمہیں آزاد چھوڑ رکھا ہے؟"

"ہاں۔ اسے خود پر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہے۔" چمن نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"یعنی اسے معلوم ہے کہ تم اسی شہر میں ہو' اس کے خلاف ہو اور موقع ملنے پر تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہو' اس کے باوجود اس نے تمہیں نظرانداز کر رکھا ہے؟" چمن میری اس بات پر ہنسنے لگا پھر بولا۔

"ابھی صرف اپنے بارے میں سوچو شہزادے۔ میرا کھیل دوسرا ہے آہستہ آہستہ سامنے آئے گا۔ تم بتاؤ کامیابی سے آگے قدم بڑھا رہے ہو یا رک گئے ہو۔ ویسے افضال خان کے بارے میں مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ کیا قصہ تھا؟"

"کیا معلوم ہو چکا ہے؟"

"یہی کہ تم نے اس کی دونوں ٹانگیں نکال دی ہیں ویسے جی دار کو مارا ہے۔ ٹھاک آدمی ہے' جان رکھتا ہے' تم نے اکیلے کام کیا تھا؟"

"تمہیں افضال خان کے بارے میں تفصیل کیسے معلوم ہوئی.....؟"

"بھئی اسپتال میں ہے۔ ٹانگیں بیکار ہیں دونوں۔ تم نے اس دن اس کا پتہ پوچھا اب تھوڑی سی عقل تو ہمیں بھی ہے۔" چمن ہنسنے لگا پھر بولا۔ "کوئی پرانی دشمنی تھی؟"

"نہیں' نیا ہی معاملہ ہے۔ طارق کے بے کار ہونے کے بعد اسے میرے قتل پر کیا گیا تھا۔"

"کس نے کیا تھا؟"

"سیٹھ جبار نے۔" میں نے جواب دیا اور چمن کی آنکھوں میں تشویش کے آثار ابھرنے لگے۔ وہ آہستہ سے بولا۔

"سیٹھ جبار نے؟ بات کچھ عقل میں نہیں آتی شہزادے۔ جبار کبھی ہلکے کام نہیں کرتا۔ اگر وہ تمہیں قتل کرنا چاہتا تو کوئی لمبی چال چلتا' غلط اطلاع معلوم ہوتی ہے کہاں سے

ملی؟"

اسی وقت ایک گرانڈیل شخص اندر داخل ہو گیا۔ گٹھے ہوئے سر کا مالک تھا اور شکل سے کافی خطرناک لگتا تھا۔ چمن بری طرح چونک پڑا۔

"ارے تغلق خان... تم.... تم خدا کی پناہ تم زندہ ہو۔ میں نے تو سنا تھا کہ تم فرانس کی جیل میں.... !"

"بکواس مت کرو۔ یہ باہر تم نے کیسے آدمی چھوڑ رکھے ہیں' تمیز نہیں سکھائی انہیں مجھے روک رہے تھے کہنے لگے استاد اندر مصروف ہے۔" آنے والے نے کہا۔

"غیر ملک کی جیل میں رہ کر ملکی آداب بھول گئے؟ یہ سب سپاہی ہیں۔ ان کی ڈیوٹی اور کیا ہوتی ہے اور شکوہ کرنے کے بجائے تمہیں میرے گلے لگنا چاہیئے تھا۔"

"ہاں یار..... سب کچھ بھول گیا ہوں۔ موڈ خراب کر دیا ہے ان لوگوں نے۔ یہ لڑکا کون ہے؟ اسے بھگاؤ باتیں کریں گے۔"

"اوہ منصور۔ یہ تغلق خان ہے۔ تمہیں تو یقیناً علم نہیں ہو گا پرانی بات ہے۔ تقریباً پندرہ سال پرانی۔ تغلق خان نے بڑے ہنگامے کیے تھے یہاں بیس پچیس قتل کر کے گیا تھا پھر جب اس کے حلیف سیاسی ٹولے کا انحطاط ہوا تو یہ بھی ملک سے باہر بھاگ گیا پھر باہر اس کا نام سنا گیا تھا۔"

میں نے گردن ہلا دی تھی۔

"اور تغلق خان' یہ میرے لئے نہایت محترم ہستی منصور ہیں۔ تمہیں ان سے مل کر یقیناً خوشی ہو گی۔"

"مجھے.....؟" تغلق خان نے کہا اور پھر بڑے بھدے انداز میں ہنس پڑا۔

"تم جانتے ہو چمن کہ مجھے کیسے لوگوں سے مل کر خوشی ہوتی ہے۔ نئی نسل کے ان لونڈوں کو دیکھ کر تو آنکھوں میں خون اتر آتا ہے' جن کا شمار مردوں میں ہوتا ہے نہ عورتوں میں۔ جاؤ..... یہاں جو کام بھی ہو پھر آ جانا۔ میں تیسری بار کہنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"اچھا چمن۔ مجھے اجازت دو پھر کسی وقت ملاقات ہو گی۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ چمن کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ "خدا حافظ۔" میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ چمن نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن میں نے موقع نہیں دیا اور باہر نکل آیا۔ مجھے کوئی افسوس نہیں تھا۔ یہ پیشہ ور بدمعاشوں کی دنیا تھی۔ یہاں سب چمن نہیں ہوتے۔ ویسے تغلق خان کے بارے میں چمن نے جو الفاظ کہے تھے ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ تغلق خان کوئی خاص چیز ہے۔

چمن کے ہاں سے اچانک واپس آنا پڑا تھا۔ کوئی خاص پروگرام نہیں تھا اس لئے سرخاب یاد آ گئی اور میں اس طرف چلا گیا۔ سرخاب کی کوٹھی میں سامنے ہی حنا اور جاوید نظر آئے تھے۔ دونوں نے میرا استقبال کیا۔

"سرخاب موجود نہیں ہیں؟"

"ائرپورٹ گئی ہیں۔" حنا نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کیا پروفیسر آ رہے ہیں؟"

"جی ہاں لیکن انکل شیرازی فوراً ہی کہیں اور چلے جائیں گے۔ شاید ان کا کیبل آیا تھا۔ سرخاب وہیں ائرپورٹ پر ان سے مل لیں گی۔ آپ آیئے' اندر آ جایئے' آپ سے باتیں ہوں گی۔"

"پھر آ جاؤں گا۔ سرخاب آئیں تو۔"

"جی نہیں۔ آپ اندر تشریف لایئے۔ چائے پیجئے۔ ممکن ہے سرخاب آ جائیں۔ آیئے منصور صاحب' اب اتنے اجنبی بھی نہیں ہیں ہم لوگ۔" حنا نے کہا اور میں مجبور ہو گیا۔ سرخاب کے اہل خاندان تھے۔ ان لوگوں کی باتوں سے معلوم ہوا کہ انہیں میرے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم' سوائے اس کے کہ میں پروفیسر اور سرخاب کا چیتا ہوں۔ پروفیسر اور سرخاب کے ظرف سے یہی امید تھی۔

چائے کے بعد بھی دیر تک بیٹھنا پڑا۔ ان لوگوں نے چھوڑا ہی نہیں تھا پھر اٹھنے کی اجازت مانگی تو سرخاب واپس آ گئی۔

مجھے دیکھ کھل اٹھی تھی۔ "خدا کی قسم منصور بھیا' راستے بھر آپ کے بارے میں سوچتی آئی تھی..... آپ کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے۔ کتنی دیر ہوئی آپ کو آئے ہوئے؟"

"بہت دیر ہو گئی۔"

"حنا' چائے وغیرہ پلائی میرے بھیا کو؟"

"ہاں پی چکا ہوں۔ یہ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ اتنے اچھے' جتنے تمہارے خاندان کے لوگوں کو ہونا چاہیئے تھا۔"

"اب ایک کپ آپ کو میرے ساتھ پینا ہو گا۔ حنا' میرے اور منصور بھیا کے لئے ایک ایک کپ چائے بھجوا دو میرے کمرے میں۔ آیئے منصور بھیا۔"

"یہ چائے ہمارے ساتھ بیٹھ کر اور ہمیں شریک کر کے نہیں پی جا سکتی؟" حنا نے شرارت سے کہا۔

"جی نہیں۔ آپ اپنا حصہ وصول کر چکی ہیں۔ آیئے بھیا۔" سرخاب نے بڑے پیار سے کہا اور میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گئی۔

"پروفیسر کا کیبل ملا تھا سرخاب؟"

"آئے تھے۔ جاپان جا رہے تھے۔ طیارہ جتنی دیر رکا اتنی دیر کے لئے مجھ سے ملاقات رہی۔" سرخاب نے کہا۔

"یہ پروفیسر آخر کس چکر میں ہیں؟"

"اللہ جانے بھیا۔ خدا جانتا ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی' مجھے بھی کچھ نہیں بتایا انہوں نے۔ آج بھی میں نے اصرار کیا تو بولے۔" اپنے منصور بیٹے کے لئے بھاگ دوڑ کر رہا ہوں۔"

"میرے لئے؟" میں ششدر رہ گیا۔

"میں خود پریشان ہوں۔ اگر آپ کے لئے کچھ کر رہے ہیں' تو دوسرے ممالک کے یہ طوفانی دورے کیوں ہو رہے ہیں۔" سرخاب نے کہا۔ ہم دونوں چائے پیتے رہے' غور کرتے رہے لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پروفیسر کے سارے اقدامات بے حد پراسرار تھے۔ بہرحال اس کے بعد وہی ساری رسمی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد میں نے سرخاب سے وعدہ کیا کہ اسے روزانہ فون کرتا رہوں گا اور پھر وہاں سے چلا آیا۔

رات کو گیارہ بجے عظمت میرے پاس آیا تھا۔ اس کے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ میں اس کی کیفیت دیکھ کر چونک پڑا۔ خیریت عظمت؟"

"آج شام چھ بجے لیڈی جہانگیر پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔"

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں۔ میں کار چلا رہا تھا۔ وہ پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں۔ بزنس اسکوائر کے چوراہے کو کراس کرتے ہی ایک کار ایک گلی سے نکلی اور اس کے پستول سے لیڈی جہانگیر پر گولیاں چلائی گئیں۔ کار کی باڈی میں کئی سوراخ ہو گئے۔"

"اور لیڈی جہانگیر؟"

"وہ بخیریت ہیں۔ صرف شیشے کے چند ٹکڑے لگے ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"کوٹھی پر ہی ہیں لیکن فون کرنے کو منع کر دیا ہے۔"

"اوہ۔ خوفزدہ ہوں گی؟"

"قطعی نہیں۔ مجھے پیغام دیا ہے۔ یہ پرچہ۔" عظمت نے لباس سے ایک پرچہ نکال کر مجھے دے دیا۔ میں نے پرچہ پڑھا۔

مختصر تحریر تھی۔

"منصور!

حالات عظمت سے معلوم ہو جائیں گے۔ مجھے یقین ہے یہ قاتلانہ حملہ نہیں تھا بلکہ خوفزدہ کرنے کی ایک کوشش تھی۔ ورنہ جو لوگ گولیاں چلاتے ہیں' ان کے نشانے اتنے ناکارہ نہیں ہوتے سنو کسی قیمت پر نہ تو

فون کرنا اور نہ میری کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کرنا۔ تمہارے خیال کے مطابق فون کہیں اور بھی سنا جا رہا ہے۔ مجھے اشارات ملے ہیں۔

گل۔"

میں نے گہری سانس لی اور گردن جھکا کر سوچنے لگا۔ لیڈی جہانگیر پر قاتلانہ حملہ بھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اسی وقت عظمت نے کہا۔ "منصور بھیا۔ مجھے ایک پستول فراہم کر یں کہیں سے۔ میرے ذہن میں کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ بس حفظ ماتقدم کے طور پر ہہ رہا ہوں جیسا کہ آج ہی ہوا۔ اگر لیڈی جہانگیر کو سچ مچ ہلاک کرنے کی کوشش کی جاتی یں ان کی بخوبی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں کل لیڈی جہانگیر سے یہ بات کہہ دوں؟"

"میرا خیال ہے لیڈی جہانگیر یہ کام نہیں کر سکیں گی۔ کل کا دن اور نکال لو ظمت۔ میں کوشش کر کے کل تمہیں پستول فراہم کر دوں گا۔" میں نے کہا اور عظمت نے ردن ہلا دی۔" اس کے علاوہ تو اور کوئی خبر نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں منصور بھیا۔ باقی سب ٹھیک ہے۔ بس میں نے خاصی احتیاط سے کام لیا ہے۔ لیڈی جہانگیر' دفتر سے اٹھ کر کچھ شاپنگ کرنے گئی تھیں۔ شاپنگ کر کے واپس کوٹھی ی طرف جا رہی تھیں کہ یہ حادثہ پیش آیا۔ میں انہیں ان کی ہدایت کے مطابق لے کر دھا کوٹھی گیا تھا۔ وہاں انہوں نے ڈاکٹر کو بھی بلانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ شیشے کے د ٹکڑے ان کے چبھ گئے ہیں جس کی وجہ سے خون نکل آیا ہے اور یہ کوئی اہم بات ں ہے اس لئے میں فکر نہ کروں۔ میں نے پولیس میں رپورٹ کرنے کے لئے پوچھا تو وں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی اور کہنے لگیں "تم فکر مت کرو عظمت۔ سب ک ہے' میں اپنے وکیل سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کچھ کروں گی۔" پھر بھی بھیا میں ٹھ بجے تک وہاں رکا۔ لیڈی جہانگیر خود ہی باہر آئیں تو مجھے دیکھ کر انہوں نے حیرت سے چھا کہ ابھی تک گئے نہیں عظمت اور میں نے گردن ہلا دی۔ "نہیں لیڈی صاحبہ۔ میں سوچا کہ ممکن ہے آپ کو مجھ سے کوئی کام پیش آ جائے۔"

"اوہ۔ ہاں کام تو ہے۔ بڑا اچھا ہوا عظمت۔ اس وقت مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ ے ساتھ آؤ۔" انہوں نے کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ تب انہوں نے مجھے یہ پرچہ کر کہا کہ اسے اپنے لباس میں چھپالوں اور کسی طرح یہ منصور تک پہنچا دوں' تو بھیا نے وہاں سے براہ راست تمہارے پاس آنا مناسب نہیں سمجھا اور گھر چلا گیا۔ ساڑھے بجے میں اپنے گھر کے پچھلے دروازے سے باہر نکلا ہوں اور تم تک آیا ہوں' بس یونہی ال آیا میں نے سوچا کہ یہ کہیں یونہی ایسا ویسا سلسلہ نہ ہو..."

"تمہیں یہی کرنا چاہیئے تھا عظمت۔ بہترین سوچا تم نے۔ ہمیں اتنا ہی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"مگر یہ حملہ؟ منصور بھیا۔ لیڈی جہانگیر بھی کسی کا نشانہ ہیں؟" عظمت نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں عظمت۔ ابھی تو تم پر بہت سے انکشافات ہوں گے بڑی دلچسپ زندگی محسوس کرو گے۔ کم از کم اس زندگی میں..... ہنگامہ خیزی تو ہے۔ ایک ہی محور پر گھومتے رہنے میں اتنا لطف نہیں آتا۔ کیا خیال ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے اور آپ مجھے پستول فراہم کر دیں۔ انشاء اللہ لیڈی جہانگیر اب اتنی تنہا بھی نہیں ہوں گی۔" عظمت نے کہا۔

"کل انشاء اللہ میں کوشش کروں گا۔ مجھے یقیناً کہیں نہ کہیں سے پستول فراہم ہو جائے گا۔"

"ایاز کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں۔ دوپہر کو یہیں تھا۔ حسینہ سے کہہ کر گیا ہے کہ ممکن ہے رات کو دیر ہو جائے۔ ابھی تک تو نہیں آیا۔" میں نے کہا اور عظمت خاموش ہو گیا پھر میں نے عظمت کو واپسی کی ہدایت کرتے ہوئے کہا۔ "بس اب جاؤ خواہ مخواہ جیل سے باہر نکلتے ہی ان مصیبتوں کا شکار ہو گئے۔ حالانکہ تمہیں زیادہ سے زیادہ وقت اپنے والدین کے ساتھ گزارنا چاہیئے تھا' لیکن اب کیا کیا جائے۔" عظمت مسکرانے لگا۔

"بھیا یہ بات تو نہ کہیں۔ جو کچھ میں کرنے جا رہا تھا اور جس سے آپ نے مجھے روک دیا ہے۔ اگر کر لیتا تو کیا کہا جا سکتا تھا کہ دوبارہ والدین کی صورت دیکھنا نصیب بھی ہوتی یا نہیں۔ مجھے تو آپ لوگوں کا سہارا اس طرح مل گیا ہے کہ میں ابھی تک اچنبھے میں ہوں۔"

"میں تمہارے احساسات سمجھتا ہوں عظمت۔ یقین کرو' بالکل ایسے ہی احساسات میرے تھے۔ میں بھی اپنے ان ہمدردوں کو چونک چونک کر تعجب سے دیکھتا اور سوچتا تھا کہ یہ کہاں سے آ گئے۔ جب کہ مجھے زمین اپنے دوستوں سے خالی محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے اس روئے زمین پر میرا کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ سب کچھ مجھ پر قرض تھا عظمت اور یہ قرض میں آہستہ آہستہ لوٹا رہا ہوں۔ بس اب جاؤ میرے دوست آرام کرو لیکن اسی احتیاط کے ساتھ' جس احتیاط کے ساتھ تم یہاں آئے تھے۔" میں نے کہا اور عظمت چلا گیا۔ میں خاصا پریشان ہو گیا تھا۔ ذہن دوڑا رہا تھا کہ لیڈی جہانگیر پر کس نے اور کس مقصد کے تحت حملہ کیا ہے لیکن کوئی صحیح بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اگر وہ مجھے اتنی سختی سے منع نہ کر دیتی تو شاید میں اسی وقت اس کے پاس پہنچ جاتا خواہ چھپ کر ہی جانا پڑتا لیکن میں

اس کی خیریت ضرور معلوم کرتا۔ تاہم یہ احتیاط بھی میرے اور لیڈی جہانگیر کے حق میں بہتر تھی۔ چنانچہ میں نے صبر سے کام لیا۔ ایاز رات کو نہ جانے کس وقت آیا تھا۔ میں سوچتے سوچتے سو گیا تھا۔

صبح کو ایاز سے ملاقات ہوئی۔ وہ مطمئن تھا اور اس کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ناشتے کی میز پر میں نے اسے لیڈی جہانگیر پر قاتلانہ حملے کے بارے میں بتایا تو وہ اچھل پڑا۔

"ارے کب ہوا؟ کس نے کیا؟" اس نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا ایاز! لیکن بہت جلد پتہ چل جائے گا۔ تم فکر مند نہ ہو' ویسے لیڈی جہانگیر نے مجھے خود اپنے آپ سے کسی طرح رابطہ قائم کرنے سے منع کر دیا تھا ورنہ شاید میں وہیں ہوتا۔"

"واقعی بھیا یہ تو ذرا پریشان کن خبر ہے۔ بے چاری لیڈی جہانگیر جتنی نیک اور انسان دوست خاتون ہیں۔ اس کا کوئی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ میں تو واقعی ان کے لئے فکر مند ہو گیا ہوں۔"

"ہاں ایاز..... لیکن خود لیڈی جہانگیر کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ حملہ انہیں قتل کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ شاید خوف زدہ کرنے کی کوئی کوشش تھی۔ میرا خیال ہے بہت جلد اس کوشش کا کوئی نتیجہ سامنے آ جائے گا۔" میں نے چائے دانی سے پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا اور ایاز سر ہلانے لگا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو ایاز! اس سلسلے میں جو کچھ ہو گا دیکھ لیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارا اپنا مشن کیا رہا۔"

"بھیا! جس قدر آپ نے کہا تھا اتنا میں معلوم کر چکا ہوں۔" ایاز نے جواب دیا۔

"مثلاً؟"

"مثلاً شیخ جمال صاحب کی گتے کے کارٹن بنانے کی ایک بہت بڑی فیکٹری ہے جو ملک میں بھی کارٹن سپلائی کرتی ہے اور یہ کارٹن ایکسپورٹ بھی ہوتے ہیں۔ شیخ جمال صاحب خود اس فیکٹری کی نگرانی کرتے ہیں۔ کافی بڑا کاروبار ہے۔ بے شمار مشینیں لگی ہوئی ہیں اور ان کی مالی حالت بہت بہتر ہے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک بیٹا مسعود اختر امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ کی ایک فرم چلاتا ہے۔ گرین روڈ پر ماڈل سینٹر میں اس کی یہ فرم گرانڈ ایکسپورٹرز کے نام سے چل رہی ہے۔ وہ اس کا مینجنگ ڈائریکٹر ہے اور خود ہی اس کی دیکھ بھال کرتا ہے....." ایاز نے جواب دیا۔ اب میری حیران ہونے کی باری تھی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"کیا نام لیا تم نے؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"گرانڈ ایکسپورٹرز۔" ایاز نے جواب دیا۔

"گرین روڈ ماڈل سینٹر۔" میں بڑبڑایا۔

"ہاں ... کیوں۔ کیا آپ دیکھ چکے ہیں یہ فرم؟" ایاز نے سوال کیا۔

لیکن میرے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے۔ ہاں ہاں' ٹھیک ہی تو ہے۔ اینجل نے اس شخص کا نام مسعود ہی لیا تھا اور مسعود نے اینجل کو یہی پتہ بتایا تھا۔ ایک دم سے میری حالت کچھ عجیب سی ہو گئی۔ ایک انوکھا خیال میرے ذہن میں سرعت سے آیا تھا اور مجھے بے چین کئے دے رہا تھا۔ ایاز نے بھی میرے چہرے کی یہ پرجوش کیفیت دیکھی اور خاموشی سے مجھے گھورتا رہا پھر جب اس سے یہ خاموشی برداشت نہ ہو سکی تو اس نے خود ہی اسے توڑا۔

"منصور بھیا! کوئی خاص بات ہے؟ کیا انکشاف ہوا ہے میری اس بات سے۔"

"بتا دوں گا ایاز! بتا دوں گا۔ کیا مسعود اختر کے بارے میں اس کے علاوہ بھی اور کچھ معلوم ہو سکا۔"

"نہیں کوئی خاص بات نہیں' البتہ یہ تصویر میں نے حاصل کر لی ہے اس کی۔" ایاز نے کہا اور ایک تصویر نکال کر میرے سامنے ڈال دی۔ اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ یہ وہی مسعود اختر تھا جسے میں نے اینجل کے ساتھ اس ہوٹل میں دیکھا تھا اور جو اینجل سے رومان بھگارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں بے اختیار اچھل پڑا اور بے تکلفی سے ایاز کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "ایاز! اگر کام بن گیا تو یوں سمجھو لطف آ جائے گا۔"

"کچھ پتہ بھی تو چلے بھیا! کیا کام بن رہا ہے۔ ہم تو بس آپ کی صورت دیکھنے کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ پا رہے۔" ایاز نے بھولی سی شکل بنا کر کہا اور میں پر خیال آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ویری گڈ ایاز۔ ویری گڈ۔ بہرصورت ہم اس سلسلے میں کام کریں گے۔ ذرا لیڈی جہانگیر کا مسئلہ حل ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ جب کام کریں گے' دیکھا جائے گا۔" ایاز بچوں کی طرح ناراض ہوتے ہوئے بولا اور میں ناشتے کی میز سے اٹھ گیا۔ میں غور کرنا چاہتا تھا' اس بارے میں اچھی طرح سوچنا تھا۔ واقعی یہ تو زبردست کام ہو رہا تھا۔ اتنا زبردست کہ اگر میری مرضی کے مطابق سب کچھ ہو جائے تو لطف ہی آ جائے۔ ایاز ناشتے کے کمرے سے اٹھ کر میرے ساتھ ساتھ ہی میرے پیچھے آیا تھا۔ وہ ناراضگی کا اظہار ضرور کر رہا تھا لیکن اس کے دل میں بھی یہ بے چینی موجود تھی کہ معلوم کرے کہ اس انکشاف سے مجھے کیا فائدہ ہوا

ہے۔ میں خیالات میں ایسا غرق تھا کہ..... ایاز کے ان جذبات پر توجہ نہیں دے سکا اور وہاں سے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

"اوہ..... میرا خیال ہے بھیا؟ "میں آپ کو سوچنے دوں۔ شاید آپ تنہائی چاہتے ہیں۔" اس نے کہا اور میں چونک پڑا۔

"ارے نہیں نہیں' ایاز۔ یقین کرو ایسی بات نہیں ہے.... بس اس انکشاف نے مجھے ذہنی طور پر اس قدر الجھا دیا ہے کہ میں ڈوب گیا تھا۔"

"تو اب بتا دو بھیا کیا معاملہ ہے۔"

"بیٹھو...." میں نے کہا اور وہ بیٹھ گیا۔ "دراصل ایاز! میں اس شخص کو ابھی ایک دو دن پہلے دیکھ چکا ہوں اور جن حالات میں دیکھا تھا انہیں سوچ کر مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ عظمت کے لئے ایک بہترین کام ہونے والا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"سنو..... سنو۔ تفصیل سے سنو۔ میں نے اسے اینجل کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"مسعود اختر کو؟" ایاز نے کہا۔

"ہاں' وہ شاید کسی تیسری شخصیت کے مدعو کرنے پر آئی تھی لیکن جس شخصیت نے انہیں مدعو کیا تھا وہ اس ہوٹل میں نہیں پہنچی جہاں یہ دونوں یکجا ہوئے تھے پھر مسعود اختر اور اینجل ایک میز پر بیٹھ گئے' ساتھ کھانا کھایا۔ دونوں ایک دوسرے کے بہت زیادہ شناسا نہیں تھے۔ صحیح طور پر تعارف اسی دن ہوا تھا اور مسعود اختر' اینجل سے رومان بھگارنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"ہوں تو پھر؟" ایاز نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"پھر تو بہت کچھ ہو جائے گا۔ اگر مسعود اختر جیسے ٹٹ پونجئے سیٹھ جبار کی لڑکی کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کرنے لگیں اور سیٹھ جبار کو اس بارے میں پتہ چل جائے تو خود اس کا رویہ کیا ہو گا؟ میرا خیال ہے' وہ ان معاملات کو پسند نہیں کرے گا اور ایاز اگر معاملات کو اس طرح بڑھا چڑھا کر اس کے سامنے لایا جائے کہ وہ غصے کی شدت سے پاگل ہو جائے تو؟" میں نے سوال کیا۔

"بھیا اپن نہیں سمجھا۔ اپنا کھوپڑی بہت چھوٹا ہے۔ ذرا صحیح طرح سمجھاؤ۔" ایاز نے بازاری لہجے میں کہا اور میں ہنس پڑا۔

"ایاز' سیٹھ جبار غصے سے پاگل ہو جائے گا اور مسعود اختر کے خلاف یقینی طور پر کوئی ایسی کارروائی کرے گا کہ مسعود اختر کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ یہ بات تو عقل میں آنے والی ہی نہیں ہے کہ وہ مسعود اختر جیسے لوگوں کو گھاس ڈالے چنانچہ نتیجے میں شیخ

دیتے رہیں تو میرا خیال ہے عظمت کو یا کسی اور کو شیخ جمال اور مسعود اختر سے انتقام لینے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ ان دونوں کا حساب کتاب سیٹھ جبار ہی کے ہاتھوں درست ہو جائے گا۔ باقی اگر شیخ جمال بھی کوئی حیثیت رکھتا ہے تو کم از کم دو سرمایہ دار آپس میں لڑ جائیں گے اور ہم ان کی اس لڑائی کا نتیجہ دیکھیں گے۔" میں نے کہا اور ایاز کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

"پلاننگ تو بہت اچھی ہے بھیا! مگر ہم اس میں کس طرح کامیاب ہوں گے؟"

"بس اسی پر تو غور کرنا ہے ایاز! یہی کام کرنے میں تو لطف آئے گا۔ بجائے اس کے کہ ہم براہ راست شیخ جمال اور اس کے بیٹے کے خلاف کوئی کارروائی کریں۔ بہتر یہ ہے کہ انہیں اس مصیبت میں پھنسا دیں۔ باقی رہا مسئلہ شیخ جمال سے کچھ وصول کرنے کا تو اس کارروائی کا آغاز بھی میں جلد ہی کیے دیتا ہوں۔"

"جیسا تم پسند کرو بھیا۔ ویسے واقعی اگر تمہاری یہ کوششیں کامیاب ہو جائیں تو یہ لوگ اچھی خاصی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔" ایاز نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ میں اس سلسلے میں غور کرنے لگا تھا اور اپنے اس پروگرام کی تکمیل کے لئے بہترین نقطے تلاش کر رہا تھا۔ ایاز بھی گردن جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ غالباً وہ بھی میری اس سازش کے بارے میں غور کر رہا تھا پھر میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے' ایاز! ہمیں سب سے پہلے لیڈی جہانگیر کی خبر لینی ہے۔ میں اس کے بارے میں بہت فکر مند ہوں۔" میں نے کہا اور ایاز بھی گردن ہلانے لگا۔ وہ خود بھی اس بارے میں بہت سوچ وبچار کر رہا تھا۔ ہم کافی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے رہے پھر میں اٹھ کھڑا ہوا اور ضروری تیاریاں کرنے کے بعد ایاز کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ ہم دونوں نے چہرے پر میک اپ کر لیا تھا۔ ایاز اس سلسلے میں میرا استاد تھا۔ اس نے ناقدانہ نگاہوں سے میرے چہرے کو دیکھا تھا اور میرے میک اپ میں کچھ خامیاں نکالی تھیں۔

ایک مخصوص جگہ کار روک کر میں نے ایاز کو نیچے اتار دیا اور اسے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ "کار کا نمبر تو تمہیں بتا چکا ہوں' ایاز.... اگر کار وہاں ہو گی تو عظمت بھی ہو گا. تم کسی طرح عظمت سے رابطہ کر کے میرا یہ پیغام اسے دے سکتے ہو۔ اس سے کہنا کہ وہ لیڈی جہانگیر کو بتا دے کہ منصور باہر موجود ہے اور آپ کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ وہ پرچہ لکھ کر عظمت کو دے دیں۔"

"اگر کار اور عظمت نہ ہو تو؟" ایاز نے پوچھا۔

"ہم لیڈی جہانگیر کی کوٹھی چلیں گے۔" میں نے جواب دیا اور ایاز نے گردن ہلا دی پھر وہ ٹہلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ میں قرب و جوار میں نگاہیں دوڑانے لگا تھا لیکن کوئی مشتبہ شخصیت نظر نہیں آئی۔ ممکن ہے' لیڈی جہانگیر کے دفتر کی نگرانی کی جا رہی ہو۔ تقریباً بیس

منٹ کے بعد ایاز واپس آگیا۔ اس نے مجھے ایک پرچہ دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے کہا۔

"عظمت نے کہا ہے کہ اسے پڑھ لیں۔"

میں نے پرچہ کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

"منصور!

"کسی طرح اس عمارت کے بائیں سمت کے دروازے سے اندر آ جاؤ۔ میں نے ادھر کھڑے' چوکیدار کو اطلاع بھجوا دی ہے۔ وہ تمہیں اس جگہ پہنچا دے گا جہاں میں تم سے ملاقات کر سکتی ہوں۔ آ جاؤ...... تم سے ملاقات کرنے کو بہت جی چاہ رہا ہے۔ تفصیل اسی وقت۔"

"ہوں ......" میں نے پرچہ ایاز کو دے دیا۔

"چلے جاؤ بھیا۔" میرے خیال میں اس قدر احتیاط بھی مناسب نہیں ہوتی۔" ایاز نے کہا اور میں آگے بڑھ گیا۔ میں خود بھی جانتا تھا کہ لیڈی جہانگیر مجھ سے ملاقات کے لئے خود بھی کتنی بے چین ہوگی لیکن وہ نجانے کیا انکشاف کرنے والی ہے۔ بہرصورت میں اس کے بتائے ہوئے عقبی گیٹ پر پہنچ گیا اور پھر عقبی گیٹ کے چوکیدار نے مجھے دیکھ کر گردن ہلا دی۔

"اندر آ جایئے صاحب۔ بیگم صاحب کا حکم ہمیں پہنچ گیا ہے۔"

میں خاموشی سے اندر داخل ہو گیا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد چوکیدار نے خود ہی چونک کر پوچھا۔

"آپ ہی کو بلایا تھا نا۔ بیگم صاحب نے؟"

"ہاں ٹھیک ہے' چلتے رہو۔" میں نے جواب دیا۔

چوکیدار مجھے لے کر عمارت کے ان حصوں کی جانب چل پڑا.... جہاں کھپریل کے شیڈ پڑے ہوئے تھے' شاید یہ گودام وغیرہ تھا۔ اس نے ایک گودام کا دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہو کر روشنیاں جلائیں اور پھر ایک کرسی کو اپنے کندھے پر پڑے ہوئے کپڑے سے صاف کرتے ہوئے بولا۔ "بیٹھ جائیں صاحب۔ بیگم صاحب ابھی آتی ہی ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ لیڈی جہانگیر بھی اسی دروازے سے اندر داخل ہو گئیں' ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ پیشانی اور رخسار پر ٹیپ چپکے ہوئے تھے۔ غالباً انہی جگہوں پر شیشے کے ٹکڑے لگے تھے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا تو وہ میرے قریب آ گئیں۔

"اوہ منصور..... منصور کیسے ہو؟ یقین کرو' اب تو یوں لگتا ہے' جیسے تم کو
میں ایک بار دیکھنا' تم سے بات کرنا بہت ہی ضروری ہو گیا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ایک
عجیب سی تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔" لیڈی جہانگیر کے لہجے میں عجیب سا تاثر ابھر آیا تھا۔
میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔ "کیفیت تو میری بھی یہی ہے گل! آپ
یقین کیجئے آپ پر حملے کی خبر سن کر میں سخت پریشان ہو گیا تھا۔"
"اس میں یقین دلانے کی کیا بات ہے۔ ہونا ہی چاہئے تھا..... بہرصورت' طارق
نے میرے خیال میں ایک اور احمقانہ قدم اٹھایا ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"رات کو ان محترم کا فون آیا تھا۔"
"ہاں کیا فرما رہے تھے؟" میں نے بے صبری سے پوچھا۔
"ایک کہانی سنائی تھی۔" لیڈی جہانگیر مسکرا کر بولی۔
"کیا.....؟"
"کہانی یوں تھی کہ منصور کا برابر تعاقب کیا جا رہا ہے۔ منصور ان دنوں روپو
تھا اور طارق کے آدمی اسے تلاش کر رہے تھے پھر انہوں نے منصو کو تلاش کر لیا لیکن
اس کے ارادے سے بے خبر تھے۔ ان کی موجودگی میں ہی منصور نے لیڈی جہانگیر پر حملہ
تھا لیکن چونکہ یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ اس لئے وہ ششدر رہ گئے اور منصور نکل گیا۔ طارق
صاحب نے کہا کہ میں فکر نہ کروں۔ وہ میری حفاظت کر رہے ہیں البتہ محتاط رہوں۔
لیڈی جہانگیر نے کہا اور میں مسکرانے لگا۔
"بات دلچسپ ہے گل! میرا خیال ہے' میں اس کی تہ تک پہنچ رہا ہوں۔"
"مجھے بھی بتاؤ منصور!" لیڈی جہانگیر نے کہا۔
میں چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا پھر میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے گل! آپ
نے خود انہی لائنوں پر سوچا ہے۔"
"یہ خیال کیسے آیا تمہارے ذہن میں؟"
"اس لئے کہ آپ نے عظمت کے ہاتھ جو پیغام بھیجا تھا۔ وہ اسی خیال کا غماز
تھا۔ آپ نے کہا تھا نا کہ میں آپ کو فون نہ کروں۔ نہ ہی آپ کی کوٹھی کی طرف آنے کی
کوشش کروں۔"
"ہاں' مجھے اپنے فون کے ٹیپ ہونے کا احساس ہوا تھا۔"
"آپ کا خیال درست ہے گل! طارق کو ہوش آ گیا ہے۔ مجھے جو اطلاعات ملی
ہیں' وہ یہ ہیں کہ طارق اب اس کھوج میں ہے کہ مجھے اس کی رہائش گاہ کس نے بتائی۔
وہ سب سے معلومات کر چکا ہے اور اس انکشاف میں ناکام رہا ہے۔ اس کا ذہن آپ کی

طرف بھی گیا تھا۔"
"میری طرف؟"
"ہاں....."
"یہ خیال اسے کیوں پیدا ہوا؟"
"صاف بات ہے گل! آپ اس کی دوست تو نہیں ہیں..... آپ تو اس کے دباؤ
میں آ کر سب کچھ کرتی ہیں۔ اگر آپ کو موقع مل جائے تو کیا آپ اسے زندہ چھوڑ دیں
گی؟"
"کاش کبھی یہ موقع مل ہی جائے۔" گل نے کہا۔
"اس لئے اس کا ذہن آپ کی طرف بھی گیا۔ میں آپ کا ڈرائیور رہ چکا ہوں۔
اس نے سوچا ہو گا کہ ممکن ہے' در پردہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی ایسا رابطہ ہو گیا
ہو۔"
"ہاں..... اس کے امکانات تو ہیں۔"
"امکانات ہیں یہی بات ہے گل! یہ حملہ اسی لئے کرایا گیا ہے اور اس کے فون
سے میری اس بات کو تقویت ملتی ہے۔ اس نے آپ کے ذہن کو میری طرف سے مشکوک
کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس طرح میری نشان دہی کر کے یہ اندازہ لگانے کی کوشش
کی ہے کہ میرے اور آپ کے درمیان کیسے تعلقات ہیں۔ آیا آپ مجھ سے رابطہ قائم
کرنے کی کوشش کرتی ہیں یا نہیں۔"
"سو فیصدی درست..... اس کا مطلب ہے کہ ہماری سخت نگرانی ہو رہی ہو
گی۔"
"یقیناً اسی لئے میں آپ سے ملاقات سے گریز کر رہا تھا۔"
"مگر میرا دل تم سے ملاقات کرنے کو چاہ رہا تھا۔"
"ہمیں چند روز احتیاط کرنی ہو گی۔ طارق کو تو میں بہت جلد ٹھیک کر لوں گا۔
بات ابھی سیٹھ جبار تک نہیں جانی چاہئے۔"
"میں سمجھ رہی ہوں لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟"
"میرے خیال میں آپ طارق سے ایک بار اور مل لیں۔"
"اوہ..... پھر؟"
"اتنی دلیری کا مظاہرہ نہ کریں بلکہ خوف زدہ نظر آئیں۔ اس سے مدد طلب
کریں اور پوچھیں کہ کیا آپ کو پولیس سے رابطہ کرنا چاہئے۔"
"ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔"
"اس دوران عظمت ہمارے درمیان رابطے کا ذریعہ رہے گا۔"

"او کے۔" لیڈی جہانگیر پر خیال انداز میں بولی اور میں اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"اب مجھے اجازت؟"

"دل تو نہیں چاہتا لیکن..... خدا حافظ۔" اس نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔

ایاز مستعد تھا..... اس نے مجھے بتایا کہ حالات پر سکون ہیں اور ہم دونوں واپس چل پڑے۔ اس وقت اور کوئی کام نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے گھر کا رخ کیا لیکن عمارت کے احاطے میں چمن کی کار دیکھ کر ہم چونک پڑے تھے۔

ڈرائنگ روم میں چمن موجود تھا۔ میں نے مسکرا کر اسے سلام کیا۔ ایاز نے بھی سلام کیا تھا۔ رسمی سے انداز میں میرے سلام کا جواب دے کر چمن نے ایاز سے کہا۔ "تم جاؤ ایاز! ہم دونوں کچھ پرائیویٹ گفتگو کریں گے۔ کافی بنوا کر بھجوا دو ہمارے لئے۔"

ایاز گردن جھکا کر باہر چلا گیا۔

چمن کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی پھر اس نے کہا۔ "کہاں گئے تھے، تم دونوں؟"

"ہوا خوری کو۔"

"اس وقت؟"

"کوئی خاص پروگرام نہیں تھا چمن! بس یونہی نکل پڑے تھے۔ تم جانتے ہو، دل کہاں لگتا ہے۔ طبیعت اڑی اڑی سی رہتی ہے، اس لئے میں گھر سے باہر نکلتا ہوں کہ ممکن ہے، کسی سڑک پر، کسی گلی میں، کوئی نظر آ جائے اور..... مجھے میری زندگی واپس مل جائے۔" میں نے کہا۔

"یہ بچگانہ پن چھوڑ دو، منصور! دشمنی بدترین چیز ہے۔ دشمن بنانا بہت آسان ہے۔ جب کہ دوست بنانا بہت مشکل۔ ماں اور بہن اس طرح کبھی نہیں ملیں گی۔ ان کے لئے تو بہت کچھ کرنا ہو گا۔"

"بہت کچھ؟"

"ہاں بہت کچھ۔"

"کوئی راستہ تو ملے چمن کوئی چراغ تو روشن ہو۔ میں تو سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"مجھے اجازت دو تو میں اس بارے میں کچھ سوچوں۔ کوئی بہتر حل تلاش کروں؟"

"اجازت کی کیا ضرورت ہے چمن۔ میرے پشت پناہ ہو کر مجھ سے اجازت طلب کر رہے ہو۔ اپنے چند ہمدردوں کے بل بوتے پر تو میں نے زندگی دوبارہ جاری کی ہے۔ میرے حالات تو تمہارے علم میں ہیں مجھے بتاؤ کیا کروں؟"

"فکر مت کرو منصور! میں بہت جلد کوئی حل نکالوں گا۔ اس وقت خاص طور

ے تم سے ملنے آیا تھا۔"

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں بس وہ کل کی بات ..... تغلق خان نے تم سے بدتمیزی کی تھی۔ تم نے جس طرح اس کی بدتمیزی برداشت کی۔ وہ بڑے ظرف کی بات تھی لیکن کیا بتاؤں۔ ہماری دنیا عجیب ہے حالانکہ..... شاید تمہیں یقین نہ آئے کہ یہ تغلق خان یونیورسٹی آف کیلی فورنیا کا پی۔ ایچ۔ ڈی ہے۔"

"اوہ....." میں نے ہونٹ سکیڑ لیے۔

"بلاشبہ جی دار اور جاندر آدمی ہے۔ فرانس کی پولیس کو اس نے ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔ فرانس کی سب سے مضبوط جیل سے بھاگ کر آیا ہے اور بعض معاملات میں میرا استاد ہے اس لئے اس کا خیال کرنا پڑتا ہے۔"

"ہوں..... اسی ملک کا باشندہ ہے؟"

"ہاں..... پندرہ سولہ سال پہلے اس نے یہاں زبردست ہنگامے کیے تھے۔ کوئی اور ہوتا تو شاید زندگی کی آخری سانس تک اس ملک میں دوبارہ قدم رکھنے کی ہمت نہ کرتا۔ اس کے چند اہل خاندان آج تک اس کی وجہ سے جیل میں پڑے ہوئے ہیں لیکن وہ نہ صرف دوبارہ آ گیا، بلکہ دیکھو لو، کس قدر آزادی سے دندناتا پھر رہا ہے۔"

"تمہارے پاس کیوں آیا تھا؟"

"بس ملاقات کرنے۔"

"کسی خاص مقصد سے آیا ہے؟"

"بہت گہرا انسان ہے۔ کہاں کھل سکتا تھا۔"

"رہائش کہاں ہے، اس کی؟"

"یہ نہیں معلوم۔"

"چمن میرا ایک کام کر دو۔" میں نے کسی فوری خیال کے تحت کہا۔

"کیا.....؟" وہ چونک کر بولا۔

"میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں۔ کوئی خاص بات ہے؟"

"بس ایک بار ملاقات کرا دو لیکن کسی ایسے علاقے میں جہاں ہم تینوں کے علاوہ کوئی نہ ہو۔"

"مجھے نہیں بتاؤ گے کہ کیوں ملنا چاہتے ہو اس سے؟" چمن نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

"ابھی نہیں چمن..... لیکن براہ کرم یہ کام کر دو۔"

"ٹھیک ہے۔ اب جس وقت بھی ملا' میں کوشش کر کے بندوبست کر لوں
مجھے یہ بتاؤ' تمہارے دل میں میرے لئے تو کوئی کدورت نہیں ہے۔"

"نہیں میرے مخلص..... میں اتنا ناسپاس نہیں ہوں۔ اگر برا منانے کی کوئی
ہوتی تو تم جان لیتے۔ میں اتنی جرات کہاں کر سکتا تھا کہ تمہارے گھر پر تمہاری کسی محبو
شخصیت کی بات کا برا مانتا۔ یہ تصور ہی ذہن سے نکال دو۔"

"تم بار بار مجھے حیران کر دیتے ہو' منصور۔" چمن نے کہا اور کسی خیال
ڈوب گیا۔

وہ خالی خالی نگاہوں سے میرا چہرہ تکتا رہا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔
سے جب بھی ملتا ہوں منصور تو ذہن پریشان ہو جاتا ہے۔"

"مجھے اپنی اس بدنصیبی کا احساس ہے چمن۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ
ساتھ جواب دیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"میری بات کا غلط نتیجہ مت اخذ کرو۔ میری پریشانی کی وجہ تمہاری بدنصی
نہیں ہے بلکہ چند احساسات ہیں۔ مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں ایک ایسا انس
ہوں جو معاشرے کی پیشانی کا بدنما داغ ہے۔ منصور! لیکن میرا ضمیر جب مجھے ملامت کر
ہے تو میں کرب میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ بہرحال میں نے جس الجھن کا ذکر کیا ہے وہ یہ۔
کہ تم صرف سازش کا شکار ہو کہ غلط راستوں کی طرف جا رہے ہو ورنہ تمہارے کر
میں شرافت اور انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور منصور تمہیں دیکھ کر میرا جی چا
ہے کہ تم کسی طور برے انسان نہ بن سکو۔"

"مگر حالات مجھے جہاں تک لے جا چکے ہیں چمن' تم جانتے ہو۔ خیر چھوڑو بس
تغلق خان کا مسئلہ حل کرا دو۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔ ویسے بگڑا ہوا آدمی ہے۔ اس لئے اس کے متعلق
کوئی حتمی وعدہ نہیں کر سکتا۔ تاہم کوشش کر کے تمہیں اطلاع دوں گا۔"

"اوکے چمن بہت بہت شکریہ۔" میں نے کہا اور چمن نے رخصت چاہی۔

نہ جانے کیوں میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ چمن کے ذہن میں کوئی اور بات
تھی جسے وہ کہہ نہ سکا۔ "آخر کیوں" اور اب اس کیوں کا جواب کہیں سے نہیں مل سکتا
تھا۔

چمن کے جانے کے بعد دیر تک تنہا بیٹھا اس کے بارے میں سوچتا رہا پھر حبی
نے دروازے سے منہ ڈال کر اندر جھانکا اور مجھ سے نگاہ ملتے ہی ہنس پڑی۔ میں نے گہری
سانس لے کر اسے دیکھا اور وہ اندر گھس آئی۔

"اکیلے ہی بیٹھے ہو؟" اور پھر کافی دیر تک میرا دماغ چاٹتی رہی۔

حسینہ کے جانے کے بعد میں نے سوچا..... کہ اس کے بابا کو ایک معقول رقم کہ آئندہ
جوا دی جائے' کم از کم دنیا کے بہت سے پریشان حال لوگوں میں سے کسی ایک ہی کی مدد ہو
ے' چمن سے اس کا پتہ باآسانی معلوم ہو سکتا تھا' چمن کا خیال آیا تو ذہن پھر اسی میں الجھ میں اسے
یا اور اس کے بعد اس الجھن کو ایاز کی آمد نے توڑ دیا۔

"کہو منصور بھیا کیسے مزاج ہیں؟"

"ہوں۔ چمن کی آمد کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں! اسے دیکھ کر ذہن میں نجانے کیوں مجھے چاروں طرف خطرہ ہی خطرہ جاگنے
تا ہے حالانکہ برا انسان نہیں ہے' مگر بھیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں نے بڑا برا وقت گزارا
ہے اس کے ساتھ۔ مجھ پر تو ایسے رعب گانٹھتا ہے۔ جیسے میں اس کا زر خرید غلام ہوں۔"

"استاد ہے تمہارا ایاز!"

"ہاں۔ مگر بڑا ناجائز استاد' کم بخت کوئی ڈھنگ کی بات ہی سکھا دیتا تو کم از کم میں
ج اس کی عزت تو کرتا۔ خیر چھوڑو' اب میرے لئے کوئی اور ڈیوٹی ہے؟"

"بہت بڑی ڈیوٹی ہے تمہارے لئے ایاز۔ بس تیار ہو جاؤ۔ میں آج شام تک تجھے
ب کیمرہ فراہم کر دوں گا۔ اس کیمرے کو لے کر تو گرانڈ ایکسپورٹر پر جم جائے گا۔ مسعود
زار اور اینجل کی تصویریں حاصل کرنا ہیں' جس طرح سے بھی ممکن ہو سکے ایاز' ان کی ایسی
ویریں ہمیں درکار ہیں جو ذرا قابل اعتراض حالت میں ہوں تو مزا آ جائے۔ ویسے تو ابھی
ا کے امکانات نہیں ہیں' البتہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے' تم ان دونوں کی یکجا تصاویر
مل کرو' ہر جگہ ان کے پیچھے لگے رہو' اس کام میں بلا سے چار چھ دن لگ جائیں تو بھی
ج نہیں ہے' یا اس سے بھی زیادہ وقت لگ سکتا ہے' ظاہر ہے دونوں کا ایک ساتھ ہونا
وری ہے اور تم بہرطور انہیں یکجا تو نہیں کر سکتے۔"

"ہاں منصور بھیا یہی مسئلہ ہے' لیکن کام یہ بھی مجھے پسند ہے ویسے اگر تم کہو تو
ی طور پر کیمرہ میں کہیں سے حاصل کر لوں!"

"ٹھیک ہے تو پھر جاؤ اور اپنی اس ڈیوٹی پر مصروف ہو جاؤ۔" میں نے کہا اور ایاز
گردن ہلا دی' وہ اٹھنے لگا تو میں نے اسے چائے کی پیش کش کی اور وہ پھر بیٹھ گیا۔

○

ایاز کے جانے کے بعد میں نے پھر وہ فائل نکال لئے جو مجھے طارق کے مکان
حاصل ہوئے تھے' ان فائلوں کو لے کر میں نے کمرہ بند کیا اور پھر ان کی ورق گردانی
مصروف ہو گیا' تین چار فائل میں نے پڑھے تھے لیکن ان میں جو بلیک میلنگ اسٹف تھا
کے ذرائع کچھ دوسرے ہی تھے' یعنی ایسے جرائم جو قانونی حیثیت رکھتے تھے اور ان میں

ئی سماجی مسئلہ نہیں تھا لیکن یہ سب بڑے بڑے لوگ تھے' ان میں سے چند کے بر
برے علم میں بھی تھے' میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان سب سے رقومات وصول کرلوں گا
شرافت اور سماج کی اچھائیاں اب میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ جو کچھ طارق کر
تھا وہی کچھ اب مجھے بھی کرنا چاہیئے' طارق کا خیال آیا تو میں نے ایک بار پھر اس کے بار
میں سوچا' اس نے سیٹھ جبار کی کوٹھی میں پناہ لے کر بزدلی کا ثبوت دیا تھا۔ میں نے عہد
تھا کہ اسے چند ہی دنوں کے بعد آنکھوں سے محروم کر دوں گا لیکن ابھی اپنے عہد کی تکمیل
کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے' پھر میں نے سوچا کہ موقع اور وقت کا انتظار کر لینا چاہیئے
جذباتیت اور فضول قسم کی احمقانہ سوچ انسان کو کچھ نہیں دیتی' آج تک کا تجربہ یہی تو
طارق جب تک آزاد ہے' آزاد رہے۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں..... ہاں جس وقت
میرے ہاتھ چڑھ جائے گا میں اسے نہیں چھوڑوں گا' دیر تک میں یہی سوچتا رہا پھر میں
ایک فائل نکال کر اس میں دیئے ہوئے ٹیلیفون نمبر تلاش کیے۔ یہ کسی تفضل حسین
صاحب کا فائل تھا جو غالباً کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کا ٹیلی فون نمبر دیکھ کر میں
اسے ذہن نشین کر لیا اور پھر فون کے قریب پہنچ گیا۔ دوسری جانب سے نسوانی آواز
دی تو میں فوراً بولا۔

"تفضل حسین صاحب سے بات کرنی ہے۔" میں نے کہا۔

"چند منٹ انتظار کیجئے' ابھی آ رہے ہیں۔" جواب ملا اور میں ٹیلی فون ہولڈ
کے بیٹھ گیا پھر ایک بھاری اور غراتی آواز سنائی دی۔

"ہیلو۔ تفضل حسین بول رہا ہے۔"

"تفضل حسین صاحب نے اس ماہ کی ادائیگی نہیں کی؟"

"ایں! کون صاحب بول رہے ہیں' کیسی ادائیگی؟" تفضل حسین کی آواز
ہوئی تھی۔

"میرا مقصد ہے وہ ادائیگی جو آپ ہر ماہ کرتے ہیں۔ آپ نے اس بار مجھے
نہیں دی؟"

"کیا کہہ رہے ہو' تم رقم وصول کر چکے ہو!"

"فضول باتوں سے پرہیز کریں' آپ نے یہ رقم کیسے اور کس طرح دی تھی؟"

"جس طرح تم لیتے رہے ہو۔ میں نے چیک بنا کر اس اکاؤنٹ میں جمع کرا
جس کا نمبر تم نے مجھے دیا تھا۔"

"کون سی تاریخ کی بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"چار پانچ روز ہی تو ہوئے ہیں۔ میں چیک بک دیکھ کر تمہیں تاریخ
ہوں۔"

"تفضل حسین صاحب۔ صرف ایک بات بتانی ہے آپ کو اور وہ یہ کہ آیندہ
آپ اس اکاؤنٹ میں چیک نہ جمع کرائیں۔ اس ماہ کا جو نقصان ہوا ہے وہ آپ کی اپنی
ذمے داری ہے۔ آپ یہ رقم کیش کی شکل میں مہیا کریں اور مجھے اپنا پتہ بتائیں' میں اسے
آپ سے وصول کر لوں گا۔"

"مگر یہ سب کچھ کیا ہے؟ کیا تم بے ایمانی کرنا چاہتے ہو؟"

"نہیں تفضل حسین صاحب۔ صورت حال ذرا سی بدل چکی ہے اب آپ کی
لگام میرے ہاتھ میں ہے' وہ شخص میرے ہاتھوں شکست کھا چکا ہے جو اب تک آپ کو
ہینڈل کر رہا تھا۔ اگر وہ اب آپ سے رابطہ قائم کرے تو آپ اس سے کہہ دیں کہ آیندہ
آپ یہ رقم اسے پیش نہیں کر سکیں گے۔ آپ کے تمام کاغذات جن کی تفصیل میں آپ کو
مختصراً بتا دوں' اب میرے پاس ہیں اور آیندہ سے آپ ادائیگی مجھے ہی کریں گے۔"

وہ خاموش ہو گیا اور دیر تک سوچتا رہا پھر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "اگر یہ بات
ہے دوست تو میں بڑی خوشی سے تیار ہوں لیکن اس کے علاوہ بھی میں تم سے کچھ گفتگو کرنا
چاہتا ہوں۔"

"جی فرمایئے؟"

"کیا ایسا ممکن نہیں ہو سکتا کہ تم ایک مخصوص رقم لے کر وہ کاغذات میرے
حوالے کر دو۔ میں ہر ماہ کی موت سے بچنا چاہتا ہوں' تم تصور نہیں کر سکتے میں کتنی اذیت
ناک زندگی گزار رہا ہوں۔ تم یقین کرو میرے دوست اگر تم میرے ساتھ یہ احسان کرو تو
میں نہ صرف یہ کہ تمہیں رقم ادا کردوں گا بلکہ تا عمر تمہارا شکر گزار رہوں گا' تمہارے یہ
الفاظ تو میرے لیے ایک طرح کی خوشخبری کی حیثیت رکھتے ہیں کہ میں اس منحوس شخص
کے چنگل سے نکل چکا ہوں' میں نے یہ پیش کش پہلے کئی بار اسے بھی کی ہے لیکن وہ نہیں
مانا۔" تفضل حسین کے لہجے میں ایسی عاجزی اور بے بسی تھی کہ میں اس سے متاثر ہوئے
بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے بلیک میلنگ کو ذریعہ روزگار تو نہیں بنانا تھا۔ بعض فائل تو ایسے بھی تھے
جن کے بارے میں' میں نے فیصلہ کیا تھا کہ یہ فائل متعلقہ لوگوں کو دے دوں گا۔ چنانچہ
اس کی بات پر میں نے ہمدردی سے غور کیا پھر اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس کے لیے تیار ہوں اور اگر کوئی دھوکا دہی کی تو یقین کرو
پھر زندگی بھر اس دوسری غلطی کو بھگتتے رہو گے۔"

"مجھے منظور ہے۔ تم اپنی تسلی کے لیے جو چاہو کر سکتے ہو۔ میں ہر تعاون کے
لیے تیار ہوں۔ بس تم مجھے رقم بتا دو اور جس وقت' جہاں تم کہو گے میں....."

"خیر رقم کی بات بھی بالمشافہ طے ہو جائے گی۔ آپ یہ بتائیں کہ میں کس وقت
اور کہاں آپ سے ملوں؟"

"میری تو خواہش ہے کہ تم اسی وقت مجھ سے مل لو لیکن اس وقت سے لے کر شام تک جس وقت بھی پسند کرو' رین بو کلاتھ اسٹور میں آجاؤ۔ میں اوپری منزل پر بیٹھتا ہوں' تم میرا نام لے کر کسی بھی وقت آ سکتے ہو۔ اپنے حوالے کے طور پر کوئی بھی نام مجھے بتا دو تا کہ میں اپنے ملازمین کو ہدایت کر سکوں کہ تم جب بھی آؤ تمہیں فوراً میرے پاس پہنچا دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے میں اب سے دو گھنٹے کے بعد آپ سے ملاقات کروں گا۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

یہ ایک نئی مصروفیت ہاتھ لگ گئی تھی' فی الوقت اور کوئی کام نہیں تھا چنانچہ میں نے اس کے ہر پہلو پر غور کیا اور اس کے بعد فیصلہ کر لیا کہ مجھے تفضل حسین صاحب سے مل لینا چاہیئے لیکن اس احمقانہ انداز میں بھی نہیں کہ میں ان کی دکان میں جاؤں اور ایک بار پھر مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ایک بلیک میلر کی حیثیت سے جانا پڑ جائے چنانچہ اس سلسلے ایک اچھی سی تجویز سوچی اور ملازمت کی ایک درخواست لکھ کر جیب میں رکھ لی۔ اس کے بعد معمولی سے لباس میں ملبوس ہو کر میں گھر سے باہر نکل آیا۔

خاصا بڑا شوروم تھا۔ کپڑے کے تھان کے تھان بھرے ہوئے تھے' پانچ چھ ملازمین کپڑے کی فروخت میں مصروف تھے' برابر میں ایک پتلا سا زینہ اوپر کی طرف جاتا تھا۔ اس زینے کے پاس اور کوئی موجود نہیں تھا اس لیے میں اطمینان سے اوپر چڑھ گیا۔ زینے کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے میں نے ادھر دیکھ لیا تھا' بظاہر کوئی مشتبہ شخصیت نظر نہیں آئی تھی۔ چنانچہ میں اوپر پہنچ گیا۔ شیشے کے ایک بڑے سے دروازے کے پیچھے سیٹھ تفضل حسین نظر آ رہا تھا۔ میں نے اندازے کی بنا پر ہی یہ سوچا تھا کہ یہی سیٹھ تفضل حسین ہو سکتا ہے۔ اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ میں نے اطمینان سے دروازہ کھولا اور اندر پہنچ گیا۔ اس نے میز پر سے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا تھا پھر اس کی آنکھوں میں ہلکی سی ناگواری کے اثرات پیدا ہوئے۔

"جی کہئے کیا بات ہے؟"

پھر جب میں نے اسے فون کا حوالہ دیتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔ تو اس کا رویہ یکدم بدل گیا۔

"بیٹھو۔" تفضل حسین کا چہرہ ڈھیلا پڑ گیا اور میں اطمینان سے ان کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ "ویسے تمہاری شخصیت اس لباس سے ہم آہنگ نہیں۔" تفضل حسین مسکرا کر بولے اور میں پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"یقین نہیں آ رہا کہ تم اتنے خطرناک آدمی ہو سکتے ہو۔ بہرصورت میں نے ان ساری باتوں کے لیے تمہیں تکلیف نہیں دی۔ اگر تمہارے ذہن میں یہ خیال ہے کہ میں

کسی طور تمہارے خلاف کوئی حرکت کی ہے تو اسے ذہن سے نکال دو بیٹے۔ میں تم سے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں ایک ستم رسیدہ آدمی ہوں۔ بے شک مجھ سے ایک غیر قانونی ہوئی ہے لیکن بیٹا انسان ہوں۔ اس کی جو سزا مجھے بھگتنی پڑی ہے اس کا تم تصور بھی کر سکتے' مالی طور پر تو جو کچھ ہوا سو ہوا' لیکن ذہنی طور پر مجھے شدید کرب سے گزرنا ہے۔ تم تو میرے مددگار ہو' بھلا میں تمہارے خلاف کوئی سازش کس طرح کر سکتا تھا' بتاؤ جو کچھ تم نے کہا ہے' کیا وہ درست کہا ہے؟" تفضل حسین نے پوچھا۔

"آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کسی قدر کھردرے لہجے کہا۔ "مجھے بیٹا کہہ کر مخاطب نہ کریں۔ ساری زندگی جذبات میں الجھ کر اپنے آپ کو احمق سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"اوہ' اچھا میں محسوس کر رہا ہوں لیکن یقین کرو' بھروسہ کرو مجھ پر۔ بیٹا کہہ کر تم سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا..... میرے تمہارے درمیان جو بات ہو گی' وہ طرح ٹھوس اور قابل عمل ہو گی جس طرح ہمارے درمیان ٹیلی فون پر گفتگو ہو چکی اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈالا جائے گا۔"

"جی یہی بہتر رہے گا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"تو پھر تمہیں کس نام سے مخاطب کروں؟"

"اس کی بھی ضرورت نہیں ہے' میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ آپ مجھ سے لیجئے۔"

"کیا میرے کاغذات تمہارے پاس موجود ہیں؟"

"اس وقت نہیں ہیں۔ معاملے کی بات ہو جائے کاغذات آپ کے حوالے کر ائیں گے۔"

"تو کیا تم اس بات پر تیار ہو کر مجھے ہمیشہ کی اس اذیت سے نجات دلا دو؟"

"ہاں میرا طریقہ کار مختلف ہے۔ میں آپ کو وہ کاغذات دے سکتا ہوں اور اگر کے ذہن میں یہ خیال ہو کر میرے پاس ان کی کوئی فوٹو اسٹیٹ وغیرہ موجود ہو گی تو ہ کرم اپنے ذہن سے نکال دیں' مکمل فائل آپ کے حوالے کیا جائے گا اور جو کچھ سے طے کروں گا' وہ قطعی اور آخری ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تم پر اعتماد کرتا ہوں' بولو کیا چاہتے ہو؟"

"ایک لاکھ روپے۔" میں نے جواب دیا اور تفضل حسین سوچ میں ڈوب گیا پھر

"یہ رقم فراہم کرنا میرے لئے مشکل ضرور ہو گا لیکن ناممکن نہیں' کوئی رعایت ہے اس میں؟"

"نہیں تفضل حسین میرے خیال میں' میں ابھی سودے بازی کرنا نہیں ہوں' آپ جانتے ہیں کہ اگر یہ فائل اس شخص کے پاس رہتا تو نجانے کتنے عرصے ک ممکن ہے تا زندگی وہ آپ کو اس ذہنی کرب میں مبتلا رکھتا اور آپ سے رقومات وصول رہتا۔ اس طرح ایک لاکھ روپے میں یہ فائل بہت سستی ہے۔"

"ہاں۔" اس میں کوئی شک نہیں ہے' بہر صورت مجھے منظور ہے' فائل کب مل جائے گی؟"

"رقم کب ملے گی؟" میں نے سوال کیا۔

"اگر تم فائل ساتھ لائے ہو تو یہ رقم ابھی مہیا ہو سکتی ہے۔"

"نہیں۔ میں فائل ساتھ نہیں لایا لیکن آپ آج ہی شام کو چار بجے یہ رقم کر کسی مقررہ جگہ آ جائیں' میں فائل آپ کے حوالے کر دوں گا۔"

"فائل مکمل طور پر دیکھے بغیر میں رقم تمہیں نہیں دوں گا۔"

"وہ مجھے منظور ہے لیکن آپ بھی یہ سن لیں کہ اگر آپ نے اس کے علاوہ کوئی حرکت کی تو پھر آپ کو مزید نقصانات سے دو چار ہونا پڑے گا..... ٹھیک چار بجے اسکوئر کے سامنے جو کارپوریشن پارک ہے اس میں پہنچ جائیں' رقم آپ کے پاس چاہیئے فائل میرے پاس موجود ہو گی۔"

○

اسی شام چار بجے میں نے فائل ایک بریف کیس میں رکھی اور اسی لباس چل پڑا۔ حالانکہ راستہ طے کرتے ہوئے میں نے متعدد خطرات کے بارے میں سوچا میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ میں تنہا رہ کر ان تمام لوگوں سے رقومات وصول نہیں کر سکو جن کی فائلیں میرے پاس موجود ہیں۔ اس کے لئے مجھے چند افراد کی ضرورت ہو کیونکہ اس طرح میں ایسے خطرات مول لوں گا جن کا تعلق بظاہر میری موجودہ زندگی نہیں ہے۔ لیکن یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ یہ خطرات میں جان بوجھ کر خرید لیکن بہرصورت مجھے رقم بھی جمع کرنی تھی۔ ایک لاکھ روپیہ بہت ہوتا ہے نجانے کس کام آئے' خاص طور سے میرے ذہن میں تغلق خان تھا۔ میں اس خطرناک آدمی کو لئے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں اسے اپنی مدد پر آمادہ کر لوں' اتنا آدمی اگر میرے ساتھ شامل ہو جائے تو میرے کام میں بڑی آسانیاں پیدا ہو سکتی تھیں نے چمن سے اس شخص سے ملاقات کرنے کے لئے کہا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ چمن اسے پاتا ہے یا نہیں۔ یا وہ مجھ سے ملاقات کرنے کے بعد میری مدد پر آمادہ ہوتا ہے یا مغرور آدمی تھا۔ اس کا غرور بھی توڑنا تھا اور اس کے لئے میرے ذہن میں خاص پر

تھا۔

بہرام اسکوائر کے سامنے ایک چھوٹا سا پارک تھا جو بلدیہ نے بنایا تھا' پارک میں جھولے وغیرہ لگے ہوئے تھے' ننھے ننھے بچے یہاں شام کے وقت کھیلنے آ جایا کرتے تھے' میں کئی بار اس پارک کو دیکھ چکا تھا اور کئی بار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ کاش مجھے بھی اس پارک میں کھیلنے کا موقع مل سکتا۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر وہ مکان تھا جہاں میں اپنے والدین کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ پارک میں بہت سے بچے کھیل رہے تھے۔ بریف کیس میں نے ایک درخت کی آڑ میں رکھ دیا اور وہاں سے کافی دور ہٹ آیا۔

ٹھیک چار بجے تفضل حسین پارک میں داخل ہوا' میں نے اس کی نگاہوں سے بچ کر اس کے اطراف کا جائزہ لیا' بظاہر تو کوئی اور نہیں تھا' تفضل حسین کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا اور وہ بظاہر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد میں اس کے قریب پہنچ گیا اور وہ چونک پڑا۔

"اوہ تم آ گئے!" وہ لمبا سانس لے کر بولا۔

"ہاں آیئے۔" میں نے کہا اور وہ پھر ادھ ادھر دیکھنے لگے' اس درخت کے پاس پہنچ کر جہاں وہ بریف کیس رکھا ہوا تھا میں نے تفضل حسین کے ہاتھ سے اس کے بریف کیس لے لیا'..... اور اسے کھول کر دیکھا۔ نوٹوں کی گڈیاں سجی ہوئی تھیں' یقینی طور پر یہ پورے ایک لاکھ تھے چنانچہ میں نے اپنا بریف کیس اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"آپ پورے اطمینان سے اسے چیک کر لیں' جس طرح آپ نے دیانتداری سے اپنا کام سر انجام دیا ہے' اسی طرح میں نے بھی دیانتداری سے اپنا کام کیا ہے۔ تفضل حسین آپ ایک ایک کاغذ دیکھ لیں' اگر کہیں غیر مطمئن ہوں تو مجھے بتائیں' ابھی آپ کی رقم میرے پاس موجود ہے۔"

"یہاں کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا.....

"جی نہیں' کوئی خطرہ نہیں ہے' آپ اطمینان سے یہاں اس بینچ پر بیٹھ جائیں۔" میں نے درخت کی دوسری سمت پڑی ہوئی سفید بینچ کی طرف اشارہ کیا اور تفضل حسین بینچ پر جا بیٹھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے بریف کیس کھولا اور پھر وہ فائل نکالی۔ اس کے بعد وہ فائل کا ایک ایک کاغذ دیکھنے لگے' میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں لیکن شاید تفضل حسین شریف آدمی ہی تھا۔ ابھی تک کوئی ایسی مشتبہ شخصیت نظر نہیں آئی تھی جس کے بارے میں' میں یہ سوچ سکتا کہ اسے تفضل حسین نے اپنی مدد کے لیے بلایا ہو گا۔ وہ جلدی جلدی سارے کاغذات دیکھتا رہا۔ اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا لیکن چہرے پر خوشی کے آثار نظر آ رہے تھے پھر اس نے پوری فائل دیکھ کر بند کر دی اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ "بالکل مکمل فائل ہے۔" وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"تو گویا ہمارے درمیان سودا بخیر و خوبی طے ہو گیا؟"

"سودا مت کہو اسے بیٹے' ایک بار پھر میں تمہیں بیٹا کہہ رہا ہوں۔ اب تو تمہیں اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو گا کہ میرے ان الفاظ میں کوئی کھوٹ ہے' تو میں کہہ رہا تھا کہ تم نے تو مجھے ذہنی کرب سے نجات دلائی ہے' کاش میں تمہارے بارے میں کچھ جان سکتا...."

"شکریہ تفضل حسین بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہمارے درمیان ایک صحیح سودا ہو گیا۔ اس سے زیادہ میرے بارے میں جاننا نہ آپ کے لیے سود مند ہو گا نہ میرے لیے۔" میں نے جواب دیا اور بریف کیس اٹھا کر چل پڑا۔

پارک سے نکل کر میں نے تیزی سے ایک سمت کا رخ کیا اور جس قدر جلد ممکن ہو سکا وہاں سے دور نکل آیا۔ میں اب بھی اس بات سے کسی قدر خوفزدہ تھا کہ کہیں تفضل حسین نے کوئی گہری چال نہ چلی ہو لیکن بہت سے علاقے گھومنے کے بعد جب میں اپنے گھر تک پہنچا تو مجھے اطمینان ہو چکا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

رات کو عظمت حسب معمول اپنے گھر جانے کے بعد میرے پاس پہنچا' اس کے پاس لیڈی جہانگیر کا ایک لفافہ موجود تھا جو اس نے میرے حوالے کر دیا۔ رسمی گفتگو کے بعد میں نے لفافہ کھول کر دیکھا۔ لکھا تھا۔

"ڈیئر منصور!

پروگرام کے مطابق میں طارق سے گرانڈ ایونیو کے ایک ریسٹورنٹ میں ملی جس کا حوالہ خود مجھے طارق نے دیا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں تو بہت عمدہ اداکاری کی ہے لیکن یہ نہیں جانتی کہ اس میں کس حد تک کامیاب رہی ہوں۔ میں نے طارق سے کہا کہ میں بے حد خوفزدہ ہوں۔ کیوں نہ میں ملک چھوڑ دوں اور کچھ عرصے کے لئے باہر چلی جاؤں' کہیں یوں نہ ہو کہ منصور دوسری کوشش میں مجھے قتل کر دے' اس بات پر طارق نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ایسا ممکن نہیں ہو گا۔ میری دن رات نگرانی کی جا رہی ہے اور منصور کو اس سلسلے میں کامیابی نہیں ہو گی۔ تب میں نے طارق سے پوچھا کہ اگر وہ کہے تو میں منصور کے بارے میں پولیس کو کوئی رپورٹ دے دوں۔ پولیس کو پرانے کیس کا حوالہ دیتے ہوئے بتاؤں کہ منصور اب مجھ سے انتقام لینے

پر آمادہ ہے۔ اس طرح پولیس بھی اس کے پیچھے لگ جائے گی۔ لیکن طارق نے مجھے منع کر دیا اور کہا کہ یہ مناسب نہیں ہو گا۔ مجھے اس پر اعتماد رکھنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی۔ اگر کوئی مزید ہدایت ہو تو عظمت کو زبانی سمجھا دو' ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ زیادہ تر ہمارے پیغامات زبانی ہی ہونے چاہئیں' کیونکہ وہ کم بخت اب پوری طرح مستعد ہو چکا ہے اس کی صحت بھی اب بالکل ٹھیک نظر آتی ہے۔

تمہاری گل۔"

پرچہ پڑھنے کے بعد میں نے اسے پھاڑ دیا۔ "اور کوئی خاص بات عظمت؟"

"نہیں منصور بھیا۔ بس باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ آرام کرو اور لیڈی جہانگیر کا خیال رکھنا۔" میں نے کہا اور اثبات میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

○

مسہری ہلنے لگی' خاصی زور زور سے ہلی تھی۔ میں شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً میری آنکھ کھل گئی۔ یہ حسینہ تھی جو میرے بستر پر کود رہی تھی۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے تم پر' جو یوں کود رہی ہو۔" میں نے کروٹ بدل کر کہا۔

"وہ ٹنن ٹنن آئی تھی۔"

"کون؟" میں نے ناک سکوڑ کر پوچھا۔

"ارے وہی جو اس کالے کوے میں چیختی رہتی ہے۔"

"خدا ہی سمجھے گا تجھے حسینہ۔ کم از کم اپنی بات تو ڈھنگ سے سمجھا دے۔" میں جماہی لے کر اٹھ بیٹھا۔

"ہم نے کہا نا وہ جو تم کان سے لگا کر "ہالو ہالو" کرتے ہو نا۔ اسی میں گھنٹی بجی تھی' کوئی اور تو تھا نہیں ہم نے ہالو ہالو کر لیا' وہی بول رہے تھے۔"

"کون؟" میں اس کی بات سمجھ گیا تھا۔ کسی نے ٹیلی فون پر گفتگو کی تھی۔

"بڑے صاحب۔"

"اوہو چمن؟ اچھا پھر؟"

"بس کہنے لگے منصور کو بلا دو کچھ کام ہے۔" میں نے کہا "کہاں بلا دوں۔" تو

کہنے لگے۔ اسی میں بات کرا دو۔ جلدی سے جاؤ سو ہم جلدی سے آ گئے اور اب تمہیں اٹھائے جا رہے ہیں پر تم اٹھتے ہی نہیں۔"

"اوہ اچھا۔ چلو جلدی سے ناشتہ وغیرہ لگا دو۔ میں ابھی منہ ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔"

"اور ان سے بات نہیں کرو گے؟"

"ہاں ہاں کیے لیتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور جلدی سے وہاں پہنچ گیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا لیکن پھر یہ دیکھ کر میں نے گہری سانس لی کہ ٹیلی فون کا ریسیور اپنی جگہ رکھا ہوا تھا۔ احمق حسینہ نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا تھا۔ بہرصورت میں نے ریسیور اٹھا کر چمن کے نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف سے فوراً ہی چمن سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"ہاں۔ وہ تغلق خان آنے والا ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں تو اسے نہیں بتایا..... بس یونہی اسے بلا لیا تھا۔" چمن بولا تو میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"وہ کس وقت پہنچے گا؟"

"ساڑھے گیارہ بجے تک لیکن تم اس سے پہلے ہی آ جاؤ۔ مجھے تم سے کچھ اور باتیں بھی کرنی ہیں۔" چمن نے کہا۔

"میں پہنچ رہا ہوں بس۔" میں نے جواب دیا اور ریسیور واپس رکھ دیا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں نے تیاریاں کیں' ایاز کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ ناشتہ کر کے جا چکا ہے۔ نجانے کیوں آج مجھے صبح کو اٹھنے میں دیر ہو گئی تھی۔ حالانکہ عام حالات میں' میں جلدی جاگ جاتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میری کار اس جگہ پہنچ گئی۔ جہاں چمن کا اڈہ تھا۔ میں نے کار پارک کر کے لاک کی اور چمن کے اڈے میں داخل ہو گیا۔ یہاں اب سب لوگ مجھے پہچانتے تھے۔ چند ساعت کے بعد میں چمن کے پاس پہنچ گیا۔ وہ حسب معمول اپنے تخت طاؤس پر بیٹھا احکامات صادر کر رہا تھا۔ اچھی خاصی بادشاہت تھی چمن کی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا اور اپنے نزدیک بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے قریب جا بیٹھا اور وہ پھر اپنے لوگوں کو ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔ ان سے فارغ ہوا تو میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"ہاں منصور! تم کہو تغلق خان کے سلسلے میں تمہارے ذہن میں کیا بات ہے؟"

"چھپانے کی بات نہیں ہے چمن' بس سوچ رہا تھا کہ تغلق خان بہت بڑی چیز ہے اور میں معمولی سا آدمی لیکن میرے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر ایسا آدمی سیٹھ جبار کے خلاف میرے ساتھ شامل ہو جائے تو بڑا لطف رہے گا۔"

"ہوں تو یہ مسئلہ تھا۔" چمن نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی پھر بولا۔ "مشکل

منصور ناممکن ہے۔ تغلق خان کو تم جانتے نہیں ہو' وہ بہت اونچی چیز ہے۔ میں یہ تو ہیں کہہ سکتا کہ وہ کسی کے لئے کام نہیں کر سکتا لیکن وہ آزادی سے کام کرنے کا قائل ہے۔ مشکل ہی ہے کہ وہ کسی کے احکامات پر رہ کر کام کرے۔"

"میں احکامات کی بات نہیں کر رہا چمن! بس میں اسے اپنا مددگار اور ساتھی بنانا چاہتا ہوں۔"

"اوہ اس کے ساتھ مل کر سیٹھ جبار کے خلاف کام کرو گے؟" چمن نے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا اور چمن خاموش ہو گیا پھر اس نے کسی قدر الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بہرحال ٹھیک ہے۔ تم کوشش کر لو لیکن مجھے امید نہیں ہے۔ وہ بہت مغرور بھی ہے' مجھے بھی خاطر میں نہیں لاتا اور میں بھی اس سے الجھتا نہیں ہوں کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کے اچھے دوست ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں کوشش کر لوں گا۔ ناکام رہا تو بھی کوئی ہرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

چمن تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر وہ شانے ہلا کر بولا..... "اس طرح تو تمہیں اپنے کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔"

"کیا مطلب؟" میں نہیں سمجھا۔

"دراصل میرے ذہن میں کچھ منصوبے تھے' میرا خیال تھا کہ میں تمہیں ان باتوں پر لے آؤں۔ بات ہوئی تھی نا ہمارے درمیان۔ میں نے تم سے اجازت مانگی تھی مجھے کچھ وقت دو اور اگر سچی بات سننا پسند کرو منصور' تو میں نے جو تمہیں پارٹنر شپ کی پیش کش کی تھی وہ بھی اسی خیال کے تحت کی تھی۔"

"کس خیال کے تحت؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"دیکھو منصور! میرا کوئی ایک کام نہیں ہے۔ اس کا اندازہ تم بھی کر چکے ہو گے میں نے بھی کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور اس سلسلے میں مجھے ہمیشہ بہتر ساتھیوں کی ضرورت رہی ہے۔ تمہارا کیس تو مجھے معلوم نہیں تھا لیکن تمہیں دیکھ کر میرے اپنے تجربے نے بتایا تھا کہ تم نہایت ٹھوس شخصیت کے مالک ہو۔ ذہین بھی ہو اور میرے لئے کارآمد بھی ہو سکتے ہو۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر تم تیار ہو گئے تو تمہیں اپنے ساتھ شامل کر لوں۔"

"مگر مسئلہ کیا ہے یہ تو بتاؤ؟" میں نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"میں چاہتا تھا کہ تم یہاں سے باہر نکل جاؤ۔ میرا کچھ مال ہے جسے چند جگہوں پر رکھا ہے۔ ان جگہوں کے بارے میں تمہیں تفصیلات مہیا کر دوں گا۔ بشرطیکہ تم پسند کرو۔

اس سے تمہیں بھی ایک فائدہ ہو گا۔"

"وہ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"تم مشرق وسطیٰ کی ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں اپنی ماں اور بہن کی تلاش سکو گے جہاں عموماً یہاں کی لڑکیاں پہنچا دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اگر تم یہ کامیاب ہو آئے تو تمہاری مالی حالت بھی کافی بہتر ہو جائے گی۔ اتنی بہتر کہ تم بڑی باقاعدگی سے اعلیٰ قسم کا کاروبار کر سکتے ہو۔ دراصل تمہارے بارے میں بہت غور و خوض کیا۔ دعا تو یہی ہے کہ تمہاری امی اور بہن زندہ سلامت ہوں۔ خدا کرے وہ تمہیں مل جائیں جوں جوں وقت گزر رہا ہے میری تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے آخر اس طویل گم کا پس منظر کیا ہے؟"

"پس منظر؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ہاں پس منظر۔ مسئلہ کچھ بھی تھا۔ ان دونوں کے ساتھ زیادتی کر کے کسی ملا؟" اس نے بڑبڑانے کے سے انداز میں کہا۔

میں خاموش نگاہوں سے چمن کو دیکھ رہ تھا۔ وہ چند لمحات تک خیالات میں میری صورت تکتا رہا۔

"خاموش کیوں ہو گئے چمن۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"بس منصور۔ ان دونوں کا خیال آ گیا تھا جنہیں میں نے کبھی نہیں دیکھا جن کے لئے میرا دل اسی طرح دکھتا ہے جیسے میں ان سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ان مل چکا ہوں۔" چمن کی آواز بھاری ہو گئی۔

"چمن میرے دوست۔ بار بار تمہارے احسانات کا تذکرہ کچھ بھلا نہیں لگتا۔ تمہاری بے حد عزت کرتا ہوں اور خود میں یہ مجال نہیں پاتا کہ تمہاری کسی بات سے کر دوں۔ لیکن جہاں تک ماں اور بہن کی تلاش کا معاملہ ہے میں باہر کے ممالک میں انہیں کہاں تلاش کروں گا۔ کون سی جگہ انہیں ڈھونڈوں گا۔ کیا اس وسیع دنیا میں، مجھ بے مایہ انسان ان گمنام ہستیوں کو تلاش کر سکے گا۔ میرا ایمان ہے چمن کہ سیٹھ جبار دونوں کے بارے میں جانتا ہے اگر اس کی زبان کھل جائے تو یوں سمجھو ساری مشکلات ہو جائیں مجھے تھوڑے عرصہ کی مہلت اور دے دو چمن۔ اس کے بعد تمہاری ہدایات عمل کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہو گا۔"

"اس تھوڑے عرصہ میں تم کیا کرو گے؟"

"جو کچھ بھی بن پڑا۔ بس کسی طرح سیٹھ جبار کو مجبور کرنے کا چانس جائے۔"

چمن خاموش ہو گیا لیکن اس خاموشی کے بعد اس نے کوئی اور بات شروع

کی تھی کہ تغلق خان آ گیا۔ وہ اچانک ہی اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی جو مجھے دیکھ کر سکڑ گئی۔

"یہ لڑکا پھر یہاں موجود ہے۔ چمن تجھے کیا ہو گیا ہے۔ مردوں میں اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دیا ہے کیا؟"

"تغلق خان۔ منصور میرا بہت عزیز دوست ہے۔ میں نے تمہیں اس دن بھی بتایا تھا۔ آؤ بیٹھو میں تمہارا اس سے تفصیلی تعارف کراؤں۔ منصور تم سے ملنا بھی چاہتا تھا۔" چمن نے کہا۔

"نہیں بھئی۔ میں ٹھیک ٹھاک آدمی ہوں۔ کسی خراب چکر میں نہیں پڑتا۔ بھگاؤ اس لڑکے کو تم سے بات کرنی ہے۔ چل بھئی گولی ہو جا۔" میں نے چمن کی طرف دیکھا اور چمن خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر مجھے دیکھنے لگا۔ تب میں نے چمن سے کہا۔

"تغلق خان سے پوچھو چمن۔ یہ مرد کسے سمجھتا ہے؟"

"ارے چھوٹے۔ جا میرے لعل، بھاگ جا یہاں سے۔ بچے ایسی باتیں نہیں پوچھتے چل اٹھ جا شاباش۔"

"یہ میرے محسن کا اڈہ ہے تغلق خان اور تم اس کے دوست ہو۔ اس لئے میں بھی خاموش ہوا جاتا ہوں۔ ورنہ ساری زندگی کے لئے تمہارا غرور خاک میں ملا دیتا۔ اچھا چمن چلتا ہوں۔" میں اٹھ گیا لیکن تغلق خان کو میری بات لگ گئی تھی اس نے ایک ہاتھ بڑھا کر کے میرا راستہ روک لیا۔

"چمن۔ یہ لڑکا تیری شہہ پر بولا ہے!" اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"مجھ سے بات کرو تغلق خان۔ بھینسے اور چیتے کا فرق سمجھتے ہو۔ اگر نہیں تو میں اور ملنا سمجھا دوں گا۔ ہاتھ ہٹاؤ۔" میں نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور آگے بڑھ گیا لیکن تغلق خان جلدی سے آگے بڑھ کر میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ تیری شہہ پر بولا چمن، جواب دے؟"

"سمجھنے کی کوشش کرو تغلق خان۔ منصور بہت اچھا لڑکا ہے۔"

"لڑکا نہیں چیتا ہے، چیتا اور مجھے بھینسے اور چیتے کا فرق، سمجھانے پر آمادہ ہے۔ لوں فرق پھر بات کروں گا تم سے۔" تغلق خان نے کہا۔

"اجازت دے دو چمن۔ اس کے بعد ہم دوستی کر لیں گے۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں منصور۔ یہ کس چکر میں پڑ گئے تم۔" چمن گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"یار تو بڑا تنگ دل ہو گیا ہے چمن۔ ذرا تیرے میدان میں کھیل لیں گے تو کون سی ویرانی ہو جائے گی۔" تغلق خان بولا۔

"تغلق۔ تم ابھی تک نہیں بدلے۔ چھیڑ چھیڑ کر جھگڑے نکالنے کی عادت نہیں

گئی تمہاری۔ منصور تم سے دوستی چاہتا ہے۔" چمن نے دوبارہ بات برابر کرنے کی کوشش کی پھر میرا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "تم جاؤ منصور۔ میں پھر کسی وقت تم سے بات کروں گا۔" وہ آگے بڑھا۔

"دوستی ختم چمن۔ تو تغلق خان کی عادت سے واقف ہے۔ تغلق خان ایسے ں سے دوستی نہیں رکھتا۔ جو دوست کے خلاف کوئی بات سن کر خاموش رہیں۔ چھوڑ ، اس کا ہاتھ۔ ہم باہر جا کر فیصلہ کر لیں گے۔"

چمن کی کیفیت سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بدحواس ہو گیا تھا۔ نہ وہ تغلق ں سے بگاڑ سکتا تھا نہ مجھ سے۔ اس وقت اس کی ساری ذہانت دھری کی دھری رہ گئی ی۔ میں نے اس سے کلائی چھڑا لی.....

"آؤ تغلق خان۔ تم بہت اونچی چیز ہو۔ میں بھی زندگی میں کوئی مقام حاصل کرنے کے چکر میں ہوں۔ فیصلہ کرنا ہی پڑے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں چمن کہ اسے قتل نہیں کروں گا لیکن اس مغرور آدمی کے چہرے پر اپنا نشان ضرور چھوڑ دوں گا تاکہ اسے یاد رہے۔"

"مرو۔ دونوں ہی پاگل ہو۔" چمن برا سا منہ بنا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اسے بھی غصہ آ گیا تھا۔

تغلق خان خونی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے اشارہ کر کے کہا۔

"آؤ تغلق خان اپنی پسند کی جگہ چلو۔ تمہارا دماغ تمہاری پسندیدہ جگہ پر درست کروں گا۔"

"کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہیں فیصلہ کر لو۔ چمن چوہا نہیں ہے۔ لاشیں ٹھکانے لگانے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہو گی۔" چمن کا لہجہ بدل گیا تھا۔ میرا بھی دماغ گھوم گیا تھا۔ تغلق خان نے ضرورت سے زیادہ بدتمیزی کی تھی۔ اس کا غرور توڑنا اب ضروری ہو گیا تھا۔ ورنہ آگے چل کر نہ جانے کیا کیا برداشت کرنا پڑے گا۔

تغلق خان نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ اس کا چہرہ خون کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ لمبے لمبے ہاتھوں کا پھیلاؤ بھی بہت زیادہ تھا میری آنکھوں میں جلال بابا گھوم گئے بلاشبہ ان معاملات میں وہ میرے لئے ایک روحانی حیثیت رکھتے تھے اور نہ جانے اس تصور نے کون سی حس بیدار کر دی۔ میں خود ہی آگے بڑھ گیا۔ تغلق خان ریسلرز کے انداز میں سینہ آگے کر کے مجھ پر جھپٹا اور اس نے مجھے اپنے لمبے ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا۔ میں نے بھی سینہ پھلا کر سانس روک لیا اور دونوں کھلے ہوئے ہاتھ اس کے کانوں پر مارے۔ یقیناً ان کی ضرب زور دار ہو گی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ تغلق خان کے دونوں ہاتھ جلدی سے کھل گئے۔ اس نے دانت کچکچا کر پھر ہاتھ پھیلائے اور مجھے گرفت میں لینے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے ایک ہاتھ کی کلائی پکڑ کر

پوری قوت سے کھینچی اور جونہی وہ آگے بڑھا میں نے اپنا پاؤں اس کے پاؤں میں پھنسا کر اسے گرا دیا۔ تغلق خان بری طرح گرا تھا لیکن گرانڈیل ہونے کے باوجود وہ بے حد پھرتیلا تھا۔ نیچے گرتے ہی وہ پھر کھڑا ہو گیا پھر اس نے اچھل کر مجھے ٹکر مارنے کی کوشش کی لیکن اب تو وقار کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ میرے حلق سے ایک دھاڑ نکلی اور میں نے گھوم کر سیدھی لات اس کے سر پر ماری' وہ رکا تو میری دوسری لات بھی اس کے سر پر پڑی اور تغلق خان کا سر چکرا گیا لیکن میں نہ رکا۔ میں نے اسے گھونسوں پر رکھ لیا اور تغلق خان کے جبڑے ہل گئے۔ وہ ابھی تک مجھے ایک ہاتھ بھی نہیں مار سکا تھا۔ بس ہاتھ پھیلا پھیلا کر مجھے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب وہ اس کوشش میں ناکام رہا تو دفعتاً" اس نے پیچھے ہٹ کر چاقو نکال لیا۔

"چاقو کا کھیل نہیں ہو گا تغلق خان۔" چمن آگے بڑھ کر بولا۔ لیکن تغلق خان نے غراتے ہوئے چمن پر حملہ کر دیا۔ وہ پاگل ہو گیا تھا۔ چمن بمشکل اس کی زد سے بچا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے اپنے آدمیوں کو آوازیں دینا شروع کر دیں اور چار پانچ خطرناک شکل آدمی اندر گھس آئے۔ اندر کی صورت حال دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے تھے۔

"پکڑو اسے یہ دیوانہ ہو گیا۔" چمن چیخا لیکن اس دوران میں تغلق خان نے ایک اور چاقو نکال لیا تھا۔ اب اس کے دونوں ہاتھوں میں کھلے ہوئے چاقو تھے اور وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا چہرے پر ایسے ہی آثار تھے جیسے سب کو دشمن سمجھ رہا ہو پھر اس کی غراہٹ ابھری۔

"آ جاؤ۔ آ جاؤ۔ سب آ جاؤ۔ ایک ایک کو ڈھیر نہ کر دوں تو تغلق خان نام نہیں ہے۔" اس نے چمن کے آدمیوں کو للکارا۔

"چمن ان سب کو پیچھے ہٹا لو۔ اگر تم میرا نقصان نہیں چاہتے۔" میں نے کہا اور تغلق خان کے ایک حملے سے بچنے کے لئے اسے جھکائی دی۔ تغلق خان نے فوراً پلٹ کر میری کمر پر وار کرنے کی کوشش کی اور چاقو میری کمر سے صرف ایک انچ کے فاصلے سے گزر گیا۔ اب اسے کوئی موقع دینا خود کو ہلاکت میں ڈالنا تھا میں آگے بڑھا اور چاقوؤں کو کلائی پر روکا پھر 'چانٹا' مار کر اس کی دونوں کلائیاں ایک دوسرے سے ملائیں اور اس کے ہد الٰہی قلابازی کھا کر اس کی گردن میں قینچی ڈال کر اسے گھما دیا۔ تغلق خان ہوا میں چھل کر چت گرا' اور جونہی اس کے ہاتھ مڑے۔ میں اس کی دونوں کلائیوں پر کھڑا ہو گیا ہر میں نے جھک کر دونوں چاقو اس کے ہاتھوں سے نکال لیئے اور دوسرے لمحے میں نے ان چاقوؤں کی نوکوں سے تغلق خان کی کشادہ پیشانی پر کراس بنا دیا۔ دونوں نشانوں سے خون پھوٹ پڑا تھا۔ میں نے تیز چاقو کی ایک لکیر تغلق خان کی گردن پر بنائی دوسری اس کے دل کے مقام پر اور پھر الٹا کود کر الگ کھڑا ہو گیا۔

"اب میں نے پہلی بار چمن اور اس کے ساتھیوں کی شکلیں دیکھی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں تحسین کے جذبات تھے۔ تغلق خان نے گردن جھٹکی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ خون اس کی آنکھوں میں رینگ آیا تھا۔

"قتل نہیں کرے گا چمونے؟" اس بار اس کی آواز ڈھیلی تھی۔

"ابھی میں نے ایک بھی قتل نہیں کیا تغلق خان۔" میں نے جواب دیا۔

"چل ابتدا کر لے۔" وہ آنکھوں سے خون پونچھتا ہوا مسکرایا۔

"یار کا گھر ہے۔ جو کچھ ہوا ہے اس کا افسوس ہے۔"

"یہ چیتا کہاں سے پکڑا ہے چمن۔ کون سے جنگل سے تلاش کیا ہے یار۔ اس نے تو دل خوش کر دیا۔ لے سہارا دے۔ اٹھا نہیں جا رہا۔" تغلق خان نے ہاتھ پھیلا دیا۔ چمن اور اس کے ساتھیوں نے سہارا دے کر اسے کھڑا کیا میں نے دونوں چاقو بند کر کے جیب میں رکھے اور چمن سے بولا۔

"پھر آؤں گا چمن۔ دل میں خون کی پیاس ابھر رہی ہے۔" چمن نے مجھے اشارہ کیا کہ میں چلا جاؤں اور میں نے واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے واپس جا رہا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا انتہائی ڈرامائی طور پر ہوا تھا۔ میں چمن کی پریشانی بھی سمجھتا تھا اور مجھے اس کا افسوس تھا۔ بہرحال اب تو ہو ہی چکا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ چمن پر کیا رد عمل ہوتا ہے۔ وہ تغلق خان سے کسی قدر دبا دبا سا محسوس ہوتا تھا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو بھگتنا تھا۔ بس ایک بات کا افسوس تھا تغلق خان اس طرح ہاتھ سے نکل گیا ورنہ جاندار چیز تھی۔ بہرحال جو ہونا تھا ہو چکا تھا اور اب اس کی فکر بیکار تھی۔ وہاں سے گھر کا رخ ہی کیا تھا۔

شام کو ایاز واپس آیا۔ بہت خوش تھا۔ چند تصویریں نکال کر میرے سامنے ڈال دیں اور میں چونک پڑا۔ یہ مسعود اختر اور اینجل کی تصویریں تھیں۔ اینجل غسل کے لباس میں تھی اور کئی پوز ایسے تھے جو میرے لئے نہایت کارآمد تھے۔ میں ایاز کی اس کارکردگی پر متحیر رہ گیا۔

ایاز کو میں نے آج دن کا واقعہ نہیں بتایا تھا۔ رات کو آٹھ بجے چمن آ گیا۔ مجھے بے چینی سے چمن کی آمد کا انتظار تھا۔ بہرحال میں نے بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا تھا۔

"ہیلو چمن۔"

"ہیلو منصور۔ آج تو تم نے ساری زندگی کے تجربات غارت کر کے رکھ دیئے ہیں۔ افضال خان کے سلسلے میں ہی میں حیران تھا لیکن آج تمہیں دیکھ کر میرے ذہن میں نئی حیرتوں نے جنم لیا ہے۔ یہ سب کچھ تم نے کہاں سے سیکھا منصور؟"

KitabPk.Com

"شرمندہ کر رہے ہو چمن۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ تمہارے اڈے پر۔"

"ہاں یہ بہت برا ہوا ہے۔ میں تو تم سے ملاقات کے لئے بے چین تھا لیکن جان بوجھ کر تمہاری طرف رخ نہیں کیا۔ جب تک مکمل اطمینان نہ کر لیا۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی بس کیا بتاؤں' کہہ رہا تھا' نا کہ جو کچھ ہوا اچھا نہیں ہوا۔ تغلق خان شاید زندگی میں پہلی بار تمہارے ہاتھوں اس طرح ذلیل ہوا ہے۔ اس نے زندگی میں کبھی بھی اس طرح شکست نہیں کھائی' مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے میں نے بھی اس سے بہت کچھ سیکھا ہے اور میں خود اس بات پر حیران ہوں کہ وہ یہاں واپس کیسے آ گیا اور اگر آیا ہے تو کس مقصد کے تحت آیا ہے۔ تمہاری بات پر میں نے تم سے کہا تھا نا کہ وہ اتنی اونچی چیز ہے کہ کسی چھوٹے موٹے مسئلے میں دلچسپی لینا پسند ہی نہیں کرے گا' میرے ذہن میں تو رہ رہ کر ایک شبہہ ابھرتا ہے۔ وہ یہ کہ کہیں سیٹھ جبار نے تو اسے یہاں نہیں بلایا۔"

"اگر یہ بات بھی ہے چمن تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ٹھیک ہے سیٹھ جبار نے اسے کسی بھی مقصد کے تحت بلایا ہو' اس کا واسطہ دوبارہ مجھ سے ہی پڑے گا نا۔" میں نے بڑے اعتماد سے کہا اور چمن تحسین آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"منصور تم یقین کرو کہ اب تو میں تمہارے بارے میں بھی حیران ہونے لگا ہوں۔ مجھے قدم قدم پر حیرتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر تمہاری طرح کا کوئی باصلاحیت نوجوان کسی سے انتقام لینے پر تل جائے تو بلاشبہ خطرناک ترین ثابت ہو سکتا ہے۔ تم سیٹھ جبار کی کوٹھی میں گھس کر اس سے کیوں نہیں جا بھڑے' یہ ساری باتیں اب مجھے بہت حیران کر رہی ہیں منصور! میں تمہارے بارے میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔ حالانکہ تم بارہا ایسی شکلوں میں میرے سامنے آئے ہو کہ اگر میری باریک بین نگاہیں تمہارا جائزہ نہ لے لیتیں اور میرے دل میں تمہاری محبت نہ پیدا ہو جاتی تو شاید میں تم پر توجہ نہیں دیتا۔ تم ایک جیب کترے کے ساتھ میرے پاس پہنچے' وہ تمہارا دوست ہے پھر لیڈی جہانگیر جیسی عورت نے تم پر الزام لگا کر تمہیں جیل بھجوا دیا۔ اس سے پہلے بھی تم حالات کا شکار ہوتے رہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا منصور' آخر کیا وجہ تھی؟ تم نے اپنے طور پر اپنی صلاحیتوں کا استعمال کیوں نہیں کیا؟ اپنے دفاع کے لئے ہی سہی' تم نے اپنے دشمنوں کو ختم کیوں نہیں کیا۔ بڑی ہی حیران کن باتیں ہیں۔ بے حد تعجب خیز۔ میں سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔" چمن نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"چمن! تغلق خان کو اس طرح زک پہنچانے میں میری اپنی کوششوں کا دخل نہیں تھا۔ بس اس نے اس طرح بدتمیزی کی تھی..... کہ میں برداشت نہیں کر سکا۔ باقی جہاں تک رہا اپنے دشمنوں سے نمٹنے کا مسئلہ۔ تو یقین کرو چمن ایک بار پھر کہوں گا کہ بچپن

ہی سے میں نے وطن اور انسانوں سے محبت کرنا سیکھا ہے اور پیار محبت کے اس سبق کو جاری رکھنا چاہتا ہوں لیکن بدنصیبی مجھے بار بار برائیوں کی جانب دھکیل رہی ہے۔ میں معاشرے کا برا کردار نہیں ہوں لیکن برا بننے پر مجبور ہوں۔ چمن' اگر آج بھی میری ماں اور بہن مجھے مل جائیں تو میں اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر دوں گا۔ ان سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ حالانکہ انہوں نے میری زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ سیٹھ جبار اگر اپنی فطرت بدل کر مجھے میری ماں اور بہن کا پتہ بتا دے تو یقین کرو میں اسے بھول جاؤں گا۔ میں مجرم نہیں بننا چاہتا چمن۔ میں جرم کرنا نہیں چاہتا۔"

چمن گردن جھکا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے میرے دوست۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکا۔ کاش میں ایک انسان کو انسان بنانے میں اپنا کردار ادا کر سکتا لیکن میں بھی بے بس ہوں۔ منصور میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ تغلق خان اب سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا رہے گا۔ وہ تم سے اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لے گا۔ بس وہ اسی قسم کا آدمی ہے' تمہارے ہاتھوں زک اٹھا چکا ہے۔ اب اس وقت تک کوئی کام نہیں کرے گا جب تک تمہیں نیست ونابود نہ کر دے۔ اس طرح تم نے ایک اور دشمن کا اضافہ کر لیا ہے۔"

چمن کی بات پر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔"دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے چمن۔ اگر ان میں ایک کا اضافہ ہو جائے گا تو کیا فرق پڑے گا۔ میرے دوست بھی تو ہیں۔ میرے دوستوں نے جس طرح مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ میں اسے کیسے فراموش کر سکتا ہوں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میرے دشمنوں کی تعداد ہر چند کہ بہت زیادہ ہے لیکن جو میرے دوست ہیں ان کی محبت ان دشمنوں کی نفرت پر بھاری ہے۔ مجھے تو رہ رہ کر بس یہ شرمندگی ستا رہی تھی کہ تمہارے اڈے پر میرے ہاتھوں یہ حرکت ہوگئی۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔ تغلق خان تمہارا بھی دشمن ہو گیا ہوگا چمن؟"

"اس نے اس سلسلے میں کوئی بات تو نہیں کی لیکن میں اس کینہ پرور سے اچھی طرح واقف ہوں' ممکن ہے وہ میری جانب رخ نہ کرے۔ چونکہ میرے گھر کے احاطے میں کسی دوسرے کے ہاتھوں ذلیل ہوا ہے لیکن دوستی وہ مجھ سے بھی نہیں رکھے گا اب۔ ممکن ہے وہ میرے سامنے ہی نہ آئے۔" چمن نے جواب دیا۔

"خیر ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پہلے میرے ذہن میں یہ تھا کہ وہ میرا ساتھ دے لیکن اب کھیل ہی الٹ گیا ہے۔ میں بھی تمہاری اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ ممکن ہے وہ سیٹھ جبار کا ساتھی ہو لیکن اب جو ہو گا دیکھا جائے گا' ایک اور سہی' کیا فرق

KitabPk.Com

پڑتا ہے۔" میں نے کہا اور چمن کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میری تو خواہش ہے منصور کہ تم میری بات مان لو۔"

"کون سی بات؟"

"وہی۔ ایک ٹور کر لو۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ لگ جائے گا۔ بس اس سے زیادہ تو نہیں صرف ہوگا۔ اس دوران میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے فرائض میں سنبھال لوں گا۔ امی اور فریدہ کی تلاش اسی طرح جاری رکھوں گا جس طرح تم اپنے طور پر لگن سے کوشش کر رہے ہو۔ تمہیں میرے خلوص پر یقین ہوگا منصور کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں صحیح کہہ رہا ہوں۔ اس طرح سے مجھے سکون ملے گا۔ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ گے تو تغلق خان بھی تمہیں تلاش کر کے مایوس ہو جائے گا اور پھر ممکن ہے وہ دوسرے معاملات میں مصروف ہو جائے۔ مجھے بڑی آسانیاں ہو جائیں گی۔ کیونکہ میرے لئے وہی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ اگر تم میری مدد کرو تو میں ان مشکلات سے نکل سکتا ہوں۔"

میں پریشان ہو گیا تھا۔ چمن نے بلا شبہ بے لوث میرا ساتھ دیا تھا۔ اس نے مجھے رہنے کے لئے گھر دیا تھا۔ ہر چند کہ اب میرے پاس لیڈی جہانگیر کے دیئے ہوئے دو مکانات بھی تھے۔ جن کا ابھی تک کوئی مصرف دریافت نہیں ہو سکا تھا لیکن میں اس کی محبت کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ کافی دیر تک میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ چمن امید وبیم کی نگاہ سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر میں نے گردن ہلا کر کہا۔

"اچھا چمن۔ مجھے صرف پندرہ دن کی مہلت دے دو' پندرہ دن کے بعد تم جس طرح کہو گے میں اس پر عمل کروں گا چمن جہاں بھیجو گے چلا جاؤں لیکن یہ پندرہ روز کی مہلت ضروری ہے۔" میری اس بات پر چمن کی آنکھوں میں مسرت کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

"وعدہ کرتے ہو منصور؟"

"ہاں چمن وعدہ' پندرہ دن کے بعد میں تمہاری ہدایت کے مطابق عمل کروں گا۔" میں نے کہا اور چمن نے اپنا ہاتھ میری جانب بڑھا دیا۔

"بس اب میں چلتا ہوں لیکن خدا کے واسطے آئندہ تغلق خان کے سامنے آنے کی کوشش مت کرنا۔ اس بات کو ذہن سے نکال دو کہ وہ کسی طور پر تمہاری مدد کر سکتا ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ اب تم نے اس کے بارے میں اچھی طرح اندازہ کر لیا ہو گا۔ وہ تمہارا دشمن ہو سکتا ہے دوست نہیں۔"

"ہاں۔ میں خیال رکھوں گا۔" میں نے کہا اور چمن چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ چمن نے جو فرمائش کی تھی اس سے کسی طرح گلو خلاصی ممکن نظر نہیں آ رہی تھی۔ بہرصورت اس نے مجھ پر احسان کیا تھا۔ اس کے لئے اتنا

کام تو کرنا ہی تھا اور پھر کون سا امی اور فریدہ میرے سامنے آ گئی تھیں کہ میں دوسری باتوں کو نظرانداز کر دیتا۔ ابھی تو انھی لوگوں کے درمیان زندگی گزارنی تھی۔ نجانے دکھ کا یہ سفر کتنا طویل ہو گا۔ اس میں جو چند شناسا' ساتھی یا ہمدرد ملے تھے انہیں گنوانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ عظمت کے آنے پر میری سوچ کا سلسلہ ٹوٹا۔ یہ اچھی بات تھی کہ عظمت' چمن کے سامنے نہیں آیا تھا۔ نجانے کیوں ابھی تک میں نے چمن کو عظمت کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں اپنے دوسرے کام سے کسی کو باخبر رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ سب کچھ بھی غیر فطری طور پر ہی ہوا تھا۔ ورنہ چمن جیسی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ اس سے کچھ چھپانا ضروری ہوتا۔ عظمت نے کوئی خاص رپورٹ نہیں دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی چلا گیا۔ لیکن خیالات نے آدھی رات تک مجھے پریشان رکھا تھا۔ آدھی رات کے بعد کسی وقت مجھے نیند آ گئی اور میں گہری نیند سو گیا۔

○

KitabPk.Com

اس کے بعد

؟

بازی

کے دوسرے حصے

کا مطالعہ کریں!